تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (15)

سورہ بنی اسرائیل (مکمل)

سورہ الکہف (مکمل)

سورہ مریم (مکمل)

تفسیر الفرقان

مؤلف ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

جلد (15)

سورہ بنی اسرائیل (مکمل)

سورہ الکہف (مکمل)

سورہ مریم (مکمل)

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب========= تفسیر الفرقان

نام مصنف========= محمد طاہر بھٹی چک قاسمکا

جلد نمبر========= (15)

صفحات ========= ۵۰۰

قیمت ========= 0

ڈاکٹر اسلامی محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسمکا

موبائل نمبر

03477172726 , 03030144460

ایڈریس

چک قاسمکا تحصیل و ضلع بہاولنگر، پنجاب پاکستان

E-mail:Tahirbhatti697@gmail.com

فہرست

عنوانات	نمبر شمار
سورہ بنی اسرائیل	13
سورہ کا نام	13
سورہ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول	13
پس منظر	14
مضامین کا خلاصہ	15
اسراء (معراج)	17
واقعہ معراج حالت بیداری میں روح مع جسد تھا	20
حضرت نوح (علیہ السلام) کے بہت شکر گزار ہونے کے متعلق احادیث	32
یہودیوں کی دوبارہ سرکشی اور اس کی سزا میں ان پر دوبار دشمنوں کے غلبہ پر بائبل کی شہادت	35
حضرت داؤد (علیہ السلام) نے ان کو تنبیہ کی	36

یہودیوں کا انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کرنا	39
بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کرنا	42
غصہ میں اپنے اور اپنے اہل کے خلاف دعا کرنا	49
بندہ کا اپنے صحائف اعمال کو پڑھنا	57
شان نزول: (آیت) ”ولاتزروازرۃ وزر اخری“۔ (الخ)	59
اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متصل ماں باپ کی اطاعت کا حکم دینے کی توجیہ	75
ماں باپ کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات	76
ماں باپ کے حقوق کے متعلق احادیث مبارکہ	77
شان نزول: (آیت) ”وات ذا القربی“۔ (الخ)	86
شان نزول: ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین	87
شان نزول: (آیت) ”واما تعرضن عنہم“۔ (الخ)	88
شان نزول: (آیت) ”ولاتجعل یدک مغلولۃ“۔ (الخ)	90
اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل	115
شان نزول: (آیت) ”واذا قرأت القران جعلنا بینک“۔ (الخ)	119

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا	120
آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا	122
نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کے متعلق علماء متقدمین کا نظریہ	124
مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل	131
مسلمانوں ایک دوسرے کا احترام کرو	136
بعض نبیوں کی بعض نبیوں پر فضیلت	138
حضرت داؤدؑ کے خصوصیت کے ساتھ ذکر کی توجیہ	139
شان نزول: (آیت) "قل ادعوا الذین زعمتم"۔ (الخ)	141
زیر تفسیر آیت کا شان نزول	151
شجرۃ الزقوم کا معنی	155
انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجوہات	166
دنیا کے اندھے آخرت میں بھی اندھے ہوں گے	175
شان نزول: (آیت) "وان کادوا لیفتنونک"۔ (الخ)	177
دلوک کا معنی	183

پانچ نمازوں کی فرضیت	183
انسان کا کمزوردل اور ناشکرا ہونا	202
ہر شخص اپنی طبیعت پر چلتا ہے	203
شان نزول: (آیت) ”ویسئلونک عن الروح“۔(الخ)	204
روح پر بھی موت آتی ہے یا نہیں	206
جسم پر موت آنے کے بعد روحیں کہاں رہتی ہیں	208
شان نزول: (آیت) ”قل لئن اجتمعت الانس والجن“۔(الخ)	211
شان نزول: (آیت) ”وقالوا لن نؤمن لک“۔(الخ)	212
فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہات	215
حرص کی مذمت	227
موسیٰ علیہ السلام کو نو احکام دیئے گئے تھے یا نو معجزات	230
شان نزول: (آیت) ”قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن“۔(الخ)	239
شان نزول: (آیت) ”ولا تجہر بصلاتک“۔(الخ)	240
شان نزول: (آیت) ”وقل الحمد للہ الذی“۔(الخ)	242

اتمام حجت اور اعلان حق	243
سورہ الکہف	245
وجہ تسمیہ	245
سورہ الکہف کا سبب نزول	246
فضائل	247
مضامین کا خلاصہ	249
قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا معنی	251
اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کو تنبیہ	254
شان نزول	260
رقیم کا معنی	260
اصحاب رقیم	261
اصحاب کہف کا اجمالی قصہ	261
فِتۡيَةٌ کے معنی	264
اصحاب کہف کا تفصیلی قصہ	265

ان شاء اللہ کہنے کے ترک کی ممانعت	285
شان نزول: (آیت)" ۔ والبثوا فی کہفھم " ۔ (الخ)	287
شان نزول: (آیت)" ۔ ولا تطع من اغفلنا " ۔ (الخ)	290
ابلیس کی ذریت کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں	319
جن برے کاموں کی وجہ سے کفار پر عذاب نازل کیا گیا	332
حضرت یوشع بن نون ؑ کا تعارف	335
حضرت یوشع بن النون ؑ کو فتیٰ فرمانے کی توجیہ	336
حضرت خضرؑ کا نام، لقب اور کنیت	337
مجمع البحرین کا مصداق	338
مچھلی کا زندہ ہوجانا	344
حضرت یوشع ؑ کا بھول جانا	345
سفر میں زادراہ لینا توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے	347
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت علیہ السلام سے ملاقات	348
اہل بستی کا بخل	360

حضرت خضرؑ کا دیوار کو درست کرنا	361
لڑکے کے قتل کی حکمت	364
یتیم کا معنی اور اس کے شرعی احکام	369
خزانہ کے مصداق میں اقوال	369
ذوالقرنین کا مصداق اور اس کی وجہ تسمیہ	373
ذوالقرنین کا تصرف اور اس کا اقتدار	376
ذوالقرنین کا پہلا سفر بہ جانب مغرب	377
ذوالقرنین کا دوسرا سفر بہ جانب مشرق	381
ذوالقرنین کا تیسرا سفر بہ جانب شمال	385
یاجوج اور ماجوج کے متعلق قدیم علماء کی آراء	387
یاجوج اور ماجوج کے متعلق متاخرین کی آراء	389
سد ذوالقرنین کی تحقیق	393
جنت الفردوس کا مقام	408
جنت کے فضائل	409

شان نزول: (آیت) "قل لوکان البحر"۔ (الخ)	413
شان نزول: (آیت) "فمن کان یرجوالقآء ربہ"۔ (الخ)	414
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت	415
سورہ مریم	417
وجہ تسمیہ	417
زمانہ نزول	418
سورہ الکہف اور سورہ مریم میں باہمی مناسبت	419
مضامین کا خلاصہ	420
دُعا کے آداب	422
انبیاء کی میراث	425
زکریاؑ کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے	427
سمی کا معنی	428
حنان اور زکوۃ کا معنی	434
یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام کی خصوصیت	435

443	خاموشی کا روزہ رکھنا غیر مشروع ہے
449	عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ میں اختلاف
470	شان نزول: (آیت) "ومانتنزل الا بامر ربک"۔(الخ)
473	قیامت کے دن کفار کے انجام کی کیفیت
484	شان نزول: (آیت) "۔افرءیت الذی کفر بایتنا"۔(الخ)
488	مومنین کا عہد
493	اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے کی ایک دلیل
495	شان نزول (آیت) "۔ان الذین وعملوا الصلحت"۔(الخ)

سورہ بنی اسرائیل

سورہ بنی اسرائیل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

سورہ کا نام

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس سورت کا نام الاسرا ہے، الاسرا کا معنی ہے رات کو جانا یا رات کو سفر کرنا اور جب یہ لفظ ب کے ساتھ متعدی ہو تو اس کا معنی ہے رات کو لے جانا یا رات کو سفر کرانا، اور چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں اسری کا لفظ ہے اس مناسبت سے اس کا نام الاسرا ہے۔

اور محققین نے یہ کہا ہے کہ اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے کیونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔

وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا۔ (بنی اسرائیل: ٤) اور ہم نے بنی اسرائیل کے لیے کتاب میں فیصلہ کر دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں دو بار رفساد کرو گے اور تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

سورہ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول

جمہور مفسرین کے نزدیک سورہ بنی اسرائیل مکی ہے البتہ تین آیتوں کا استثناء کیا گیا ہے:

بنی اسرائیل: ٧٦، بنی اسرائیل: ٨٠، بنی اسرائیل: ٦٠۔ اور مقاتل نے بنی اسرائیل: ١٠٧ کا بھی

استثناء کیا ہے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت ہوچکی تھی، یہ سورت سورہ القصص کے بعد سورہ یونس سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور تعداد نزول کے اعتبار سے یہ پچاسویں سورت ہے۔ مدینہ، مکہ، شام اور بصرہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو دس آیتیں ہیں اور کوفہ کہ علماء کی گنتی کے مطابق اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

واقعہ معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے واقع ہوا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے فورا بعد نازل ہوئی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سورت واقعہ معراج کے کچھ مدت بعد نازل ہوئی۔

پس منظر

اس وقت نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے ۱۲ سال گزر چکے تھے۔ آپ کے مخالفین آپ کا راستہ روکنے کے لیے سارے جتن کر چکے تھے۔ مگر ان کی تمام مزاحمتوں کے باوجود آپ کی آواز عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی تھی۔ عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا تھا جس میں دو چار آدمی آپ کی دعوت سے متاثر نہ ہوچکے ہوں۔ خود مکہ میں ایسے مخلص لوگوں کا ایک مختصر جتھا بن چکا تھا جو ہر خطرے کو اس دعوت حق کی کامیابی کے لیے انگیز کرنے کو تیار تھے۔ مدینے میں اوس اور خزرج کے طاقتور قبیلوں کی بڑی تعداد آپ کی حامی بن چکی تھی۔ اب وہ وقت قریب آلگا تھا جب آپ کو مکہ سے مدینے کی طرف منتقل ہوجانے اور منتشر مسلمانوں کو سمیٹ کر اسلام کے اصولوں پر ایک ریاست قائم کردینے کا موقع ملنے والا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورہ مریم، سورہ طٰہٰ اور سورہ

انبیاء یہ ابتدائی اور نہایت فصیح و بلیغ سورتیں ہیں۔ ⑴

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نفل روزے کبھی تو اس طرح لگا تار رکھتے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید آپ یہ پورا مہینا روزوں ہی میں گزار دیں گے اور کبھی آپ بالکل ہی روزہ نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ شاید آپ اس مہینے میں روزے رکھیں گے ہی نہیں اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر پڑھا کرتے تھے۔ ⑵

مضامین کا خلاصہ

رکوع1: ابتداء میں سفر معراج کے اس حصے کا بیان ہے جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ کو تورات دینے اور بنی اسرائیل کی سرکشی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں قرآن مجید کی فضیلت کا بیان ہے۔

رکوع2: قدرت الٰہی کی دو نشانیوں کے بیان کے بعد بتایا گیا ہے کہ آدمی خواہ مومن ہو یا کافر اس کا نیک و بد عمل اس کے گلے کا ہار بنا دیا گیا ہے۔ پھر بستیوں کی تباہی کے اسباب کا بیان ہے۔ آخر میں طالب دنیا کا انجام اور مومنوں کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع3: والدین کے ساتھ حسن سلوک، قرابت داروں کے حقوق اور مال خرچ کرنے میں میانہ روی کی تاکید ہے۔

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، سورہ بنی إسرائیل: ٤٧٣٩]

۲۔[مسند أحمد: ٦/٦٨، ح: ٢٤٤٤٢۔ ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب قراءۃ سورہ بنی إسرائیل والزمر قبل النوم: ٢٩٢٠۔ مستدرک حاکم: ٢/٤٣٤، ح: ٣٦٢٥]

رکوع4: چند ممنوعہ امور کا بیان اور آخر میں مشرکین کی ایک بڑی گستاخی مذکور ہے۔

رکوع5: توحید کی تاکید اور شرک کی تردید اور پھر مشرکین کی ازلی گمراہی کے پردوں کا بیان ہے۔آخر میں مشرکین کا حیات اخروی پر تعجب کرنا مذکور ہے۔

رکوع6: مسلمانوں کو نصیحت اور مشرکین کے باطل معبودوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ پھر مشرکین کی فرمائشوں کا بیان ہے۔آخر میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع7: ابتدا میں مشرکین مکہ اور آدم و ابلیس کا واقعہ اور شیطان اور اس کے متبعین کا انجام بیان کیا گیا ہے ۔پھر بنی آدم کی دیگر تمام مخلوق پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

رکوع8: قیامت کے روز لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جانے کا بیان ہے۔ پھر مشرکین مکہ کی حماقت اور کفار کی عداوت بیان کی گئی ہے۔

رکوع9: نماز قائم کرنے کی تاکید، غلبہ حق کی پیش گوئی اور انسانی فطرت کا بیان ہے۔

رکوع10: روح کی حقیقت، اعجاز قرآن اور مشرکین کے شبہات کا بیان ہے۔

رکوع11: کافروں کو عذاب کی تہدید اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ پھر حیات بعد الممات کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

رکوع12: حضرت موسیٰ کے نو معجزے، قرآن کا حق ہونا اور پھر قرآن کی تاثیر بیان کی گئی ہے۔آخر میں اللہ کے اسماء الحسنیٰ کا بیان ہے۔

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①﴾

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے گرد و نواح میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم اس کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی اللہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اسراء (معراج)

"اسراء" کے معنی شب میں لے جانے کے ہیں، نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ بے نظیر شرف و مجد اور حیرت زا واقعہ جس میں خدائے برتر نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور وہاں سے ملاء اعلیٰ تک بجسد عنصری اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے سیر

کرائی چونکہ شب کے ایک حصہ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا اس لیے اسراء کہلاتا ہے۔

معراج عروج سے مشتق ہے جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں اور اسی لیے معراج زینہ کو بھی کہتے ہیں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چونکہ اس شب میں ملائے اعلیٰ کے منازل ارتقاء طے فرماتے ہوئے سبع سماوات' سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی بلند ہو کر آیات اللہ کا مشاہدہ فرمایا اور ان واقعات کے ذکر میں زبان وحی ترجمان نے عُرِجَ بِیْ کا جملہ استعمال فرمایا اس لیے اس باجبروت اور پر عظمت واقعہ کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آیت میں عبد (بندہ) سے مراد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور اللہ کا یہ ارشاد کہ وہ اپنے بندہ کو لے گیا اس کی عنایت خاص کا مظہر ہے جو اس بندہ پر ہوئی۔

مسجد حرام سے مراد مکہ کی وہ حرمت والی مسجد ہے جس کی درمیان خانہ کعبہ واقع ہے اور جس کے بانی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) تھے (تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح) دور کی مسجد سے مراد مسجد اقصیٰ ہے جو بیت المقدس میں واقع ہے۔ اقصیٰ کے معنیٰ دور والی کے ہیں۔ اس سے قرآن کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بیت المقدس کی مسجد مکہ کی مسجد حرام سے کافی دوری پر ہے لیکن یہ طویل فاصلہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے ایک رات کے کچھ حصہ میں طے کروایا۔ قرآن کے ان الفاظ کی مناسبت سے بیت المقدس کی اس تاریخی مسجد کا نام مسجد اقصیٰ مشہور ہوا ورنہ نزول قرآن کے وقت اس کا یہ اصطلاحی نام نہ تھا۔ بیت المقدس کی یہ مسجد سلیمان (علیہ السلام) نے تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح میں (غالباً ۹۵۹ قبل مسیح میں) تعمیر کی تھی جو بنی اسرائیل کے لیے دعوت اسلامی اور دینی سرگرمیوں کا مرکز ہونے کے علاوہ قبلہ قرار پائی تھی۔

اس کے گرد و پیش برکتیں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ پورا علاقہ دینی اور دنیوی برکتوں سے مالا مال ہے۔ جہاں تک دینی برکتوں کا تعلق ہے یہ سرزمین حضرت ابراہیم کی ہجرت گاہ اور حضرت اسحاق کا مسکن قرار پائی نیز بنی اسرائیل کے متعدد انبیاء (علیہم السلام) کا ظہور یہاں ہوا اور انہوں نے اس سرزمین پر وہ نقوش چھوڑے جو دنیا والوں کی دین حق کی طرف رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ یہاں حضرت سلیمان کو ایک بے مثال سلطنت عطا ہوئی اور بنی اسرائیل کو وہ کچھ بخشا گیا جو دنیا کی کسی قوم کو نہیں بخشا گیا تھا۔ گویا اس زمین کا چپہ چپہ انبیاء (علیہم السلام) کی یادگار ہونے کی وجہ سے دینی دولت کے خزانے اگلتے رہا ہے۔ رہا دنیوی برکتوں سے اس کا مالا مال ہونا تو یہ علاقہ بڑا زرخیز اور سرسبز و شاداب ہے اور بائبل میں تو اس کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ یہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔

مکہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً ایک ہزار میل ہے۔ اس زمانہ میں یہ سفر چالیس دن میں طے ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے یہ سفر معجزانہ طور پر ایک رات کے اندر ہی طے کرا دیا حدیث میں آتا ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر گئے تھے اور حضرت جبرائیل آپ کے ساتھ تھے یعنی یہ سفر ایک برق رفتار سواری پر ہوا تھا۔ یہ بات اس زمانہ میں تو بہت عجیب معلوم ہوتی تھی لیکن اس زمانہ میں جب کہ انسان تیز رفتار ہوائی جہاز اور راکٹ ایجاد کر چکا ہے عجیب نہیں رہی کیونکہ جب انسان مہینوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کر سکتا تھا تو کائنات کا رب کیا اس بات پر قادر نہیں کہ مکہ سے بیت المقدس کا سفر منٹوں میں طے کرا دے؟۔

اسی لیے اس سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور منزہ ہے۔ یعنی یہ معجزاتی سفر طے کرانا اللہ کی قدرت سے ہرگز بعید نہیں۔ جو لوگ اس کو ناممکن خیال کرتے ہیں وہ اللہ کی قدرت کا بالکل

غلط اندازہ لگاتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ سفر جسمانی تھا اور بیداری کی حالت میں تھا۔ اگر محض روحانی سفر ہوتا یا خواب کی حالت میں ہوتا تو نہ اس کو اس طرح تعبیر کیا جاتا کہ ہم اپنے بندے کو ایک رات لے گئے اور نہ ہی لوگوں کے لیے یہ بات وجہ آزمائش بن جاتی۔

واقعہ معراج حالت بیداری میں روح مع جسد تھا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ؒ متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک صحیح اور برحق قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جیسا کہ احادیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو براق پر سوار کرایا اور آپ نے مسجد اقصی میں انبیاء اور رسول کو نماز پڑھائی، اور آپ کو بہت سی نشانیاں دکھائیں، اور جس شخص نے یہ کہا کہ صرف آپ کی روح کو معراج کرائی گئی تھی اور یہ جسمانی معراج نہیں تھی یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ واقعہ آپ کی نبوت پر دلیل نہ ہوتا، اور نہ اس کی حقیقت کا منکرین انکار کرتے، اور اگر یہ صرف خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین اس کا رد نہ کرتے، کیونکہ خواب میں کسی عجیب وغریب چیز کو دیکھنے پر کسی کو حیرت نہیں ہوتی اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اسری بعبدہ یہ نہیں فرمایا کہ اسری بروح عبدہ، اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا براق پر سوار ہونا بھی اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تھی کیونکہ کسی سواری پر سوار ہونا جسم کا تقاضا ہے نہ کہ روح کا۔ [۱]

۱۔(جامع البیان، ج۱۵، ص۲۳، ۲۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بروح عبدہ اور بعبدہ نہ فرماتا، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مازاغ البصر وماطغی۔ (النجم:١٧) نہ نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی)

سورہ النجم کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بیداری کا واقعہ تھا، نیز اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی اور معجزہ نہ ہوتا، اور آپ سے حضرت ام ہانی یہ نہ کہتیں کہ آپ لوگوں سے یہ واقعہ بیان نہ کریں وہ آپ کی تکذیب کریں گے، اور نہ حضرت ابوبکرؓ کی تصدیق کرنے میں کوئی فضیلت ہوتی، اور نہ قریش کے طعن وتشنیع اور تکذیب کی کوئی وجہ ہوتی، حالانکہ جب آپ نے معراج کی خبر دی تو قریش نے آپ کی تکذیب کی اور کئی مسلمان مرتد ہوگئے اور اگر یہ خواب ہوتا تو اس کا انکار نہ کیا جاتا، اور نیند میں جو واقعہ ہو اس کے لیے اسریٰ نہیں کہا جاتا۔ [١]

علامہ سید محمد آلوسی متوفی ١٢٧٠ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہؓ نے جو فرمایا ہے کہ آپ کا جسم شب معراج گم نہیں ہوا تھا اور آپ کی روح کو سیر کرائی گئی تھی، حضرت عائشہؓ سے یہ روایت صحیح نقل نہیں کی گئی کیونکہ جب یہ واقعہ ہوا اس وقت آپ بہت چھوٹی تھیں، (تقریبا ساڑھے چار سال کی) اس وقت تک آپ رسول اللہ کی زوجہ بھی نہیں تھیں، اور معاویہ بن ابی سفیا اس وقت کافر تھے، اور اس آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے۔

وماجعلنا الرویا التی ارینک الافتنۃ للناس۔ (بنی اسرائیل:٦٠) اور ہم نے آپ کو جو رویا دکھایا وہ صرف اس لیے تھا کہ لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کریں۔

١۔ (الجامع الاحکام القرآن، جز١٠، ص١٨٩، مطبوعہ دار الفکر، ١٤١٥ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ رویا نیند اور بیداری دونوں میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور جمہور کے نزدیک یہ رویا بیداری میں بدن اور روح کے ساتھ واقع ہوا۔ ①

اس (اسراء و معراج) کا مقصد آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنی عظیم آیات اور نشانیوں کا مشاہدہ کروایا۔ ان نشانیوں میں سے بعض وہ ہیں جو بیت المقدس تک کے سفر میں آپ نے دیکھیں اور بعض وہ ہیں جو آپ نے آسمانوں کے سفر میں دیکھیں۔ بیت المقدس تک کے سفر میں آپ نے مندرجہ ذیل نشانیاں دیکھیں: 1 چھت کا پھٹ جانا اور جبرائیل (علیہ السلام) کا نازل ہونا۔ 2 ایمان و حکمت سے بھرے ہوئے طشت کو دیکھنا۔ 3 سینہ مبارک کا چیرا جانا اور پھر اس کا سل جانا۔ 4 برق رفتار براق کو دیکھنا اور اس پر سوار ہونا۔ 5 ایک رات میں بیت المقدس تک پہنچ جانا۔ 6 انبیاء (علیہ السلام) کو دیکھنا۔ 7 جہنم کے داروغہ مالک کو دیکھنا وغیرہ۔

”اسراء“ یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کے حوالے سے مزید تفصیلات درج ذیل احادیث میں ملاحظہ فرمائیں۔ سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں اس زمانے میں مکہ میں تھا، پھر جبرائیل (علیہ السلام) اترے، انھوں نے میرا سینہ چیرا اور اسے زم زم کے پانی سے دھودیا، پھر وہ ایک سونے کا طشت لائے جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا اور انھوں نے وہ طشت میرے سینے میں انڈیل کر سینے کو ملا دیا۔“ ②

سیدنا مالک بن صعصعہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میرے پاس

۱۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۰، ۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرضت الصلوۃ فی الاسراء: ۳۴۹۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۱۶۲]

سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر میرا سینہ (ہنسلی سے لے کر) ناف تک چیرا گیا، پھر میرا دل نکالا گیا اور اسے زم زم کے پانی کے ساتھ دھویا گیا، پھر اسے اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا، پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک سفید جانور لایا گیا، جسے براق کہا جاتا تھا، وہ خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں اس کی نگاہ پہنچتی تھی۔ بہرحال مجھے اس پر سوار کیا گیا اور وہ (جبرائیل (علیہ السلام) مجھے لے کر چل دیے۔" (۱)

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جس رات مجھے معراج نصیب ہوئی اس رات میں لال ٹیلے کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ وہ وہاں کھڑے اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔" (۲)

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں اس (جانور) پر سوار ہوا، بیت المقدس تک آیا اور میں نے اس جانور کو اس حلقے سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنے اپنے جانوروں کو باندھا کرتے تھے۔ بعدازاں میں مسجد کے اندر داخل ہو گیا اور دو رکعتیں ادا کیں، اس کے بعد باہر نکلا تو جبرائیل (علیہ السلام) دو برتن لے کر آئے۔ ایک میں شراب تھی اور ایک میں دودھ۔ میں نے دودھ پسند کیا۔ اس پر جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا، آپ نے فطرت (یعنی ہدایت) کو پسند کیا۔ ۔۔۔" (۳)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "معراج کی رات

۱۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ: ۲۶۴، ۲۶۵/ ۱۶۴]

۲۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ (علیہ السلام): ۲۳۷۵]

۳۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔الخ: ۱۶۲]

جب میں موسیٰ (علیہ السلام) سے ملا تو میں نے ملاحظہ کیا کہ وہ لمبے، کم گوشت اور سیاہ بالوں والے شخص تھے، جیسے کہ شنوءہ (قبیلہ) کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر میں عیسیٰ (علیہ السلام) سے ملا، وہ میانہ قامت تھے اور سرخ رنگ گویا وہ ابھی حمام سے نکلے ہیں (یعنی تر وتازہ اور خوش رنگ تھے)۔ پھر میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا تو میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے، ایک میں دودھ تھا اور ایک میں شراب۔ مجھ سے کہا گیا جس کو چاہو پسند کرلو۔ میں نے دودھ لے لیا اور اسے پی لیا۔ تو اس فرشتے نے کہا، آپ کو فطرت کی راہ دکھائی گئی، یا آپ فطرت کو پہنچ گئے، اگر آپ شراب کو اختیار کرتے تو آپ کی (ساری) امت گمراہ ہوجاتی۔"[۱]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں نے خود کو پیغمبروں کی ایک جماعت میں پایا۔ دیکھا تو موسیٰ (علیہ السلام) کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، وہ چھریرے بدن کے اور گھنگریالے بالوں والے ایک شخص تھے، جیسے شنوءہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو بھی دیکھا، وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ سب سے زیادہ ان کے مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور میں نے ابراہیم (علیہ السلام) کو بھی دیکھا، وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان سے سب سے زیادہ مشابہ تمہارے صاحب (یعنی آپ خود) ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے امامت کروائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو ایک کہنے والے نے کہا، اے محمد! یہ مالک ہیں جہنم کے داروغہ! انھیں سلام کیجیے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو انھوں نے مجھے پہلے سلام کردیا۔"[۲]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۱۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔۔ الخ: ۱۶۸]

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال: ۱۷۲]

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ساتویں آسمان سے اوپر سدرۃ المنتہی پر پہنچے اور جبار رب العزت آپ کے نزدیک ہوگیا اور قریب ہوا حتی کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار برابر ہوگیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک ہوگیا، پھر اللہ تعالیٰ جو آپ پر وحی نازل کرتا ہے اس نے آپ پر وہ وحی نازل کی اور آپ کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کردیں، پھر آپ نیچے اترے حتی کہ حضرت موسیٰ تک پہنچے، حضرت موسیٰ نے آپ کو روک لیا اور کہا یا محمد! آپ کے رب نے آپ کو کیا حکم دیا؟ آپ نے فرمایا اس نے مجھ کو ہر روز (دن اور رات میں) پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ واپس جایئے تاکہ آپ کا رب آپ کی امت سے تخفیف کردے، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوئے، گویا اس معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے، حضرت جبرائیل نے کہا ٹھیک ہے اگر آپ پسند کریں تو، آپ پھر حضرت جبار میں پہنچے اور آپ نے اسی پہلے مقام پر پہنچ کر عرض کیا: اے ہمارے رب! ہمارے لیے تخفیف کردے کیونکہ میری امت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، تب اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کردیں، پھر آپ حضرت موسیٰ کے پاس پہنچے حضرت موسیٰ نے آپ کو پھر روک لیا، پھر حضرت موسیٰ آپ کو بار بار آپ کے رب کے پاس بھیجتے رہے حتی کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ نے آپ کو پانچ نمازوں پر پھر روک لیا اور کہا یا محمد! خدا کی قسم میں اپنی قوم بنو اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کرچکا ہوں، وہ پانچ سے کم نمازیں بھی نہ پڑھ سکے اور ان کو ترک کردیا آپ کی امت کے اجسام، ابدان، قلوب، آنکھیں، اور کان تو ان سے زیادہ کمزور ہیں، آپ پھر جایئے اور اپنے رب سے تخفیف کرایئے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر بار حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ آپ کو مشورہ دیں اور حضرت

جبرائیل نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور آپ پانچویں پر پھر گئے اور عرض کیا اے میرے رب! میری امت کے جسم، دل، کان، اور بدن کمزور ہیں آپ ہم سے تخفیف کر دیجیے، جبار نے فرمایا: یا محمد! آپ نے فرمایا لبیک وسعدیک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے لوح محفوظ میں جس طرح لکھ دیا ہے میرے اس قول میں تبدیلی نہیں ہوتی، ہر نیکی کا دس گنا اجر ہے، پس یہ لوح محفوظ میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض ہیں، آپ حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے حضرت موسیٰ نے پوچھا آپ نے کیا کیا، آپ نے فرمایا ہمارے رب نے تخفیف کر دی ہے اور ہمارے لیے ہر نیکی کا اجر دس گنا کر دیا، حضرت موسیٰ نے فرمایا خدا کی قسم! میں بنو اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کر چکا ہوں، انہوں نے اس سے کم نمازوں کو بھی ترک دیا تھا، آپ پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور ان نمازوں میں بھی کمی کرائیے، آپ نے فرمایا اے موسیٰ! بہ خدا مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے، پھر اسی رات آپ واپس آ کر مسجد حرم میں سو گئے اور صبح بیدار ہوئے۔ (۱)

امام بیہقیؒ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آپ کے اصحاب نے عرض کیا: آپ ہمیں شب معراج کا واقعہ بیان کیجیے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے مسجد حرام میں عشا کی نماز پڑھی، پھر میں سو گیا پھر ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا، میں بیدار ہوا مجھے کچھ نظر نہ آیا، پھر میں مسجد سے باہر نکلا اور غور سے دیکھا تو مجھے خچر سے مشابہ ایک جانور نظر آیا ان کے کان اوپر کو اٹھے ہوئے تھے اور اس کو براق کہا جاتا ہے، اور مجھ سے پہلے انبیاء (علیہم السلام) اس

{8176 ۔(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۵۱۷)

(قسم کے) جانور پر سواری کرتے تھے وہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا، میں اس پر سوار ہوا، جس وقت میں اس پر سواری کررہا تھا تو مجھے دائیں جانب سے کسی شخص نے آواز دی یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں۔ مجھے دیکھو، یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور میں اس کے پاس نہیں ٹھہرا، پھر مجھے اپنی بائیں جانب سے کسی نے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو یا محمد۔ میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا، اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، پھر اسی سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی اس نے بھی کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تم سے سوال کرتی ہوں، مجھے دیکھو، میں نے اس کی طرف بھی التفات نہیں کیا نہ اس کے پاس ٹھہرا حتی کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا میں نے اس حلقہ میں اپنی سواری کو باندھا جس حلقے میں انبیاء (علیہم السلام) اپنی سواریاں باندھتے تھے پھر جبرائیل (علیہ السلام) میرے پاس دو برتن لے کر آئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، میں نے دودھ پی لیا اور شراب کو چھوڑ دیا، حضرت جبرائیل نے کہا آپ نے فطرت کو پالیا میں نے کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، حضرت جبرائیل نے پوچھا آپ نے راستہ میں کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا جب میں جارہا تھا تو دائیں جانب سے ایک شخص نے مجھے پکار کر کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، حضرت جبرائیل نے کہا یہ بلانے والا یہودی تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس کے پاس ٹھہرتے تو آپ کی امت یہودی ہوجاتی، آپ نے فرمایا جب میں جارہا تھا تو ایک شخص نے مجھے بائیں جانب سے آواز دی یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے

دیکھو، جبرائیل نے کہا یہ نصاری تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی، آپ نے فرمایا اس سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی اس نے بھی کہا، یا محمد، میں تم سے سوال کرتی ہوں مجھے دیکھو میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، جبرائیل نے کہا یہ دنیا تھی اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر اختیار کر لیتی۔

آپ نے فرمایا پھر میں اور جبرائیل (علیہ السلام) بیت المقدس میں داخل ہوئے اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعت نماز پڑھی پھر میرے پاس ایک معراج (نورانی سیڑھی) لائی گئی جس پر بنو آدم کی روحیں اس وقت چڑھتی ہیں جب تم دیکھتے ہو کہ میت کی آنکھیں آسمان کی طرف کھلی ہوئی ہوتی ہیں، وہ بہت حسین معراج تھی، کسی مخلوق نے ایسی معراج نہ دیکھی ہوگی میں اور جبرائیل اس معراج پر چڑھے حتی کہ ہماری ملاقات آسمان دنیا کے فرشتے سے ہوئے اس کا نام اسماعیل تھا اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ (المدثر:۳۱) آپ کے رب کے لشکروں کو صرف وہی (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے۔

پھر جبرائیل نے آسمان کا دروازہ کھلوایا، کہا گیا: یہ کون ہیں؟ کہا جبرائیل، پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پوچھا گیا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

کہا ہاں، آپ نے فرمایا پھر میں نے حضرت آدم کو ان کی اس صورت میں دیکھا جس میں انہیں بنایا گیا تھا ان پر جب ان کی اولاد میں سے مومنین کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ پاکیزہ روح ہے اس کو علیین میں لے جاؤ اور جب ان پر ان کی اولاد میں سے کفار کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ خبیث

روح ہے اس کو سجیین میں لے جاؤ، ابھی میں کچھ ہی چلا ہوں گا کہ میں نے دیکھا کہ دسترخوان بچھے ہوئے ہیں اوران پر نہایت نفیس بھنا ہوا گوشت رکھا ہے، اور دوسری جانب اور خوان رکھے ہیں جن پر نہایت بد بودار اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس نہیں جاتے اور سڑا ہوا بد بودار گوشت کھا رہے ہیں، میں نے کہا: اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے ہیں، پھر میں کچھ آگے چلا تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں ان میں سے جب بھی کوئی اٹھتا تو گر جاتا اور کہتا اے اللہ قیامت کو قائم نہ کرنا، ان کو فرعونی جانور روندر ہے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے، میں نے کہا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت میں سے سود کھانے والے ہیں یہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ شخص اٹھتا ہے، پھر میں کچھ آگے چلا تو ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے منہ کھول کر ان میں پتھر ڈالے جاتے پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے، میں نے ان کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے سنا، میں نے کہا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ جو ظلما یتیموں کا مال کھاتے تھے دراصل یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے تھے اور عنقریب یہ لوگ جہنم میں داخل ہونگے، پھر میں کچھ آگے چلا تو دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں میں نے سنا وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھیں، میں نے کہا جبرائیل یہ کون عورتیں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے زنا کرنے والیاں ہیں پھر میں کچھ اور آگے چلا تو دیکھا کچھ لوگ پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ اس کو کھاؤ جیسا کہ تم (دنیا میں) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے، میں نے کہا

جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے غیبت کرنے والے اور چغلی کرنے والے لوگ ہیں۔ ①

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں نے معراج کا واقعہ لوگوں سے ذکر کیا۔ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا اور یوں میں نے اسے دیکھ دیکھ کر قریش کو اس کی نشانیاں بیان کرنا شروع کر دیں۔ ۔۔۔" ②

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے زمین میں کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: "مسجد حرام۔" میں نے عرض کی، پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: "مسجد اقصیٰ۔" میں نے پوچھا، ان دونوں (کی تعمیر) کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟ آپ نے فرمایا: "چالیس سال کا۔" ③

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان تین مسجدوں کے سوا (زیارت کا قصد کر کے) کسی مقام کے لیے سفر نہ کیا جائے، یعنی مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (یعنی مسجد نبوی)۔" ④

﴿ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا

۱۔ الحدیث (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۹۰، ۳۹۳)

۲۔ [بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب حدیث الإسراء: ۳۸۸۶۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم۔۔ الخ: ۱۷۰]

۳۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: ۳۳۶۶]

۴۔ [مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی حج وغیرہ: ۸۲۷، بعد الحدیث: ۱۳۳۸]

تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۳

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنا دیا کہ میرے سوا کسی کو (اپنا) کارساز نہ بنانا۔(۲) اے ان لوگوں کی اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا، بیشک وہ بڑا ہی شکر گزار بندہ تھا۔(۳)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور معراج کے ذکر کے بعد موسیٰ کلیم اللہ اور ان کی کتاب تورات کا ذکر کرنا مناسب ہوا، اس لیے کہ بعض اوقات قرآن کریم میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور موسیٰ (علیہ السلام)، اور قرآن و تورات کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے، یہاں پہلی آیت میں چونکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور معراج کا ذکر آیا ہے، اس لیے مناسب رہا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر آتا اور بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پہلے انھیں تورات جیسی آسمانی کتاب دی تھی۔ دونوں ہی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو یہی حکم دیا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کسی کو اپنا دوست اور معبود نہ بنائیں۔

طوفان نوح کے بعد نسل انسانی نوح (علیہ السلام) کے ان بیٹوں کی نسل سے ہے جو نوح (علیہ السلام) کی کشتی میں سوار ہوئے تھے اور طوفان سے بچ گئے تھے۔ اس لیے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ تمہارا باپ نوح (علیہ السلام) اللہ کا بہت شکر گزار بندہ تھا، تم بھی اپنے باپ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا انکار کر کے کفران نعمت مت کرو۔ ارشاد فرمایا: (وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝75 ۡ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ

مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ۝76 وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ)[الصافات:۷۵ تا ۷۷] ”اور بلا شبہ یقیناً نوح نے ہمیں پکارا تو یقیناً ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے اس کی اولاد ہی کو باقی رہنے والے بنا دیا۔“

اِنَّهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے بہت ہی خوش ہوتا ہے جو کوئی چیز کھائے تو اللہ کا شکر بجا لائے اور کوئی چیز پیے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔“ (۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حدیث شفاعت میں فرمایا: ”جب لوگ طلب شفاعت کے لیے سیدنا نوح (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے تو ان سے کہیں گے کہ زمین والوں کی طرف آپ ہی پہلے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شکر گزار بندہ رکھا ہے، چنانچہ آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجیے۔“ (۲)

حضرت نوح (علیہ السلام) کے بہت شکر گزار ہونے کے متعلق احادیث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سلمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح (علیہ السلام) جب کپڑے پہنتے یا کھانا کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اس وجہ سے ان کو عبد شکور فرمایا۔ (۳)

۱۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الأکل والشرب:٤ ٢٧٣ ۔ مسند أحمد:۳/۱۱۷، ح:۱۲۱۷۵]

۲۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ عزوجل: (ولقد أرسلنا نوحًا إلی قومه):۳۳٤۰ ۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها:۱۹٤]

۳۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱٦٦۳٦)

سعد بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح نے جب بھی کوئی نیا کپڑا پہنایا کوئی کھانا کھایا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو عبد شکور فرمایا۔ (۱)

عمران بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو اس لیے عبد شکور فرمایا کہ جب وہ کھانا کھاتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے طعام کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا، اور جب لباس پہنتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے لباس پہنایا اور اگر وہ چاہتا تو مجھے برہنہ رکھتا، اور جب جوتی پہنتے تو دعا کرتے تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے مجھے جوتی پہنائی اور اگر چاہتا تو مجھے ننگے پیر رکھتا، اور قضا حاجت کرتے تو یہ دعا کرتے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے یہ گھن والی چیز دور کی اور اگر وہ چاہتا تو اس کو روک لیتا۔ (۲)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا حضرت نوح (علیہ السلام) جب بھی بیت الخلا سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کھانے کی لذت چکھائی اور اس کی افادیت میرے جسم میں باقی رکھی اور اس کا فضلہ مجھ سے نکال باہر کیا۔ (۳)

﴿ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝٤ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۶۶۳۷)

۲۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۶۶۳۹)

۳۔(کتاب الشکر لابن ابی الدنیا، رقم الحدیث:۱۲۴، کتاب الخراطی، باب الشکر رقم الحدیث:۲۱، لااتحاف ج۲ ص۴۰)

اُولٰىهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا
خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡـكَرَّةَ
عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ
نَفِيۡرًا ﴿۶﴾ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ قف وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ
فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا
الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا
تَتۡبِيۡرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ
وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ﴿۸﴾ اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ
لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ۙ ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ
اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۰﴾ ع

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو بتادیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد مچاؤ

گے اور تم بڑی سرکشی کرو گے۔(۴) پس جب دونوں میں سے پہلے وعدہ (کا وقت) آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی والے بندے مسلط کر دیئے پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔(۵) پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے قوت دی اور ہم نے تمہیں بڑا جتھا (لشکر) کر دیا۔(٦) اگر تم اچھا کام کرو گے تو تم اپنے لیے اچھا کرو گے اور اگر تم برا کام کرو گے تب بھی اپنے لیے برا کرو گے، پھر (یاد کرو) جب دوسرے وعدہ (کا وقت) آیا کہ وہ (دشمن) تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور وہ مسجد (اقصیٰ) میں گھس جائیں جیسے وہ پہلی بار گھسے تھے اور یہ کہ جہاں غلبہ پائیں، پوری طرح برباد کر ڈالیں۔(۷) قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر تم پر عذاب کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔(۸) حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ اور وہ بشارت دیتا ہے ان ایمان لانے والوں کو جو صالح اعمال کرے، بیشک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔(۹) اور بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۰)

یہودیوں کی دوبارہ سرکشی اوراس کی سزامیں ان پردوبار دشمنوں کے غلبہ پر بائبل کی شہادت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق دوپیش گوئیاں کی ہیں، پہلی پیش گوئی یہ ہے کہ وہ ضرورزمین پرفسادکریں گےاورسرکشی کریں گے پھراللہ تعالیٰ ان کے اس فساداورسرکشی کی سزامیں ان پر ان کے ایسے دشمن کومسلط کرے گا جوان کوڈھونڈ کرقتل کردیں گے پھراللہ تعالیٰ ان کی مددفرمائے گااوران کوغلبہ عطافرمائے گا۔ پھرجب انہوں نے دوبارہ فساداورسرکشی کی تواللہ تعالیٰ نے ان کودوبارہ سزادی اوران کے دشمنوں کوان پرمسلط کردیا،اس کی تصدیق بائبل میں بھی ہے۔

حضرت داؤد(علیہ السلام)نے ان کوتنبیہ کی

انہوں نے ان قوموں کو ہلاک نہ کیا جیسا کہ خداوند نے ان کوحکم دیا تھا۔ بلکہ ان قوموں کے ساتھ مل گئے اوران کے سے کام سیکھ گئے۔اوران کے بتوں کی پرستش کرنے لگے جوان کے لیے پھندہ بن گئے۔ بلکہ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کوشیاطین کے لیے قربان کیا۔اورمعصوموں کا یعنی اپنے بیٹوں بیٹیوں کا خون بہایا جن کوانہوں نے کنعان کے بتوں کے لیے قربان کردیااورملک خون سے ناپاک ہوگیا۔یوں وہ اپنے ہی کاموں سے آلودہ ہوگئے اوراپنے فعلوں سے بےوفا بنے۔اس لیے خداوند کا قہراپنے لوگوں پربھڑکااوراسے اپنی میراث سے نفرت ہوگئی،اوراس نے ان کوقوموں کے قبضہ میں کردیا،اوران سے عداوت رکھنے والے ان پرحکمران ہوگئے۔ان کے دشمنوں نے ان پرظلم کیااوروہ ان کے محکوم ہوگئے۔ اس نے توبار باران کوچھڑایا۔لیکن ان کا مشورہ باغیانہ ہی رہا۔اوروہ اپنی بدکاری کے باعث پست

ہو گئے۔ [۱]

یسعیا نبی نے فرمایا:

لوگوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اور ہر ایک اپنے ہمسایہ پر ستم کرے گا اور بچے بوڑھوں کی اور رذیل شریفوں کی گستاخی کریں گے۔ جب کوئی آدمی اپنے باپ کے گھر میں اپنے بھائی کا دامن پکڑ کر کہے کہ تو پوشاک والا ہے۔ آ تو ہمارا حاکم ہو اس اجڑے دیس پر قابض ہو جا۔ اس روز بلند آواز سے کہے گا کہ مجھ سے انتقام نہیں ہو گا کیونکہ میرے گھر میں نہ روٹی ہے نہ کپڑا مجھے لوگوں کا حاکم نہ بناؤ۔ کیونکہ یروشلم کی بربادی ہو گئی اور یہوداہ گر گیا، اس لیے ان کی بول چال اور چال چلن خداوند کے خلاف ہیں کہ اس کی جلالی آنکھوں کو غضبناک کریں، ان کے منہ کی صورت ان پر گواہی دیتی ہے، وہ اپنے گناہوں کو سدوم کی مانند ظاہر کرتے ہیں اور چھپاتے نہیں، ان کی جانوں پر واویلا ہے، کیونکہ وہ آپ اپنے اوپر بلا لاتے ہیں۔ راستبازوں کی بابت کہو کہ بھلا ہو گا کیونکہ وہ اپنے کاموں کے پھل کھائیں گے۔ شریروں پر واویلا ہے کہ ان کو بدی پیش آئے گی کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا کیا پائیں گے۔ [۲]

یرمیاہ نبی نے فرمایا:

میں بزرگوں کے پاس جاؤں گا اور ان سے کلام کروں گا کیونکہ وہ خداوند کی راہ اور اپنے خدا کے احکام کو جانتے ہیں لیکن انہوں نے جوا بالکل توڑ ڈالا اور بندھنوں کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اس لیے جنگل کا شیر ببر ان کو پھاڑے گا بیابان کا بھیڑیا ان کو ہلاک کرے گا چیتا ان کے شہروں کی گھات میں بیٹھا رہے گا، جو کوئی ان میں سے نکلے پھاڑا جائے گا کیونکہ ان کی سرکشی بہت ہوئی اور ان کی برگشتگی بڑھ گئی۔ میں تجھے

۱۔(زبور، باب ۱۰۶، آیت ۳۴، ۴۴، کتاب مقدس ص ۵۹۲، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲)

۲۔(یسعیاہ باب ۳، آیت ۱۲۔۶، کتاب مقدس ص ۶۲۲، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۲)

کیوں کر معاف کر دوں؟ نیز فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا ہے اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں، جب میں ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے، ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی۔ (۱)

نیز یرمیاہ نے فرمایا:

اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے وہ قدیم قوم ہے، وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں وہ سب بہادر مرد ہیں۔ اور وہ تیری فصل کا اناج اور تیری روٹی جو تیرے بیٹوں اور بیٹیوں کے کھانے کی تھی کھا جائیں گے، تیرے گائے بیل اور تیری بھیڑ بکریوں کو چٹ کر جائیں گے، تیرے انگور اور انجیر نگل جائیں گے، تیرے حسین شہروں کو جن پر تیرا بھروسہ ہے تلوار سے ویران کر دیں گے۔ (۲)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم نے کتاب (بائبل) میں بنی اسرائیل کے متعلق پیش گوئی کی تھی کہ وہ دو بار زمین میں فساد اور سرکشی کریں گے اور اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ دوبارہ ان کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل اور رسوا کرے گا یہ پیش گوئیاں آج تک موجودہ بائبل میں مختلف انبیاء بنی اسرائیل کی زبانوں سے موجود ہیں اور یہ قرآن مجید کی صداقت پر زبردست دلیل ہے اور یہ کہ صحائف بنی اسرائیل کا جو جو حصہ غیر محرف ہے قرآن مجید اس کا مصدق ہے۔

۱۔ (یرمیاہ، باب ۵، آیت ۹۔۵، کتاب مقدس ص ۷۱۸، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲)

۲۔ (یرمیاہ، باب ۵، آیت ۱۷۔۱۵، کتاب مقدس ص ۷۱۹، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۲)

یہودیوں کا انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کرنا

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزیؒ متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

بنو اسرائیل نے جو فساد کیا تھا اس میں انہوں نے نبیوں کو بھی قتل کیا تھا ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ان نبیوں میں حضرت زکریا (علیہ السلام) کو بھی قتل کیا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے حضرت شعیا کو قتل کیا تھا، حضرت زکریا کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان پر یہ تہمت لگائی تھی کہ انہوں نے حضرت مریم کو حاملہ کیا تھا، حضرت زکریا نے ان سے بھاگ کر ایک درخت میں پناہ لی، درخت شق ہو گیا اور وہ درخت میں داخل ہو گئے، ان کے کپڑے کا پلو درخت سے باہر رہ گیا، شیطان نے اس پلو کی طرف بنی اسرائیل کی رہنمائی کی انہوں نے آری سے درخت کو کاٹ ڈالا، اور حضرت شعیا کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے اور گناہوں سے منع کرتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے درخت میں پناہ لی تھی اور اس درخت کو آری سے کاٹ ڈالا گیا تھا، اور حضرت زکریاؑ کی طبعی موت سے وفات ہوئی تھی۔

انہوں نے حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کو بھی قتل کر دیا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کی بیوی نے حضرت یحییٰ کو دیکھا وہ بہت حسین و جمیل تھے اس نے ان سے کہا کہ وہ اس کی خواہش پوری کریں انہوں نے انکار کیا پھر اس نے اپنی بیٹی سے سوال کیا کہ وہ اپنے باپ سے کہے کہ وہ حضرت یحی کا سر کاٹ کر اس کو پیش کرے، بادشاہ نے ایسا کر دیا، اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ اپنی بیوی کی بیٹی پر عاشق ہو گیا اور حضرت یحییٰ سے پوچھا کہ آیا وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے حضرت یحییٰ نے منع کیا، اس کی ماں کو جب پتہ چلا تو اس نے اپنی بیٹی کو بنا سنوار کر بادشاہ کے پاس اس وقت بھیجا

جب وہ شراب پی رہا تھا اس سے کہا جب بادشاہ اس سے اپنی خواہش پوری کرنے چاہے تو وہ انکار کردے اور کہے کہ یہ تب ہوگا جب تم یحی بن زکریا کا سر کاٹ کر مجھے تھال میں رکھ کر پیش کروگے، اس لڑکی نے ایسا ہی کیا، بادشاہ نے کہا تم پر افسوس ہے تم کسی اور چیز کا سوال کرلو، اس نے کہا نہیں، میرا یہی سوال ہے پھر بادشاہ کے حکم سے حضرت یحییٰ کا سر کاٹ کر تھال میں لایا گیا اس وقت بھی وہ سر کلام کر رہا تھا، یہ لڑکی تمہارے لیے حلال نہیں ہے، یہ لڑکی تمہارے لیے حلال نہیں ہے۔

علماء سیر نے کہا ہے کہ حضرت یحییٰ کا خون مسلسل بہتا رہا اور خون جوش مارتا رہا حتی کہ ستر ہزار بنی اسرائیل قتل کردیئے گئے پھر وہ خون ٹھنڈا ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ خون اس وقت تک نہیں رکا حتی کہ اس کے قاتل نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کو قتل کیا گیا پھر وہ خون رک گیا۔ ①

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی ؒ متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں:

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان پر بابل کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جالوت کو مسلط کیا اس نے وہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا بڑوں کو قتل کیا اور بچوں کو غلام بنا لیا، اور بیت المقدس کو ویران کردیا پھر ان کی توبہ کی وجہ سے حضرت داؤد (علیہ السلام) اور طالوت کے ذریعہ ان کو نجات دی انہوں نے دوبارہ سرکشی تو اللہ تعالیٰ نے اہل فارس کے مجوسیوں کو ان پر مسلط کردیا، جب ان کا لشکر یہودیوں کی قربان گاہ پر پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ خون مسلسل جوش سے ابل رہا ہے انہوں نے یہودیوں سے پوچھا یہ کیسا خون ہے؟ یہودیوں نے کہا ہماری ایک قربانی قبول نہیں ہوئی تھی یہ اس کا خون ہے، امیر لشکر نے کہا تم نے جھوٹ بولا ہے اور اس نے ستر ہزار

۱۔ (زادالمسیر ج ۵ ص ۹۔۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱٤۰۷ ھ)

یہودیوں کو قتل کر دیا اور وہ خون مسلسل بہتا رہا، امیر لشکر نے کہا اگر تم سچ سچ نہیں بتاؤ گے تو میں تم میں سے کسی شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تب انہوں نے کہا یہ یحییٰ کا خون ہے اس نے کہا اسی وجہ سے تمہارا رب تم سے انتقام لے رہا ہے، پھر اس نے کہا: اے یحییٰ میرے اور تمہارے رب نے جان لیا کہ تمہاری وجہ سے تمہاری قوم پر کیسی مصیبت آئی ہے اب تم اللہ کے اذن سے پرسکون ہو جاؤ ورنہ تمہاری قوم کا کوئی فرد بھی زندہ نہیں رہے گا پھر وہ خون بہنے سے رک گیا۔ [۱]

موجودہ بائبل میں بھی یہ مذکور ہے کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کو ناحق قتل کر دیا تھا۔

مرقس کی انجیل میں ہے:

کیونکہ ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے بیاہ کر لیا تھا۔ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی رکھنا تجھے روا نہیں۔ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا۔ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی۔ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا۔ اور اس نے باہر جا کر اپنے ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا

۱۔ (تفسیر البیضاوی علی ہامش الخفاجی ج ۶ ص ۲۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ)

بپتسمہ دینے والے کا سر۔ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا۔ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے جا کر قید خانہ میں اس کا سر کاٹا۔ اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا۔ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی۔ [۱]

بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کرنا

بنی اسرائیل کی دو مرتبہ سرکشی پر ان کے دشمنوں کو دوبار ان پر غلبہ دیا گیا اور وہ دشمن کون تھے اور انہوں نے کس طرح بنی اسرائیل کی شکست دی اور ان کو ملیا میٹ کیا اس کے متعلق کتب تاریخ اور کتب تفسیر میں متعدد روایات ہیں اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے جو کچھ چھان پھٹک کر لکھا ہے ہم اس کو پیش کر رہے ہیں:

متقدمین اور متاخرین مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل کے جن دشمنوں کو ان پر مسلط کیا گیا تھا وہ کون تھے، حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے یہ روایت ہے کہ جو ان پر پہلے مسلط کیا گیا تھا وہ جالوت جزری تھا، پھر بعد میں بنی اسرائیل کی جالوت کے خلاف مدد کی گئی اور حضرت داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا اس لیے فرمایا پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا، اور سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ موصل کا بادشاہ سنجاریب اور اس کا لشکر تھا اور ایک اور روایت یہ ہے کہ وہ بابل کا بادشاہ بخت نصر تھا، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس مقام پر بہت عجیب وغریب روایات ذکر کی ہیں جن کے موضوع

۱۔ (مرقس کی انجیل، باب ۶، آیت ۱۹۔۱۷، نیا عہد نامہ ص ۳۹، ۴۰، متی کی انجیل، باب ۱۴، آیت ۱۲۔۳۔ نیا عہد نامہ ص ۱۸)

ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اسی طرح اس کی تفسیر میں بہت سی اسرائیلی روایات بھی ہیں جو بلاشبہ موضوع ہیں اور زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہیں اور ہمارے لیے صرف وہ کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سرکشی اور بغاوت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیا، جس نے ان کے خون بہانے کو مباح کر لیا، ان کے گھروں کو تباہ اور برباد کر دیا اور ان کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، انہوں نے سرکشی اور فساد کیا حتی کہ نبیوں اور علماء کو قتل کیا اور امام ابن جریر نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ بخت نصر نے شام پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو تباہ اور برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا پھر وہ دمشق گیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک جگہ خون ابل رہا ہے اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کیسا خون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم اپنے باپ دادا سے اسی طرح خون ابلتا ہا دیکھ رہے ہیں، پھر اس نے وہاں ستر ہزار یہودیوں کو قتل کر دیا، یہ مشہور روایت ہے، اور سعید بن مسیب ؒ تک اس کی سند صحیح ہے، بخت نصر نے معزز سرداروں اور علماء کو قتل کر دیا تھا حتی کہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا جو تورات کا حافظ ہو اس نے انبیاء (علیہم السلام) کے بیٹوں اور دیگر بکثرت افراد کو گرفتار کر لیا، اسی طرح اور دیگر بہت حادثات پیش آئے جن کے ذکر سے طوالت ہو گی۔ [1]

حافظ ابن کثیر ؒ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ دوسری بار جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو پھر ان پر کس دشمن کو مسلط کیا گیا، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ؒ نے ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے جس میں بنی اسرئیل کی دونوں بار سرکشی اور دونوں بار دشمنوں پر مسلطن ہونے کا ذکر کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۱۔(تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت حذیفہ بن یمان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب بنی اسرائیل نے سرکشی اور تکبر کیا اور نبیوں کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر فارس کے بادشاہ بخت نصر کو مسلط کردیا اور اللہ تعالیٰ نے سات سو سال تک اس کو حکمران رکھا تھا، وہ ان پر حملہ آور ہوا حتی کہ بیت المقدس میں داخل ہوگیا اور ان کا محاصرہ کرلیا، حضرت زکریا (علیہ السلام) کے خون کی پاداش میں اس نے ستر ہزار افراد کو قتل کردیا، پھر نبیوں کے بیٹوں اور دوسرے لوگوں کو قتل کردیا، اس نے بیت المقدس کے زیورات لوٹ لیے اور وہاں سے ایک لاکھ ستر ہزار سونے کے بنے ہوئے بچھڑوں کو بابل لے گیا، پھر وہ قتل کردیا گیا۔ حضرت حذیفہ نے پوچھا: یارسول اللہ کیا بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عظیم تھا ؟ فرمایا ہاں، اس کو سلیمان بن داؤد نے سونے، موتیوں، یاقوت اور زمرد سے بنایا تھا، اس کا فرش سونے او چاندی سے بنایا گیا تھا اور اسکے ستون سونے کے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ چیزیں عطا کی تھیں اور اس کو بنانے کے لیے جنات کو تابع کردیا تھا، وہ پلک جھپکنے میں یہ ساری چیزیں لے آتے تھے، یہ تمام سونا اور چاندی بخت نصر لوٹ کر بابل میں لے گیا، اس نے ایک سو سال تک ان کو اپنا غلام بنائے رکھا، مجوس اور مجوس کی اولاد ان کو عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، ان میں انبیاء اور انبیاء کے بیٹے بھی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور فارس کے بادشاہوں میں سے کورس نام کا ایک بادشاہ تھا جو مومن تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ باقی ماندہ بنی اسرائیل کو ان کی قید سے چھڑا لے پھر کورس (خورس) ان کی مدد کے لیے آیا اور ان کو بخت نصر کی غلامی سے آزاد کرایا اور بیت المقدس کے زیورات انہیں واپس کردیئے، پھر بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہے، کچھ عرصہ بعد وہ پھر گناہوں کی طرف لوٹ گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ابطیانحوس کو مسلط کردیا اور جو لوگ بخت نصر کے ساتھ تھے ان کو اپنے

ساتھ ملا کر اس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر دیا حتیٰ کہ بیت المقدس میں داخل ہو گیا اور وہاں رہنے والوں کو قید کر لیا اور بیت المقدس کو جلا دیا اور ان سے کہا اے بنی اسرائیل اگر تم نے دوبارہ نافرمانی کی تو ہم تم کو دوبارہ قید کر لیں گے، انہوں نے پھر نافرمانی کی تو ان کو تیسری بار ایک رومی بادشاہ نے قید کر لیا جس کا نام قاقس بن اسبایوس تھا، اس نے ان پر خس کی اور سمندر کے راستے سے حملہ کیا ان کو غلام بنا لیا اور بیت المقدس کے زیورات چھین لیے اور بیت المقدس کو آگ سے جلا دیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا یہ بیت المقدس کے زیورات کی سرگزشت ہے، یہ زیورات سترہ سو کشتیوں میں لدے ہوئے تھے ان کو مہدی واپس بیت المقدس میں پہنچائے گا اور اللہ تعالیٰ بیت المقدس میں ہی اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا۔ (۱)

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتمؒ متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ پہلی بار ان پر جالوت مسلط کیا گیا پھر ان کی توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے طالوت اور حضرت داؤد کی مدد سے ان کو رہائی دلائی۔ (۲)

اور دوسری بار ان پر بخت نصر بابلی مجوسی کو مسلط کیا گیا اس نے بھی قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ان کو بہت برا عذاب چکھایا۔ (۳)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازیؒ متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ان پر جالوت کو مسلط کر دیا جس نے ان کو ہلاک کر دیا اور

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث:۱۶۶۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۲۔(تفسیر ابن ابی حاتم، رقم الحدیث:۱۳۱۹۱)

۳۔(تفسیر ابن ابی حاتم رقم الحدیث:۱۳۱۹۳)

ان کے ملک کو تباہ و برباد کر دیا، پھر ان پر رحم فرمایا اور اللہ عزوجل نے طالوت کو طاقت دی حتی کہ اس نے جالوت سے جنگ کی اور حضرت داؤد نے اس کی مدد کی حتی کہ طالوت نے جالوت کو قتل کر دیا، پھر دوبارہ بنی اسرائیل نے سرکشی اور فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں میں مجوس کا رعب اور خوف مسلط کر دیا اور مجوسیوں نے ان کو قتل کر ڈالا اور ان کے گھروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ بہرحال اس بات کو جاننے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور کوئی غرض علمی نہیں ہے کہ بنی اسرئیل کو ہلاک کرنے والے کون تھے، مقصود صرف یہ ہے کہ جب بنی اسرئیل نے شورش اور فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا اور انہوں نے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ (۱)

دو بار کی انتہائی سرکشی اور اس کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد دور نبوی کے یہود کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم نے اس نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وہی سرکشی اور بغاوت جاری رکھی جو تم سابقہ انبیاء کے ساتھ کرتے رہے تو پھر تمہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسے پہلے مل چکی ہے، لیکن اس تنبیہ کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور یہود مدینہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے کے بجائے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بدعہدیاں، شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں ہی کرتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں انھیں یہ سزا ملی کہ کچھ قتل کیے گئے، کچھ غلام بنائے گئے اور کچھ جلاوطن کر دیے گئے۔ حتیٰ کہ دور فاروقی میں سب یہود کو وہاں سے نکال کر خطہ عرب کو ان سے پاک کر دیا گیا۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا : سیدنا ابو موسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو مہلت دیتا رہتا ہے، لیکن جب

۱۔ (تفسیر کبیر ج ۷، ص ۲۹۹، ۳۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱٥ھ)

پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔“ [1]

اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کی وہ خوبی بیان کی گئی ہے جس کے سبب وہ تمام دیگر آسمانی کتابوں پر فائق ہوگیا، یعنی یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے، اس راستہ میں کوئی کجی یا ٹیڑھ نہیں اور نہ کوئی پیچیدگی ہے۔ جس کی اتباع ہی میں انسانوں کے لیے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی ہے اور یہ قرآن ان لوگوں کو جنت کی خوش خبری دیتا ہے جو اپنے ایمان میں مخلص ہوتے ہیں، عمل صالح کرتے ہیں اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں، مگر جو لوگ بعث بعد الموت اور آخرت میں جزا و سزا پر ایمان نہیں رکھتے انھیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ : یعنی یہ قرآن سیدھے اور نہایت واضح راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، ارشاد فرمایا: (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ۜ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا)[الكهف:١ تا ٤] ”سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہ رکھی۔ بالکل سیدھی، تاکہ وہ اس کی جانب سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان مومنوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، خوش خبری دے کہ بیشک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کو ڈرائے جنھوں نے کہا اللہ نے کوئی اولاد بنا رکھی ہے۔“ اور فرمایا: (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ)[الزمر: 28] ”واضح قرآن، جس میں کوئی کجی نہیں، تاکہ وہ بچ جائیں۔“ سیدنا

---

[1] [بخاري، كتاب التفسير، باب قوله: (وكذلك أخذ ربك ...الخ): ٤٦٨٦]

عرباض بن ساریہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میں تمہیں روشن (دین) پر چھوڑ رہا ہوں۔ اس کی رات بھی اس کے دن کی مانند ہے (یعنی اس میں کسی قسم کی پیچیدگی، کجی اور شک وشبہ نہیں) میرے بعد اس کو چھوڑ کر کجی وہی اختیار کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔“ ١

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا: یعنی ان مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے لیے اجر عظیم ہے۔ سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، نیک لوگوں کے لیے میں نے جنت میں جو نعمتیں پیدا کی ہیں انھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ (ان کے بارے میں) کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا ہے۔۔۔“ ٢

اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا: یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، قرآن انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ روز قیامت ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا، جیسا کہ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! اگر تم وہ کچھ دیکھ لو جو میں نے دیکھا ہے تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔“ ٣

﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

١۔ [مسند أحمد: ٤/ ١٢٦، ح: ١٧١٤٧]

٢۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (فلا تعلم نفس ما أخفی لہم من قرۃ أعین): ٤٧٨٠۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب صفۃ الجنۃ۔۔ الخ: ٢٨٢٤]

٣۔ [مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تحریم سبق۔۔ الخ: ٤٢٦۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (لا تسئلوا عن أشیاء۔۔ الخ): ٤٦٢١]

عَجُوْلًا ﴿١١﴾

اور جس طرح انسان اپنے لیے بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے اسی طرح (بعض اوقات) برائی بھی مانگنے لگتا ہے اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔

غصہ میں اپنے اور اپنے اہل کے خلاف دعا کرنا

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان غصہ اور غضب میں کہتا ہے: اے اللہ اس پر لعنت فرمایا یا اس پر غضب فرما اس کی یہ دعا جلد قبول کر لی جائے جیسا کہ اس کی خیر کی دعا جلد قبول کر لی جاتی ہے تو وہ ہلاک ہو جائے۔

قتادہؒ نے کہا انسان اپنے مال اور اولاد پر لعنت کرتا ہے اور ان کی ہلاکت کی دعا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کی یہ دعا قبول کر لیتا تو وہ ہلاک ہو جاتے۔

مجاہدؒ نے کہا کبھی انسان اپنی بیوی اور اولاد کے خلاف دعا کرتا ہے اور ان کی قبولیت کے لیے جلدی کرتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ یہ دعا قبول ہو۔ [۱]

اس کی نظیر یہ آیت ہے:

لو یعجل اللہ للناس الشر استعجالھم بالخیر لقضی الیھم اجلھم ، فنذر الذین لا یرجون لقائنا فی طغیانھم یعمھون۔

(یونس:۱۱) اور اگر اللہ لوگوں کو جلد برائی پہنچا دیتا جیسا کہ وہ بھلائی پہنچنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی مدت ان کی طرف ضرور پوری ہو چکی ہوتی تو ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں جو ہمارے سامنے پیش

۱۔ (جامع البیان جز۱۵،ص۶۲،مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

ہونے کی توقع نہیں رکھتے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت النضر بن الحارث اور اس کے متبعین کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے یہ دعا کی تھی:

واذ قالوا اللھم ان کان ھذا ھوالحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء اوئتنا بعذاب الیم۔ (الانفال: ۳۲۔ اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہی (قرآن) تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر اپنی طرف سے پتھر برسا یا ہم پر (کوئی اور) دردناک عذاب نازل کر۔

انسان کا جلد باز ہونا:

اس کے بعد فرمایا اور انسان بہت جلد باز ہے، یعنی اپنی طبیعت اور فطرت سے ہر کام میں جلدی کرتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔ امام ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کا سر پیدا کیا وہ اپنی خلقت کو دیکھ کر رہے تھے ابھی ان کی ٹانگیں رہ گئیں تھیں جب عصر کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میرے رب رات سے پہلے یہ کام مکمل کر دے۔

حضرت عباس بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم میں روح پھونکی تو روح ان کے سر کی جانب سے آئی ان کے پتلے میں جہاں جہاں روح پہنچتی گئی وہ گوشت اور خون بنتا گیا جب روح ان کی ناف تک پہنچی تو ان کو اپنا جسم بہت اچھا لگا، انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ اٹھ نہ سکے اور یہ اللہ

عزوجل کے اس قول کی تفسیر ہے کہ انسان بہت جلد باز ہے۔ (۱)

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کی صورت بنا کر ان کو چھوڑا اور جب تک چاہا چھوڑے رکھا تو ابلیس ان کے گرد گھومتا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ یہ کھوکھلے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ یہ ایسی مخلوق ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔ (۲)

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سودہؓ کے سپرد ایک قیدی کیا وہ رات کو رو رہا تھا، حضرت سودہ نے اس سے پوچھا کہ رو کیوں رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے بہت سختی سے باندھا ہوا ہے، حضرت سودہ نے اس کی رسی ڈھیلی کر دی، جب حضرت سودہ سو گئیں تو بھاگ گیا، انہوں نے صبح نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ واقعہ بتایا، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تمہارے ہاتھ کاٹ ڈالے، صبح حضرت سودہ اپنے اوپر کسی مصیبت کے نازل ہونے کی توقع کر رہی تھیں، تب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ میرے اہل سے جو شخص میری دعا ضرر کا مستحق نہ ہو تو اس کے حق میں میری دعا ضرر کو رحمت بنا دے، کیونکہ میں ایک بشر ہوں اور جس طرح بشر غضبناک ہوتے ہیں میں بھی غضبناک ہوتا ہوں۔ (۳)

اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اے اللہ! محمد صرف بشر ہے بشر کی طرح غضبناک ہوتا ہے اور میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں اور تو اس عہد

(جامع البیان جز ۱۵ ص ۶۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۱۱)

۳۔(مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۳۰۴۰)

کے خلاف نہ کرنا کہ میں جس مومن کو بھی اذیت دوں یا برا کہوں یا اس کو ماروں تو تو اس چیز کو اس کے گناہوں کا کفارہ کر دے اور اس کو اس کی ایسی عبادت کر دے جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن تیرا قرب حاصل کرے۔ (۱)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بندے کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے جب تک وہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جلد بازی نہ کرے۔" لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! جلدی کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اس طرح کہے کہ میں نے دعا کی اور خوب دعا کی، میں نہیں سمجھتا کہ وہ قبول ہوگی، پھر ناامید ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔" (۲)

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اپنی جانوں کے لیے بددعا نہ کیا کرو، نہ اپنی اولاد کے لیے بددعا کیا کرو اور نہ اپنے اموال و مواشی کے لیے بددعا کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس گھڑی میں بددعا کر بیٹھو جس میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے وہ عطا کرتا ہے (اور تمہاری بددعا قبول ہو جائے)۔" (۳)

﴿ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾ ﴾

۱۔(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲٦۰۱)

۲۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب بیان أنہ یستجاب للداعی مالم یعجل ۔۔ الخ: ۹۲/۲۷۳۵]

۳۔[مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل، وقصۃ أبی الیسر: ۳۰۰۹]

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا تا کہ تم اپنے رب کے فضل کے لیے کوشش کرو اور تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اور ہم نے ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کیا ہے۔ (۱۲)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے رات اور دن کی دو مختلف نشانیاں بنائی ہیں، رات کی نشانی اندھیرا ہے اور دن کی نشانی روشنی ہے، رات کو اس لیے بنایا ہے تا کہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو اس لیے بنایا ہے کہ تم اس کی روشنی میں اس رزق کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے، اور تا کہ تم رات اور دن کے اختلاف سے اپنے لیے ہفتہ کے دنوں، مہینوں اور سالوں کا شمار کر سکو اور رات اور دن کے اوقات کی تعیین کر سکو۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے عرش کے نور سے سورج اور چاند کو پیدا کیا پس یہ دونوں شمس کی طرح روشن تھے پھر اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جس چیز کو شمس ہونا تھا اس کو تمام دنیا کے مشارق اور مغارب جتنا بنایا اور جس نے اللہ عالی کے علم ازلی میں قمر ہونا اس کو شمس سے حجم اور ضیا میں کم بنایا اور چونکہ یہ ہم سے بہت فاصلہ پر ہیں اس لیے ہم کو یہ حجم میں کم دکھائی دیتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ سورج اور چاند اپنے اصل حجم اور اصل ضیا پر باقی رکھتا تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ کام کرنے والے کے لیے اس تعیین کا کا ذریعہ ہوتا کہ وہ کب تک کام کرے اور نہ روزہ دار کے لیے علامت ہوتی کہ وہ

کب تک روزہ رکھے، نہ عورت کی عدت کے لیے کوئی معیار اور پیمانہ ہوتا اور نہ نماز اور حج کے اوقات کی تعیین کی معرفت کا کوئی ذریعہ ہوتا، اور نہ قرض ادا کرنے اور وصول کرنے کی حد کا کوئی ذریعہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا سلسلہ قائم کیا اور نظام کائنات کے لیے تقویم بنا دی، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت رحم کرنے والا ہے اس نے اپنے بندوں کی ضروریات کے مطابق شمس کا نور اپنی اصل پر رکھا اور چاند کے نور کو کم کر دیا۔ (۱)

امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (۲)

سیدنا ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھتے وقت یہ فرمایا: "وقت گھوم پھر کر اپنی اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس دن تھا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ سال بارہ ماہ کا ہے، جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، ان میں سے تین تو لگاتار ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مہینا مضر کا رجب ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے۔" (۳)

﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝۱۳ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴ؕ﴾

۱۔ (الجامع الاحکام القرآن جز۱۰، ص۲۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

۲۔ (کتاب الموضوعات ج۱، ص۱۳۹)

۳۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: ۴۴۰۶۔ مسلم، کتاب القسامۃ والمحاربین، باب تغلیظ تحریم۔۔ الخ: ۱۶۷۹]

اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گرن میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم (اس کے نامہ اعمال کی) ایک کتاب نکال کر اس کے سامنے پیش کر دیں گے جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا۔(۱۳) اس سے (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب لینے والا کافی ہے۔(۱۴)

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر چیز بیان کردی ہے تو کسی کے پاس راہ ضلالت اختیار کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اسی لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر آدمی اپنی مرضی اور اختیار سے جو بھی اچھے اور برے اعمال کرتا ہے اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اس کا عمل اس کے ساتھ ایسے ہی لگا ہوتا ہے جیسے کسی کی گردن کا طوق، اس سے کسی حال میں بھی الگ نہیں ہوتا۔ اس عمل کے مطابق سعادت و نیک بختی یا شقاوت و بدبختی بھی اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے، اس سے وہ چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اگر بدبخت ہوگا تو جہنم اور نیک بخت ہوگا تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ قیامت کے دن ہر آدمی اپنا نامہ اعمال اپنے آگے کھلا ہوا پائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھو جس میں تمہارے چھوٹے بڑے تمام اعمال درج ہیں۔ تم خود ہی اپنے اعمال کا حساب لگاؤ گے اور گواہ بنو گے کہ تم نے ان کا ارتکاب کیا تھا یا نہیں۔ آج تو خود ہی فیصلہ کرے گا کہ تو مستحق عذاب ہے یا مستحق اجر و ثواب، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؀13 بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰي نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ؀14 وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ)[القیامۃ: ۱۳ تا ۱۵] ”اس دن انسان کو بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے بہانے پیش

کرے۔"

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ہنس دیے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے ہنس رہا ہوں؟" ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں بندے کی اس گفتگو پر ہنس رہا ہوں، جو وہ اپنے مالک سے کرے گا۔ بندہ کہے گا، اے میرے مالک! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی؟ اللہ جواب دے گا، کیوں نہیں۔ بندہ کہے گا، تو پھر میں کسی کی گواہی کو اپنے خلاف جائز نہیں سمجھتا، سوائے اپنی ذات کی گواہی کے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج کے دن تیری ذات ہی کی گواہی تیرے خلاف کافی ہے اور کراماً کاتبین بھی گواہی دیں گے۔ پھر بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں کو بولنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ اس کے سارے اعمال بتا دیں گے۔ پھر بندے کو بات کرنے کی اجازت دی جائے گی تو بندہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کہے گا، چلو دور ہو جاؤ، اللہ کی مار ہو تم پر، میں تو تمہارے ہی لیے جھگڑ رہا تھا۔" [۱]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا، پس جس شخص کو وہ نور پہنچ گیا وہ ہدایت پا گیا اور جس شخص نے اس نور سے خطا کی وہ گمراہ ہو گیا اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

۱۔ [مسلم، کتاب الزھد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۶۹]

امام احمدؒ کی روایت میں ہے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے۔[١]

اللہ تعالیٰ نے گردن میں اعمال نامہ ڈالنے کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ اگر وہ نیک اعمال ہیں تو اس طرح ہیں جیسے زیب وزینت کے لیے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے اور اگر وہ بداعمال ہیں تو جس طرح زلت اور رسوائی کو ظاہر کرنے کے لیے گلے میں جوتیوں کا ہار یا طوق ڈالا جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکال لیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا۔

امام ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ حسن نے اس آیت کو تلاوت کر کے کہا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تیرے لیے تیرا صحیفہ اعمال کھول دیا ہے، اور دو مکرم فرشتے تیرے لیے مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا تیری بائیں جانب ہے، جو فرشتہ تیری دائیں جانب ہے وہ تیری نیکیوں کی حفاظت کرتا ہے اور جو فرشتہ تیری بائیں جانب ہے وہ تیری برائیوں کی حفاظت کرتا ہے، اب تو جو چاہے عمل کر، خواہ کم خواہ زیادہ، حتیٰ کہ جب تو مر جائے گا تو تیرا صحیفہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا، اور وہ تیری گردن میں ڈال کر تیرے ساتھ تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا، حتیٰ کہ جب تو قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا تو تو اس اعمال نامہ کو کھلا ہوا پائے گا۔[٢]

بندہ کا اپنے صحائف اعمال کو پڑھنا

١۔ (مسند احمد، رقم الحدیث: ٤٦٨٥٤، مطبوعہ عالم الکتب بیروت) (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ٢٦٤٢، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ٦١٦٩، ٦١٧٠، المستدرک ج١ ص٣٠، الشریعہ ص١٧٥)

٢۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٦٧١٩٨)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا اعمال نامہ پڑھ لو۔ آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں:

حسن ؒ نے کہا اس اعمال نامہ کو ہر شخص پڑھے گا خواہ وہ دنیا میں امی ہو یا غیر امی ہو، اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے محاسبہ کے لیے خود کافی ہے اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

اس کا معنی ہے محاسب یا شاہد ہے کافی ہے، یعنی انسان کی طرف اس کا حساب سونپ دیا جائے گا تاکہ وہ بندوں کے درمیان اللہ کے عدل اور فضل کو جان سکے اور وہ یہ جان لے کہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہے اور وہ اپنے اعمال کے مطابق سزا کا مستحق ہے او وہ یہ جان لے کہ اگر وہ جنت میں داخل ہوا ہے تو اللہ عزوجل کے فضل سے داخل ہوا ہے نہ کہ اپنے عمل کی وجہ سے اور اگر وہ دوزخ میں داخل ہوا ہے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے۔ [۱]

﴿ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ ﴾

جو شخص دنیا میں سیدھی راہ پر چلتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لیے چلتا ہے اور جو گمراہ ہوا، اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۱۔ (ازاد المسیر، ج ۵، ص ۱٦، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱٤۰۷ ھ)

اورہم (اس وقت تک) عذاب نہیں دیتے جب تک کہ (ان لوگوں میں) کوئی رسول نہیں بھیج دیتے۔

شان نزول: (آیت) ”۔ولاتزروازرۃ وزراخری“۔(الخ)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مشرکین کی نابالغ اولاد کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء کے ساتھ ہونگے، حضرت عائشہؓ کہ پھر میں نے آپ سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا فرماتی ہیں کہ جب اسلام مضبوط ہوگیا تو پھر میں نے آپ سے ان کے بارے میں دریافت کیا تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ بچے فطرت پر ہوں گے یا آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہونگے۔

گزشتہ آیت میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس سے ہر آدمی کو یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ جو شخص آج راہ ہدایت کو اختیار کرے گا، اللہ پر، اس کے رسول پر، یوم آخرت پر اور جنت وجہنم پر ایمان لائے گا، عمل صالح کرے گا اور شرک ومعاصی سے اجتناب کرے گا تو اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا، عذاب سے نجات پائے گا اور جنت کا مستحق بنے گا۔ جبکہ جو شخص گمراہ ہوگا، قرآن کریم اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھٹلائے گا اور شرک ومعاصی کا ارتکاب کرے گا تو اس کا نقصان اسی کو پہنچے گا اور جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے گناہوں کا ذمہ دار نہیں

ہو گا۔ آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی قوم کو اپنا رسول بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں دیتا۔ جب اپنا رسول بھیج کر حق و باطل کو ان کے لیے آشکارا کر دیتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے، تو ان پر اپنا عذاب نازل کر دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا)[النساء:١٦٥] "ایسے رسول جو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے، تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے اور اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔" اور فرمایا: (تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ)[الملک:٨، ٩] "قریب ہو گی کہ غصے سے پھٹ جائے۔ جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا، اس کے نگران ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا اللہ نے کوئی چیز نہیں اتاری، تم تو ایک بڑی گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو۔" اور فرمایا: (وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ)[الزمر:٧١] "اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے کیا تمھارے پاس تم میں سے کچھ رسول نہیں آئے جو تم پر تمھارے رب کی آیات

پڑھتے ہوں اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ کہیں گے کیوں نہیں، اور لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔" اور فرمایا: (رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَيۡرَ الَّذِيۡ كُنَّا نَعۡمَلُ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ نَّصِيۡرٍ)[فاطر:۳۷] "اور وہ اس میں چلائیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں نکال لے، ہم نیک عمل کریں گے، اس کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے۔ اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس خاص ڈرانے والا بھی آیا۔ پس چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔" وہ بچے جو بچپن میں فوت ہو جائیں اور ان کے باپ کافر ہوں ان کے متعلق سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جیسا کہ تمہارے جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہیں، کیا ان میں کوئی کان کٹا پیدا ہوتا ہے؟ وہ تو تم خود ہی ان کے کان کاٹ دیتے ہو۔" لوگوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! اگر کوئی بچپن ہی میں فوت ہو جائے تو؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی صحیح اور پوری خبر ہوتی ہے۔" [1]

سیدنا سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ معراج والی حدیث میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بزرگ کو جنت کے ایک درخت تلے دیکھا، ان کے پاس بہت سے بچے جمع تھے۔ دریافت کرنے پر جبرائیل (علیہ السلام) نے بتایا کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام) ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں کی اور مشرکوں کی اولادیں ہیں۔ لوگوں نے کہا، مشرکوں کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا: "ہاں

۱۔[بخاری، کتاب القدر، باب اللہ أعلم بما کانوا عاملین: ۶۵۹۹، ۶۶۰۰۔ مسلم، کتاب القدر، باب معنیٰ کل مولود یولد علی الفطرۃ: ۲۶۵۸/۲۳]

مشرکین کی اولاد بھی۔"(۱)

﴿ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝١٦ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝١٧ ﴾

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو (پہلے) وہاں کے خوشحال لوگوں کو کا حکم دیتے ہیں، پھر جب وہ اس میں فسق وفجور کرنے لگتے ہیں، تو ان پر حجت تمام ہوجاتی ہے، تب ہم اسے تباہ وبرباد کرکے رکھ دیتے ہیں۔(۱۶) اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے اور ان کو دیکھنے کے لیے کافی ہے۔(۱۷)

اوپر کی آیت میں قوموں کے عذاب کے سلسلہ میں سنت الٰہی واضح کی گئی تھی اس آیت میں اس کا یہ پہلو واضح کیا جارہا ہے کہ کسی بستی یا آبادی کی تباہی اسی وقت عمل میں آتی ہے جبکہ اس میں فسق عام ہوجاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آبادی کے خوشحال طبقہ کو جس میں حکمراں، سردار اور دولت مند لوگ

۱۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلوۃ الصبح: ۷۰۴۷۔ مسند أحمد: ۵/ ۸، ۹، ح: ۲۰۱۱۷]

شامل ہیں اللہ اپنی اطاعت کا حکم دے دیتا ہے چنانچہ اللہ کے رسول خاص طور سے اسی طبقہ کو خطاب کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو اور ان کے واسطہ سے عوام پر لیکن یہ لوگ دنیا پرستی میں ایسے غرق اور عیش کوشی میں ایسے مست ہوتے ہیں کہ اللہ کے احکام کی پروانہیں کرتے۔ وہ خود بھی فسق (نافرمانی اور گناہ کے کام) کرتے ہیں اور فلسفیانہ طریقے رائج کر کے پوری بستی کو بھی فسق و فجور سے بھر دیتے ہیں۔ اس طرح پوری آبادی عذاب کی مستحق بن جاتی ہے اور اللہ کوئی نہ کوئی آفت نازل کر کے اس آبادی کو تہس نہس کر دیتا ہے۔ بعد کی آیت میں ان قوموں کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے جن کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا۔

بعض مفسرین نے اَمَرْنَا (ہم انہیں حکم دیتے ہیں) کے معنی میں بڑا تکلف کیا ہے۔ کسی نے حکم تکوینی مراد لیا ہے یعنی ہم تکوینی طور پر فسق کا حکم دے دیتے ہیں۔ اور کسی نے کچھ اور مگر لغوی طور پر بھی اور سیاق وسباق کے لحاظ سے بھی اس کا وہی مفہوم متعین ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ عربی میں جب مطلقاً اَمَرْنَا کہیں گے تو اس کے معنی امر اطاعت ہی کے ہونگے۔ چنانچہ ابن جریر طبریؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور علامہ شوکانی لکھتے ہیں: "جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہوگا وہ اس کا یہی مطلب سمجھے گا کہ جس چیز کا حکم دیا گیا تھا وہ معصیت سے مختلف چیز تھی کیونکہ معصیت امر کے منافی اور اس کے متناقض ہے۔ لہٰذا اَمَرْتُہٗ فَفَسَقَ (میں نے اسے حکم دیا تو اس نے فسق کیا) کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسے جس چیز کا حکم دیا گیا تھا وہ فسق سے مختلف چیز تھی کیونکہ فسق کا مطلب تو ایسی چیز کا ارتکاب ہے جو دیئے گئے حکم کی بالکل ضد ہو۔

سیدہ زینب بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیدار ہوئے اور فرمایا: "لا

الٰہ الا اللہ، خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک آ چکی ہے، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا۔" اور (راویٔ حدیث) سفیان نے دس کا ہندسہ بنایا (یعنی انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے حلقہ بنایا) میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں بھی جب کہ ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، جب برائی زیادہ ہو گی۔" [١]

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے ہیں اس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور زمین پر رحمت کا ایک حصہ نازل کیا اور رحمت کے اس حصہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے حتی کہ گھوڑی اپنے بچہ کے اوپر سے اپنا پیر اٹھا لیتی ہے کہ کہیں اس کے پیر کے نیچے اس کا بچہ کچلا نہ جائے۔ [٢]

اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا آدم (علیہ السلام) سے لے کر سیدنا نوح (علیہ السلام) تک سب لوگ توحید پر قائم اور شرک سے نا آشنا تھے۔ صحیح احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ شرک کا آغاز قوم نوح سے ہوا، جب ان میں پانچ بزرگ فوت ہو گئے تو شیطان نے انھیں پٹی پڑھائی کہ ان کی یاد کے طور پر ان کے مجسمے تیار کر لیں، انھوں نے ان کے مجسمے بنا لیے، پھر جب یہ نسل چلی گئی تو ان کے بعد آنے والوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ اس طرح بنی نوع انسان میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ جب انھوں نے کفر و سرکشی کی راہ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ اس آیت میں کفار مکہ کے لیے ایک قسم کی دھمکی ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کفر میں جمے رہے تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ کا عذاب ان پر نازل ہو جائے۔ ارشاد فرمایا: (وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ

---

١ [مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب اقتراب الفتن: ٢٨٨٠]

٢۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ٦٠٠٠، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٢٧٥٢، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ٣٥٤١، مسند احمد رقم الحدیث: ٨٣٩٦)

اٰيَةً وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا 37ۚۖ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا 38 وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا) [الفرقان: ۳۷ تا ۳۹]"

اور نوح کی قوم کو بھی جب انھوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور انھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود کو اور کنویں والوں کو اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی (ہلاک کر دیا)۔ اور ہر ایک، ہم نے اس کے لیے مثالیں بیان کیں اور ہر ایک کو ہم نے تباہ کر دیا، بری طرح تباہ کرنا۔

" وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا : فرمایا کہ آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔ اس لیے انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان کا گناہ ان کی ہلاکت کا باعث نہ بن جائے، جیسا کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو مہلت دیتا رہتا ہے (اور جب وہ اپنی نافرمانی سے باز نہیں آتے) تو پھر جب انھیں پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔"[1]

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ⑱ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القری): ٤٦٨٦]

سَعۡیُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ
رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾ اُنۡظُرۡ كَیۡفَ فَضَّلۡنَا
بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكۡبَرُ
تَفۡضِیۡلًا ﴿۲۱﴾

جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم ان میں سے جس کو جتنا چاہتے ہیں اس دنیا میں ہی دے دیتے ہیں پھر اس کا ٹھکانا جہنم مقرر کر دیتے ہیں، جس میں وہ ذلیل و رسوا ہو کر داخل ہو جائے گا۔(۱۸) اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس کے لیے ایمان کے ساتھ بھرپور کوشش کرے تو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔(۱۹) ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ ان کو بھی اور ان کو بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔(۲۰) دیکھو ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت درجات اور فضیلت کے اعتبار سے کہیں بڑھ کر ہے۔(۲۱)

جو شخص صرف دنیا کو طلب کرتا ہے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو ضروری نہیں کہ اس کی ہر چاہت پوری

ہو جائے بلکہ ہم جس کے لیے مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اس کو فوراً دنیا ہی میں دے دیتے ہیں ۔لیکن ایسے لوگ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ چونکہ اس نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اس لیے ہم نے آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم میں بنا دیا جس میں وہ ذلت وخواری کے ساتھ داخل ہوگا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ: ارشاد فرمایا: (مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝15 اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)[ھود:١٥،١٦] ”جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو ہم انھیں ان کے اعمال کا بدلہ اسی (دنیا) میں پورا دے دیں گے اور اس (دنیا) میں ان سے کمی نہ کی جائے گی۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور برباد ہو گیا جو کچھ انھوں نے اس میں کیا اور بے کار ہے جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔“ اور فرمایا: (مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ)[الشوریٰ:٢٠] ”جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔“

سیدنا زید بن ثابت ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جس شخص کا مقصود حصول دنیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام بکھیر دیتا ہے اور اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے مقدر ہوتی ہے اور جس کی نیت آخرت کا حصول ہو، اللہ

تعالیٰ اس کے کام مرتب کر دیتا ہے اور اس کے دل میں استغنا پیدا فرما دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے۔"[۱]

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا : یعنی وہ جہنم میں اپنی برائیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے مذموم ہو کر داخل ہوگا کہ اس نے دنیا فانی کو ابدی اور دائمی آخرت کے مقابلے میں ترجیح دی تھی۔ سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن اہل دوزخ میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھا، پس اسے دوزخ میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے دنیا میں کبھی آرام دیکھا تھا؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی چین کا لمحہ بھی آیا تھا؟ وہ کہے گا کہ اللہ کی قسم! اے میرے رب! کبھی نہیں۔"[۲]

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو، اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

جو شخص آخرت کو طلب کرتا ہے اور ایمان کی حالت میں آخرت کے لیے مناسب کوشش کرتا ہے اور امر و نواہی کی پابندی اور اعمال صالحہ کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی یہ کوشش اللہ کے ہاں قبول ہوگی۔ ان کو ان کے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ ہر ایک کو خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت۔ ہم اپنی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں۔ وہ ایسا حاکم عادل ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ سب کا رب ہے کافر کا بھی

۱۔[ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الھم بالدنیا: ۴۱۰۵۔ ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب أحادیث: ابتلینا بالضراء۔۔الخ: ۲۴۶۵۔ عن أنس بن مالک (رض)]

۲۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صبغ أنعم أہل الدنیا فی النار۔۔الخ: ۲۸۰۷]

اورمومن کا بھی۔کوئی بھی فریق اس کی دین سے محروم نہیں اس کی نعمتیں عام ہیں۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر والوں نے مدینہ آنے کے بعد کبھی جو کی روٹی بھی دو دن متواتر پیٹ بھر کر نہیں کھائی، حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ (۱)

عروہؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں، اللہ کی قسم! اے میرے بھتیجے! ہم چاند دیکھتیں، پھر (دوسرا) چاند، پھر (تیسرا) چاند دیکھتیں، دو ماہ میں تین چاند دیکھ لیتیں، (لیکن) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھروں میں آگ تک نہیں جلتی تھی۔ میں نے کہا، خالہ جان! پھر آپ کا گزارا کس چیز پر ہوتا تھا؟ فرمایا، دو سیاہ چیزوں کھجور اور پانی پر۔ (۲)

سیدنا عتبہ بن غزوانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے (ابتدائی) سات ساتھیوں میں سے ایک ہوں۔ (ہمارا حال اس وقت یہ تھا کہ) ہمارے پاس کھانے کے لیے درختوں کے پتوں کے علاوہ کچھ نہ ہوتا، (جنھیں کھاتے) ہماری باچھیں زخمی ہوگئیں۔ (انھی ایام میں) مجھے ایک چادر مل گئی تو میں نے اسے اپنے اور سعد بن مالکؓ کے درمیان پھاڑ کر آدھا آدھا کر لیا۔ چنانچہ اس کے آدھے حصے کی میں نے ازار باندھ لی اور آدھے کی سیدنا سعدؓ نے، لیکن آج کیفیت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی شہر کا حاکم ہے اور میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھوں اور اللہ کے ہاں چھوٹا ہوں۔ (۳)

۱۔[مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر:۲۲/۲۹۷۰۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأصحابہ:٦٤٥٤]

۲۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأصحابہ:٦٤٥٩۔ مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر:۲۹۷۲]

۳

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں عرب میں سے پہلا آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیراندازی کی۔ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور ہمارا حال یہ تھا کہ ہمارے پاس کھانے کے لیے حبلہ (ایک قسم کا جنگلی درخت) اور کیکر کے پتوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ ہم اس طرح قضائے حاجت کرتے، جس طرح اونٹ یا بکری (مینگنیاں) کرتی ہے اور وہ (خشکی کی وجہ سے) ملی ہوئی نہ ہوتیں۔ [1]

محمد بن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہؓ نے فرمایا، میرا یہ حال ہوتا کہ میں منبر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور سیدہ عائشہؓ کے حجرے کے درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑتا اور آنے والا آتا اور اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا اور خیال کرتا کہ میں دیوانہ ہوں، حالانکہ مجھے کوئی دیوانگی نہ تھی، صرف بھوک تھی (جس کی شدت سے مجھے غشی آجایا کرتی تھی)۔ [2]

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں بھیجا اور سیدنا ابو عبیدہؓ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا، (مقصد ہمارے بھیجنے کا یہ تھا) کہ ہم قریش کے ایک قافلے کا تعاقب کریں۔ زادِراہ کے طور پر کھجور کا ایک تھیلا ہمیں دیا۔ اس کے علاوہ آپ کو کچھ اور میسر نہ آیا (ورنہ آپ ہمیں ضرور دیتے)، بہرحال سیدنا ابو عبیدہؓ ہمیں ایک ایک کھجور دیتے رہے۔ ان سے پوچھا گیا، آپ لوگ اس سے کیسے گزارا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا، ہم اسے اس طرح چوستے جیسے بچہ چوستا ہے، پھر ہم پانی پی لیتے اور یوں ایک کھجور ہی ہمیں پورے دن اور رات تک کافی ہو جاتی اور ہم اپنی لاٹھیوں

۱۔[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب مناقب سعد بن أبی وقاص الزہری: ۳۷۲۸۔ مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۶۶]

۲۔[بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما ذکر النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وحض علی اتفاق أہل العلم ۔۔ الخ: ۷۳۲۴]

سے درختوں کے پتے بھی جھاڑتے اور پھر انھیں پانی میں تر کر کے کھا لیتے۔ [1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ گئے۔ ہم چھ ساتھی تھے اور (سواریوں کی قلت کے باعث) ہمیں ایک اونٹ ملا تھا، ہم باری باری اس پر سوار ہوتے اور یوں (زیادہ پیدل چلنے کی وجہ سے) ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور خود میرے پاؤں بھی زخمی تھے، بلکہ ان کے ناخن بھی جھڑ چکے تھے۔ پس ہم اپنے پیروں پر کپڑوں کے چیتھڑے لپیٹ لیتے تھے۔ چنانچہ اس غزوے کا نام ہی غزوہ ذات الرقاع پڑ گیا، کیونکہ ہم اپنے پاؤں پر چیتھڑے باندھتے تھے۔ [2]

دیکھ لو! ہم نے دنیا میں بھی انسانوں کے مختلف درجے رکھے ہیں۔ ان میں امیر بھی ہیں فقیر بھی، دولت مند بھی ہیں اور نادار بھی، نیک بھی ہیں بد بھی، ضعیف بھی ہیں توانا بھی، جوان بھی ہیں بوڑھے بھی، صحت مند بھی ہیں، درجات کے اعتبار سے آخرت دنیا سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ بعض لوگ جنت میں ہوں گے اور بعض دوزخ میں۔ پھر جنت اور دوزخ کے اندر بھی بہت سے درجات ہیں جہاں اعمال کے اعتبار سے ایل جنت واہل دوزخ کو رکھا جائے گا۔ سو درجوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے آخرت بہت بڑی ہے۔

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جنتی لوگ اپنے اوپر بالا خانوں میں رہنے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح لوگ اس چمکتے ستارے کو دیکھتے ہیں جو صبح کے وقت آسمان کے مشرقی یا مغربی افق پر باقی رہ گیا ہو۔ یہ فرق اس فضیلت کی وجہ سے ہوگا جو

۱۔[مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب إباحۃ میتات البحر: ۱۹۳۵]

۲۔[بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع: ٤١٢٨۔ مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب غزوۃ ذات الرقاع: ۱۸۱٦]

ایک کو دوسرے پر حاصل ہوگی۔“ لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! یہ تو نبیوں کے مقام ہوں گے اور کوئی دوسرا ایسے بلند مقاموں پر کیسے پہنچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے نبیوں کی تصدیق کی۔“ [۱]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے، خواہ وہ جہاد کرے اور خواہ اسی جگہ بیٹھا رہے جہاں وہ پیدا ہوا ہو۔“ لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو یہ خوش خبری نہ سنا دیں؟ آپ نے فرمایا: ”جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے تو اللہ تعالیٰ سے جب تم جنت کا سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو، کیونکہ فردوس جنت کا درمیانی اور اونچا ترین حصہ ہے اور اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور جنت کی نہریں فردوس ہی سے پھوٹتی ہیں۔“ [۲]

سیدنا ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے ابو سعید! جو شخص اللہ کے رب ہونے سے، اسلام کے دین ہونے سے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نبی ہونے سے راضی ہو، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔“ ابو سعید کو (یعنی مجھے) اس بات پر بڑا تعجب ہوا،

۱۔[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ: ۳۲۵۶۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب ترائی أہل الجنۃ أہل الغرف کما یری الکوکب فی السماء: ۲۸۳۱/۱۱]

۲۔[بخاری، کتاب الجہاد، باب درجات المجاہدین: ۲۷۹۰، ۷۴۲۳]

میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ان کلمات کو ذرا پھر سے دہرا دیجیے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کلمات کو دہرایا اور مزید اضافہ کرتے ہوئے فرمایا: "ایک اور عمل بھی ہے، جس کی وجہ سے بندے کو جنت میں سو درجے ملیں گے اور ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! وہ کونسا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" (۱)

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾﴾

اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ تو مذمت کیا جانے والا، بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ رہے گا۔

نبی اعظم وآخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب فرما کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے ہر فرد کو حکم دیا جا رہا ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کی سرخروئی اور رستگاری کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین ضروری ہے اگر کسی اور کو اس کی ذات کی طرح قدیم مان لیا جائے اور کسی دوسرے کے متعلق بھی یہ تسلیم کیا جائے کہ اس کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرح ذاتی اور قدیم ہیں تو وہ جان لے کہ اس نے اپنی بربادی کا سامان فراہم کر لیا کیونکہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے محروم ہو گیا اور اس سے زیادہ بدنصیب کون ہو گا جو اللہ رب العزت کی نگاہ رحمت سے محروم ہو گیا وہ کون ہے جو اس کی دستگیری کرے گا، اس لیے زیر نظر آیت میں وضاحت فرما دی کہ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی تسلیم کر لے تو

۱۔ [مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ما أعدہ اللہ تعالیٰ للمجاھد فی الجنۃ: ۱۸۸٤]

اس نے گویا وہ کام کیا جس کے کرنے کے بعد وہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ گیا اور ازیں بعد اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔

فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا : یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی وجہ سے تم ملامت زدہ و بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے، کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ تیری مدد نہیں کرے گا، بلکہ تجھے اس کے سپرد کر دے گا جس کی تو نے عبادت کی ہو گی اور وہ جھوٹا الٰہ تیرے کسی بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے، کیونکہ نفع و نقصان کا مالک تو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جسے کوئی شدید حاجت آ پڑے اور اس نے اسے لوگوں پر پیش کر دیا (یعنی ان کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا) تو اس کی وہ حاجت پوری نہیں ہو گی، لیکن جس نے (اس مشکل وقت میں) اپنی جھولی اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلا دی تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسے بے پروا کر دے گا، جلدی موت دے کر (کہ دنیا کے بکھیڑوں سے جان چھوٹ جائے گی) یا اسے جلد ہی غنی کر دے گا (اور اسے کسی کی محتاج نہیں رہے گی)۔“[1]

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾

۱۔[أبوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی الاستعفاف: ١٦٤٥۔ ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الھم فی الدنیا: ٢٣٢٦۔ مسند أحمد: ٤٠٧/١، ح: ٣٨٦٨]

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾

اورآپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگو! تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو، اور ان کے ساتھ نرمی اور ادب واحترام کے ساتھ بات کرو۔ (۲۳) اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں عرض کرنا کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔ (۲۴)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متصل ماں باپ کی اطاعت کا حکم دینے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا پھر اس کے بعد متصل ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے حکم میں حسب ذیل حکمتیں ہیں؛

ا۔ انسان کے وجود کا حقیقی سبب اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی ایجاد ہے اور اس کا ظاہری سبب اس کے ماں باپ ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سبب حقیقی کی تعظیم کا حکم دیا اور اس کے متصل بعد سبب ظاہری کی تعظیم کا حکم دیا۔

۲۔اللہ تعالیٰ قدیم موجد ہے اور ماں باپ حادث موجود ہیں اس لیے قدیم موجد کے متعلق حکم دیا کہ اس کی عبودیت کے ساتھ تعظیم کی جائے اور ماں باپ حادث موجد ہیں اس لیے ان کے متعلق حکم دیا کہ ان کی شفقت کے ساتھ تعظیم کی جائے۔

۳۔منعم کا شکر کرنا واجب ہے، منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے سو اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا، اور مخلوق میں سے اگر کوئی اس کے لیے منعم ہے تو وہ اس کے ماں باپ ہیں سو ان کا شکر کرنا بھی واجب ہے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جس نے لوگوں کا شکرادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکرادا نہیں کیا۔[۱]

ماں باپ کے حقوق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وقضی ربک الاتعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا۔(بنی اسرائیل:۲۳) اور آپ کا رب حکم دے چکا ہے کہ اتم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

ووصینا الانسان بوالدیہ،حملتہ ومہ وھنا ولی وھن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر۔ (لقمان:۱٤) اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ (نیک سلوک کی) وصیت کی، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے (ہم نے یہ وصیت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکرادا کرو، تم سب نے میری ہی طرف لوٹنا ہے۔

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۹۵۵،مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۸،المعجم الکبیر رقم الحدیث:۲۵۰۱،شرح السنہ ج ۷ ص ۲٦۱،مسند ابویعلی رقم الحدیث: ۲۱۲۲،المعجم الاوسط رقم الحدیث:۳٦۰٦،مشکوۃ رقم الحدیث:۳۰۲۵،کنزالعمال رقم الحدیث:٦٤٤۳)

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا، حملتہ ومہ کرھا ووضعتہ کرھا۔ (الاحقاف: ١٥) اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے دکھ جھیل کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دکھ برداشت کر کے اس کو جنا۔

واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ، وبالوالدین احسانا۔ (البقرہ: ٨٣) اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

یسئلونک ماذا ینفقون، قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمسکین وابن السبیل۔ (البقرہ: ٢١٥) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ تم جو بھی پاک مال خرچ کرو وہ والدین کے لیے اور رشتہ داتوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو)

ماں باپ کے حقوق کے متعلق احادیث مبارکہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا، میں نے پوچھا پھر کونسا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے پوچھا پھر کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا آپ نے مجھے یہ احکام بیان فرمائے اگر میں اور پوچھتا تو آپ اور بتادیتے۔ (١)

اس حدیث میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو جہاد پر مقدم کیا ہے۔

١۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ٥٢٧، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٨٥، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ١٧٣، سنن النسائی، رقم الحدیث: ٦١٠)

ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا یہ تقاضا ہے کہ نہ براہ راست ان کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تمام کبیرہ گناہوں میں سے بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے، یا لعنت کرے۔ کہا گیا یا رسول اللہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر کیسے لعنت کرے گا، فرمایا ایک شخص دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ دوسرا شخص اس کے ماں باپ کو گالے دے گا۔ (۱)

اغراض صحیحہ اور جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ جبکہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین بار فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے متعلق نہ بتاؤں۔ صحابہ نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اللہ کا شریک بنانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا اور جھوٹی بات کہنا، اس کا آپ نے تین بار تکرار فرمایا۔ (۲)

ماں باپ کی اطاعت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر اس کا باپ اس کو یہ حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس پر بیوی کو طلاق دینا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا، اور میرے والد اس کو ناپسند کرتے تھے، انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اس کو طلاق دے دو میں نے انکار

۱۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۹۷۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۴۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۹۰۲)

۲۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۶۵۴، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۸۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۹۰۱)

کردیا، پھر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ (۱)

ماں اور باپ دونوں کی اطاعت واجب ہے لیکن ماں کی اطاعت کا حق چار میں سے تین حصہ ہے اور باپ کی اطاعت کا حق ایک حصہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ! لوگوں میں میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے کہا پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہارا باپ۔ (۲)

اگر ماں باپ غیر مسلم ہوں پھر بھی ان کے ساتھ نیک سلوک واجب ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عہد میں مشرکہ تھیں، میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا یارسول اللہ! وہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحم کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم ان کے ساتھ صلہ رحم کرو۔ (۳)

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد پر مقدم ہے:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا: کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا پھر تم ان

۱۔(سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۵۱۳۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۰۸۸، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

۲۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۹۷۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵٤۸)

۳۔(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲٦۲۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱٦٦۸)

کی خدمت میں جہاد کرو۔[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "تیری ماں۔" اس نے پوچھا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا: "تیری ماں۔" اس نے پوچھا، پھر کون؟ آپ نے فرمایا: "تیری ماں۔" اس نے پوچھا، پھر کون؟ فرمایا: "تیرا باپ۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا، کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "وقت پر نماز پڑھنا اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا، پھر اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔"[3]

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، غیر کا حق روکنا اور جس چیز کا حق دار نہ ہو اس کا مانگنا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا حرام کر دیا ہے اور اس نے تمہارے لیے قیل وقال (یعنی فضول باتوں) کو، کثرت سوال کو اور مال کے ضیاع کو ناپسند فرمایا ہے۔"[4]

سیدنا ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین مرتبہ فرمایا: "کیا میں تم

۱۔(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۹۷۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۴۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۵۲۹، سنن الترمزی رقم الحدیث: ۱۶۷۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۱۰۳، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۳۲۸۴، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۵۸۵، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۵۴۴، عالم الکتب، مسنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲، ص ۴۷۳)

۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبۃ: ۵۹۷۱۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب بر الوالدین وأیھما أحق بہ: ۲۵۴۸]

۳۔[بخاری، کتاب التوحید، باب وسمی النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الصلوۃ عملاً: ۷۵۳۴]

۴۔[بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۵۹۷۵]

لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟“ ہم نے عرض کی، کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! (بتائیے!) آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔“ اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے، بعد ازاں آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ”خبردار ہو جاؤ، اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ خبردار! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔“ پھر آپ برابر یہی فرماتے رہے، یہاں تک کہ میں سمجھا کہ اب شاید آپ خاموش نہیں ہوں گے۔ [1]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”(وہ یہ ہیں) اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کو (ناحق) قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔“ مزید فرمایا: ”کیا میں تم کو کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟“ پھر فرمایا: ”جھوٹ بولنا“ یا یہ فرمایا: ”جھوٹی گواہی دینا۔“ [2]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔“ [3]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔“ لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! بھلا اپنے ماں باپ پر کون لعنت کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ”(مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص

۱۔[بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر:٥٩٧٦]
۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر:٥٩٧٧]
۳۔[بخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس:٦٦٧٥]

دوسرے کے باپ کو گالی دے گا تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا۔ وہ اس کی ماں کو گالی دے گا، تو وہ (دوسرا جواب میں) اس کی ماں کو گالی دے گا۔"[1]

سیدنا مالک بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آپ کے پاس آیا، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا میرے ماں باپ کے فوت ہوجانے کے بعد بھی مجھ پر ان کا کوئی حق باقی ہے کہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہوں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! ان کے لیے دعا کرنا، ان کے لیے استغفار کرنا، ان کے بعد ان کے عہد کو پورا کرنا، ایسے رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا کہ ان (ماں باپ) کے بغیر ان سے رشتے داری نہیں ہوسکتی تھی اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی، مجھے اس سے بہت محبت تھی، تاہم میرا والد اس سے نفرت کرتا تھا، چنانچہ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں، لیکن میں نے انکار کیا۔ انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا: "اے عمر کے بیٹے عبداللہ! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔"[3]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول! میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے اور میرا باپ چاہتا ہے کہ میرے مال سے اپنی ضرورت پوری کرے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ

---

[1] ۔[بخاری، کتاب الأدب، باب لایسب الرجل والدیہ: ۵۹۷۳]

[2]

[3] ۔[ترمذی، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الرجل یسئلہ أبوہ أن یطلق زوجتہ: ۱۱۸۹]

وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم اور تمہارا اموال تمہارے باپ ہی کا ہے۔“ (۱)

﴿ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝۲۵ ﴾

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا رب اس سے بخوبی واقف ہے۔ اگر تم نیک ہو گے تو وہ اپنی طرف لوٹ کر آنے والوں کو بڑا معاف کرنے والا ہے۔

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ نے اواب کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں:

۱۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اس کا معنی مسلمان ہے۔

۲۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اس کا معنی تواب ہے اور یہی مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے، ابن قتیبہ نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص بار بار توبہ کرے، زجاج نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص ان تمام کاموں کی جڑ کاٹ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

۳۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے راویت کیا اس کا معنی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی بہت تسبیح کرنے والا ہو۔

۴۔ علی ابن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والا ہو۔

۵۔ عبید بن عمیر نے کہا جو شخص تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے پھر اللہ تعالیٰ سے ان گناہوں کی مغفرت طلب کرے۔

۱۔ [ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ماللرجل من مال ولدہ: ۲۲۹۱]

٦۔حسن بصری نے کہا جو شخص اپنے دل اور اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔

٧۔قتادہ نے کہا اس کا معنی ہے نماز پڑھنے والا۔

٨۔ابن المنکدر نے کہا جو شخص مغرب اور عشا کے درمیان نفل پڑھے (حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات (نفل) پڑھے اور ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو اس کی وہ عبادت بارہ سال کے برابر قرار دی جائے گی۔ [١]

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے مغرب کی بعد بیس رکعات نماز پڑھی، اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا۔ مغرب کے بعد بارہ رکعات نماز کو صلوۃ اوابین کہا جاتا ہے)

٩۔عون عقیلی نے کہا اس کا معنی ہے جو شخص چاشت کی نماز پڑھے۔

١١۔السدی نے کہا جو شخص تنہائی میں گناہ کرے اور تنہائی میں توبہ کرے۔ [٢]

فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا : "أَوَّابٌ" کا لفظ أَوَّبَ سے مشتق ہے، أَوَّبَ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ جب کوئی شخص واپس آئے تو اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ أَوَّبَ فُلَانٌ۔ صحیح حدیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب جہاد یا حج یا عمرہ سے لوٹ کر آتے تو پہلے تین مرتبہ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کہتے، پھر یوں فرماتے: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

١۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: ٤٣٥، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ١١٦٧)

٢۔(زاد المسیر ج ٥ ص ٢٦، ٢٧، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

آئِبُونَ، تَآئِبُونَ، عَابِدُونَ، سَاجِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ) "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اسی کو تعریف سجتی ہے، وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہم لوٹ کر آ رہے ہیں، توبہ کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں، اپنے رب کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندے (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد کی اور کافروں کی فوجوں کو اکیلے ہی اس نے شکست دی۔" [۱]

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

اور رشتہ دار کو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو۔ (۲۶) بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (۲۷)

یہ آیت مبارکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا اللہ تعالیٰ نے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم فرمایا ہے اور اسی طرح محتاج کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے رہنا اور نیز مسافر کا بھی احترام کرتے رہنا اور مسافر کا حق تین دن تک ہے اور

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق: ٤١١٦]

اپنے مال کو حقوق اللہ کے علاوہ اور دوسری جگہ پر مت خرچ کرنا اگرچہ ایک کوڑی ہی کیوں نہ ہو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قطعاً مت خرچ کرنا۔

شانِ نزول: (آیت) ”۔وات ذاالقربی“۔ (الخ)

طبرانیؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی قرابت دار کو اس کا حق دیتے رہنا تو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت فاطمہؓ کو بلا کر ان کو (باغ) فدک دے دیا ابن کثیرؒ فرماتے ہیں یہ حدیث مشکل ہے (ظاہر کے خلاف ہے) کیونکہ حدیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ یہ آیت مکی ہے اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کی ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ: قبیلہ بنی یربوع کے ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، تو اپنی ماں پر، اپنے باپ پر، اپنی بہن پر اور اپنے بھائی پر خرچ کر، پھر ان پر جو تیرے درجہ بدرجہ قریبی ہیں۔“ [۱]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو اپنے رزق کی اور اپنی عمر کی ترقی چاہتا ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔“ [۲]

شانِ نزول: ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین

اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بغوی نے بروایت

۱۔ [مسند أحمد: ٤/ ٦٤، ٦٥، ح: ١٦٦١٨]

۲۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم: ٥٩٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتھا: ٢٥٥٧]

حضرت جابرؓ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتے کا سوال کرتی ہیں۔ اس وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کوئی کرتا اس کے سوا نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا آپ نے لڑکے کو کہا کہ پھر کسی وقت آؤ جبکہ ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں۔ لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدن مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرما دیں، یہ سن کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے۔ نماز کا وقت آیا حضرت بلالؓ نے اذان دی مگر آپ حسب عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کرتے کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مال اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اس کو ضائع کرنا، بے فائدہ خرچ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ اتنا برا عمل ہے کہ اس کے مرتکب کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے، گویا جس طرح شیطان ناشکرا ہے اسی طرح وہ انسان بھی ناشکرا ہے جو مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے۔

عثمان ابن اسودؒ نے کہا: میں مجاہدؒ کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، انہوں نے ابو قبیس پہاڑ کی طرف سر اٹھا کر کہا: اگر کوئی انسان اس پہاڑ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے وہ فضول خرچ نہیں ہے اور اگر وہ ایک درہم بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے تو وہ فضول خرچ ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا : جب اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی اسراف اور فضول خرچی سے

منع فرما دیا، بلکہ اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کرنے کا حکم دیا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا)[الفرقان:٦٧] ”اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔“

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، اپنا ہاتھ روک لینا اور دوسرے سے سوال کرنا حرام کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ فضول باتیں کرنے، کثرت سے سوال کرنے اور مال کے ضائع کرنے کو بھی ناپسند کرتا ہے۔“[1]

﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾﴾

اور اگر تم کو اپنے رب کے فضل کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے، ان سے اعراض کرنا پڑے تو تم ان سے نرمی کی بات کہو۔

شانِ نزول: (آیت) ”واما تعرضن عنھم“۔ (الخ)

سعید بن منصورؒ نے عطا خراسانیؒ سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ مزنیہ کے کچھ لوگ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ

۱۔[بخاری، کتاب الاستقراض وأداء الدیون، باب ما ینھی عن إضاعۃ المال:٢٤٠٨]

وآلہ وسلم) کی خدمت میں سواری حاصل کرنے کے لیے آئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تمہیں سوار کردوں تو وہ روتے ہوئے غم وافسوس کے ساتھ واپس ہوئے اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انکار سے یہ سمجھے کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اور اگر اپنے رب کی طرف جس رزق کے آنے کی امید ہے آپ کو اس کے انتظار میں ان سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دینا، اور ابن جریرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ان مساکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مانگا کرتے تھے۔

یعنی اگر کسی وقت تمہارے پاس کوئی حاجت مند رشتہ دار یا کوئی غریب مسافر اگر کچھ سوال کرے اور تم اسے اس وقت کچھ دینے کی پوزیشن میں نہ ہو بلکہ تمہیں رحمۃ ربی کا انتظار ہو تو سائل کو خوشگوار بات کہہ کر ٹال دو مثلاً یہ کہ تم بعد میں کسی وقت آنا اللہ تمہارا بھلا کرے یعنی اسے درشت لہجے میں جھڑکو نہیں کہ ہر وقت سر پر چڑھے رہتے ہو بس مانگنا ہی جانتے ہوں کیونکہ غریب کی بھی عزت نفس ہے اسے ٹھیس مت پہنچاؤ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واما السائل فلا تنھر۔ سائل کو مت جھڑکو۔ مگر اس سے واقعی حاجتمند سائل مراد ہے پیشہ ور بھکاری مراد نہیں ہے اس کو سرزنش کرنا جائز ہے تاکہ وہ اس فعل حرام سے باز آئے۔

﴿ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ
ٱلۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُومٗا مَّحۡسُورًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ ٱلرِّزۡقَ
لِمَن يَشَآءُ وَيَقۡدِرُۚ إِنَّهُۥ كَانَ بِعِبَادِهِۦ خَبِيرَۢا بَصِيرٗا ﴿٣٠﴾ ﴾

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ لو اور نہ اسے بالکل ہی کھول دو، (ایسا کرو گے) تو ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ (۲۹) بیشک آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بیشک وہی اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (۳۰)

شان نزول: (آیت) ”ولا تجعل یدک مغلولۃ“۔ (الخ)

سعید بن منصورؒ نے سیار ابی الحکمؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس کپڑے وغیرہ مال آیا اور آپ بہت ہی بخشش کرنے والے تھے چنانچہ آپ نے اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیا پھر دوسری قوم آپ کے پاس لینے کی امید سے آئی تو آپ کو دیکھا کہ آپ تقسیم کر چکے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نہ اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہیے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہیے ورنہ الزام خوردہ اور خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہو گے۔

اور ابن مردویہؒ وغیرہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک لڑکا رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے یہ مانگ رہی ہے، آپ نے فرمایا آج کے دن تو ہمارے پاس کچھ نہیں، وہ لڑکا کہنے لگا تو میری ماں کہتی ہے کہ پھر آپ اپنا کرتہ مبارک ہی مجھے دے دیں، چنانچہ آپ نے فوراً اپنا کرتہ اتار کر اس کو دیا دے اور گھر میں بغیر کرتہ کے بیٹھ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، نیز ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میرے پاس مال ہے سب راہ اللہ میں خرچ کر دو، حضرت عائشہؓ نے

فرمایا کہ اب کچھ باقی نہیں رہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اس حدیث کا ظاہر بتلا رہا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے۔

ارشاد فرمایا: (وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا) [الفرقان: ٦٧] ”اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: ”بخیل اور سخی کی مثال ان دو شخصوں جیسی ہے جو لوہے کے دو کرتے چھاتیوں سے ہنسلیوں تک پہنے ہوئے ہوں۔ خرچ کرنے والا جب خرچ کرتا ہے تو وہ کرتا پھیل جاتا ہے یا لمبا چوڑا ہو کر سارا بدن ڈھانپ لیتا ہے، حتیٰ کہ انگلیوں کو بھی چھپا دیتا ہے اور چلتے وقت اس شخص کے پاؤں کے نشان مٹاتا چلا جاتا ہے، لیکن بخیل جب خرچ کرنا چاہتا ہے تو ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ کر رہ جاتا ہے اور وہ اس کو کشادہ کرنا چاہتا ہے لیکن وہ کشادہ نہیں ہوتا۔“ [١]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ بندے صبح کریں مگر یہ کہ دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے یا اللہ! خرچ کرنے والے کو اور دے اور دوسرا کہتا ہے یا اللہ! بخیل کا مال تلف کر دے۔“ [٢]

سیدنا کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں اپنے معاف کیے جانے کے شکریہ میں اپنا سارا مال بطور صدقہ اللہ اور اللہ کے رسول کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

١۔ [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب مثل البخیل والمتصدق: ١٤٤٣۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب مثل المنفق والبخیل: ١٠٢١]

٢۔ [بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: (وأما من أعطى واتقى ۔۔ الخ): ١٤٤٢۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فی المنفق والممسک: ١٠١٠]

"کچھ مال اپنے لیے بھی رہنے دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔" میں نے عرض کی، (اچھا) خیبر میں جو میرا حصہ ہے وہ میں رہنے دیتا ہوں (باقی سب خیرات کر دیتا ہوں)۔"[۱]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور ایک وہ جو تم نے غلام کی آزادی میں خرچ کیا اور ایک دینار وہ ہے جو تم نے مسکین کو دیا اور ایک دینار وہ جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا تو اجر کے لحاظ سے افضل وہ دینار ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔"[۲]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد ایک غلام آزاد کرنے کی وصیت کی۔ اس کی خبر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: "تیرے پاس اس کے علاوہ اور مال بھی ہے؟" اس نے کہا، نہیں۔ آپ نے فرمایا: "مجھ سے اس غلام کو کون خریدتا ہے؟" نعیم نے آٹھ سو درہم کے عوض یہ خرید لیا اور درہم آپ کو ادا کر دیے۔ تب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، پھر اگر بچے تو اپنے گھر والوں پر، پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر، پھر بچے تو ادھر بھی خرچ کرو، ادھر بھی خرچ کرو۔" اور آپ نے اشارہ سے بتایا کہ آگے بھی، دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی۔[۳]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت،

۱۔[بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب: ٤٤١٨۔ مسلم، کتاب التوبۃ، باب حدیث توبۃ کعب: ٢٧٦٩]

۲۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال: ٩٩٥]

۳۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الابتداء فی النفقۃ بالنفس ثم أہلہ ثم القرابۃ: ٩٩٧]

سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ [۱]

سیدنا جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ایسا ہوا کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ چلا جا رہا تھا، دیگر لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ جنگ حنین سے لوٹ رہے تھے تو کچھ (بدو) لوگ آپ سے لپٹ گئے، وہ آپ سے مال طلب کر رہے تھے۔ انھوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اتنا تنگ کیا کہ آپ ببول کے درخت کی طرف جانے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کی چادر اس میں اٹک کر رہ گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا: "میری چادر تو مجھے دے دو، اگر میرے پاس ان (کانٹے دار درختوں کے) کانٹوں کے شمار کے برابر بیل، بکریاں اور اونٹ وغیرہ ہوتے تو میں وہ سب تم لوگوں میں بانٹ دیتا، تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ جھوٹا اور نہ بزدل۔" [۲]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا تو آپ نے "نہیں" کبھی نہیں کہا۔ [۳]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اسلام کے واسطے سے کسی چیز کا سوال ہوا ہو اور آپ نے وہ چیز نہ دی ہو۔ ایک شخص آپ کے پاس آیا، (اس وقت آپ کے پاس) دو پہاڑوں کے درمیان جتنی بکریاں تھیں (یعنی اتنی کہ وہ وادی ان سے بھر جائے)، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وہ سب اسے دے دیں۔ وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا، اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کر لو، کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنا کچھ دیتے ہیں کہ فقرو

۱۔[بخاری، کتاب الجہاد، باب الشجاعۃ فی الحرب: ۲۸۲۰]

۲۔[بخاری، کتاب الجہاد، باب الشجاعۃ فی الحرب والجبن: ۲۸۲۱]

۳۔[بخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق۔۔الخ: ۶۰۳٤۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخاہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۲۳۱۱]

فاقہ کا ڈر نہیں رہتا۔ (۱)

سیدنا ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر تشریف فرما تھے، آپ نے اسے پکارا اور اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ دوسرے جمعہ کو وہ پھر مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر تھے، آپ نے اسے پکارا اور اس کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ تیسرے جمعہ کو وہ پھر داخل ہوا آپ نے اسے دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا: ”صدقہ دو۔“ تو لوگوں نے صدقہ دیا۔ آپ نے اس صدقے کے مال میں سے دو کپڑے اس کو دے دیے۔ پھر آپ نے فرمایا: ”صدقہ دو۔“ تو اس شخص نے بھی اپنے کپڑوں میں سے ایک کپڑا پیش کر دیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے ڈانٹا اور اس کے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اس شخص کو دیکھو، یہ بری حالت میں مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے اس کو اس امید سے پکارا کہ تم اسے کچھ دو، اس کے لیے صدقہ کرو اور اسے پہننے کے لیے کپڑے دو، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ تو میں نے کہا صدقہ دو، تم نے صدقہ دیا اور میں نے اس صدقے کے مال میں سے اسے بھی دو کپڑے دے دیے، پھر میں نے تم سے کہا، صدقہ دو، تو اس نے اپنے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑا پیش کر دیا۔“ آپ نے اس سے فرمایا: ”اپنا کپڑا لے لو۔“ پھر آپ نے اسے ڈانٹا (کہ اس نے اپنی ضرورت کی چیز کیوں دے دی)۔ (۲)

سیدنا سہل بن سعد ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ایک ”بردہ“ لے کر آئی۔ سہل نے لوگوں سے پوچھا، تم جانتے ہو ”بردہ“ کسے کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا، تہ بند کو۔

۱۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخاہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۲۳۱۲]

۲۔ [مسند أحمد: ۲۵/۳، ح: ۱۱۲۰۳]

سہل نے کہا، ہاں، تہ بند جس میں حاشیہ بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ عورت کہنے لگی، اے اللہ کے رسول! یہ میں آپ کو پہنانے کے لیے لائی ہوں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس وقت تہ بند کی ضرورت تھی، آپ نے وہ تہ بند لے لیا اور باندھ لیا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے آپ کو یہ تہ بند باندھے ہوئے دیکھا تو کہا کیا عمدہ تہ بند ہے، مجھے عنایت فرما دیجیے۔ آپ نے فرمایا: "اچھا لے لو۔" جب آپ مجلس سے اٹھے (اور وہ اسے دے دیا) تو لوگوں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا، کیا تم نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کی ضرورت ہے، پھر تم نے کیوں آپ سے تہ بند مانگا؟ تم یہ بھی جانتے ہو کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ انھوں نے کہا، میں نے (یہ تہ بند باندھنے کے لیے نہیں بلکہ) برکت کے لیے مانگا ہے، کیونکہ آپ اس کو باندھ چکے تھے اور میری غرض یہ تھی کہ مجھے اس میں کفن دیا جائے۔ [۱]

اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے وسائل رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے وسائل رزق تنگ کر دیتا ہے، لہٰذا رزق کی کمی یا بیشی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے جس کی اصل حکمت تو صرف وہی بہتر جانتا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس کے پاس زیادہ رزق ہو اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور جس کے پاس کم رزق ہو اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو اس سے راضی ہوتا ہے جو اس کی اطاعت کرے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہے:

میرے بعض بندوں کی مصلحت میں صرف فقر ہے اگر میں ان کو غنی کر دیتا تو ان کا دین فاسد ہو جاتا اور

۱۔ [بخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق: ٦٠٣٦]

میرے بعض بندوں کی مصلحت صرف غنا میں تھی گر میں ان کو فقیر بنا دیتا تو ان کا دین فاسد ہو جاتا۔ [1]

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿31﴾﴾

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ: اگرچہ اولاد میں لڑکے لڑکیاں دونوں شامل ہیں، مگر عرب کی تاریخ میں اکثر لڑکیوں ہی کو قتل کرنے کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ)[التکویر:۸] "اور جب زندہ دفن کی گئی سے پوچھا جائے گا۔" "الْمَوْءٗدَةُ" مونث لانے سے ظاہر یہی ہے کہ زندہ درگور لڑکی ہی ہوتی تھی، لیکن اگر اسے "نفس موءودہ" کہا جائے تو پھر لڑکا لڑکی دونوں مراد ہو سکتے ہیں، کیونکہ "نفس" کا لفظ زبان عرب میں مونث ہے، سو معنی ہوگا: "اور جب زندہ درگور کی ہوئی جان سے سوال کیا جائے گا۔" اور اگرچہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ لڑکی کو غیرت کی وجہ سے قتل کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس نے مطلق اولاد لڑکے لڑکی دونوں کا ذکر فرمایا ہے اور قتل کا سبب موجودہ فقر یا آئندہ فقر کا خوف بیان فرمایا ہے، ہاں یہ درست ہے کہ اولاد کو قتل کا باعث فقر کے علاوہ بے جا غیرت بھی تھا۔

ارشاد فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ)[الانعام:۱۵۱] "

۱۔(تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ٤٣، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٩ھ)

اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔" اور فرمایا: (وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ)[ھود:٦] "اور زمین میں کوئی چلنے والا (جاندار) نہیں مگر اس کا رزق اللہ ہی پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا: "سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے۔" میں نے کہا، بیشک یہ تو بڑا گناہ ہے۔ میں نے پوچھا، پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا: "پھر یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔" میں نے پوچھا، پھر کونسا گناہ؟ آپ نے فرمایا: "پھر یہ کہ کوئی اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔"[1]

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ ٣٢

اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔

قتل اولاد سے منع کرنے کے بعد اس آیت کریمہ میں زنا سے منع کیا گیا ہے، جو نسب کے خلط ملط ہونے اور بالآخر نسل انسانی کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔ زنا وہ بدترین فعل ہے جو فطرت سلیم، عقل اور شریعت یعنی ہر اعتبار سے گناہ عظیم ہے اور معاشرے پر اس کے نہایت خطرناک اور برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ ان کا نسب اور ان کی نسل خطرے میں

۱۔[بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (فلا تجعلوا للہ أندادا): ۷۵۲۰۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الشرک أقبح الذنوب: ۸۶]

پڑ جاتی ہے اور پاک وصاف معاشرہ اخلاقی انارکی کا شکار ہو جاتا ہے، جو اس فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ارشاد فرمایا: (وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝68 يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا) [الفرقان: ٦٨، ٦٩] ”اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا۔“

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”انسان کی تقدیر میں زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جس کو وہ لامحالہ کرے گا، تو آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا جانا ہے اور دل خواہش اور تمنا کرتا ہے اور شرم گاہ ان باتوں کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔“ ①

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ ؓ نے کہا، اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو پاؤں تو میں تو اسے سیدھی تلوار سے قتل کر دوں گا۔ یہ خبر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ملی تو آپ نے فرمایا: ”کیا تم لوگوں کو سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے، اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والا ہے اور غیرت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے (تمام) ظاہر و باطن کاموں کو حرام کر دیا ہے۔“ ②

{8268 ⍰⍰۔ [مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا: ٢١/ ٢٦٥٧]

٢۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): لا شخص أغیر من اللہ: ٧٤١٦]

سیدنا ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے زنا کی اجازت چاہی۔ لوگ اس طرف متوجہ ہوئے، اسے ڈانٹا اور کہا کہ خاموش ہو جا، تاہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(میرے) قریب آ۔" وہ قریب آیا اور جب بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: "کیا تو اس کام کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتا ہے؟" اس نے کہا، نہیں۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! مجھے آپ پر اللہ فدا کرے (ہرگز نہیں)۔ آپ نے فرمایا: "تو لوگ بھی اس کام کو اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔" پھر آپ نے فرمایا: "اچھا تو اسے اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتا ہے؟" اس نے کہا، نہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے (ہرگز نہیں)۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگ بھی اس کام کو اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تو اس کام کو اپنی بہن کے لیے پسند کرتا ہے؟" اس نے کہا، نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگ بھی اس کام کو اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "کیا تو اس کام کو اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرتا ہے؟" اس نے کہا، نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگ بھی اس کام کو اپنی پھوپھیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "کیا تو اس کام کو اپنی خالہ کے لیے پسند کرتا ہے؟" اس نے کہا، نہیں، اللہ کی قسم! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے (ہرگز نہیں)۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگ بھی اس کام کو اپنی خالاؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور یہ دعا کی: "الٰہی! اس کے گناہ بخش، اس کے دل کو پاک کر اور اسے عصمت والا بنا۔"

پھر تو یہ حالت تھی کہ یہ نوجوان ایسے کسی کام کی طرف نہیں جھانکتا تھا۔ ①

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ ﴾

اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو، اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے سو وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے بلاشبہ اس کی مدد کی جائے گی۔

جزیرہ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی سب قبیلے اپنی اپنی جگہ آزاد تھے اور صرف اپنے قبیلہ کے رئیس کے احکام کی تعمیل ضروری سمجھتے تھے اس لیے جو قبیلہ قوت وطاقت میں کسی قبیلہ سے زیادہ ہوا کرتا تو وہ جو چاہتا کرتا ان حالات میں خون انسانی کی ارزانی کی حد ہو چکی تھی جب چاہا کسی قبیلہ پر حملہ کر دیا اور اس کے جتنے افراد پر بس چلا ان کو تہ تیغ کر دیا اگر کسی کمزور قبیلہ کے فرد کے ہاتھوں کسی طاقتور قبیلہ کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کے معاوضہ کی کوئی حد مقرر نہ تھی اور اگر کوئی طاقتور کسی کمزور کو قتل کر دیتا تو کوئی دادرسی کرنے والا نہ تھا۔ اسلام معاشرہ کی تعمیر جن عمدہ اور صالح بنیادوں پر کرنا چاہتا تھا اس میں اس قسم کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کی گنجائش ہرگز نہ تھی اس لیے اس حکم سے باہمی قتل و غارت گری کے

۱۔[مسند أحمد:۵/۲۵۶، ۲۵۷، ح:۲۲۲۷۴]

دروازے کو بند کر دیا گیا اگر کوئی شخص قتل کرتا تو قاتل کی طاقت اور اس کے قبیلے کی قوت اس کو قتل کی سزا سے بچا نہیں سکتی تھی بلکہ مقتول کے وارث کو اختیار تھا کہ چاہے وہ قصاص (خون کے بدلہ خون) لے چاہے دیۃ (خون بہا) لے کر صلح کر لے مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار دینے کے بعد انہیں اس سے بھی روک دیا کہ وہ قصاص لینے میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیں اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قاتل کو چھوڑ کر غیر قاتل کو قتل کر دینا یا ایک مقتول کے عوض کئی لوگوں کو تہ تیغ کرنا یا قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو بگاڑنا یا خون بہا لینے کے بعد پھر قاتل کو قتل کر دینا ان تمام امور سے منع فرمایا یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جہاں ابھی اسلامی اقتدار قائم نہیں ہوا تھا اس لیے یہاں صرف اسی پر اکتفا کیا گیا کہ مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تب یہ حکم فرمایا کہ مقتول کا قصاص لینا یا خون بہا لے کر وارثوں کو دینا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو مسلمان یہ گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں (یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تو اس کا قتل تین باتوں کے سوا حلال نہیں، یا تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا اس نے شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کیا ہو، یا وہ دین چھوڑ کر جماعت کو خیر باد کہہ گیا ہو۔" [١]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا تو فرمایا: "(وہ یہ ہیں) اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ناحق قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔" پھر آپ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے بڑا گناہ نہ بیان کروں؟" چنانچہ آپ نے فرمایا: "جھوٹ بولنا" یا آپ

١۔ [بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: (أن النفس بالنفس ۔۔ الخ): ٦٨٧٨۔ مسلم، کتاب القسامۃ، باب ما یباح بہ دم المسلم: ١٦٧٦]

نے فرمایا: "جھوٹی گواہی دینا۔" [1]

سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک مسلمان کے قتل کی نسبت ساری دنیا کا ختم ہوجانا اللہ تعالیٰ کے ہاں کم تر ہے۔" [2]

﴿ وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ ۖ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿۳۵﴾ ﴾

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہت اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ (یتیم) اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور وعدہ پورا کرو، بیشک وعدہ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (۳۴) اور جب کسی کو کوئی چیز ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بہت زیادہ اچھا ہے۔ (۳۵)

یتیم اس نابالغ بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہوجائے۔ وہ بے چارہ بڑا دکھی، کمزور اور ناسمجھ ہوتا

۱۔[بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر: ۵۹۷۷]

۲۔[ترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن: ۱۳۹۵۔ نسائی، کتاب تحریم الدم، باب تعظیم الدم: ۳۹۹۲]

ہے، لہٰذا اس کے مال میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے مال کو حفاظت سے رکھو یا اس کو ایسے کاروبار میں لگاؤ جس سے یتیم کے مال میں اضافہ ہو اور جب یتیم جوانی کو پہنچ جائے اور اسے اپنے نفع و نقصان کا ادراک ہو جائے تو دیانتداری کے ساتھ اس کا سارا مال اس کے حوالے کر دو، اور اپنے وعدہ کو پورا کرو، خواہ وعدہ یتیم سے ہو یا کسی اور سے کیونکہ قیامت کے دن وعدہ کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

ا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے درآں حالیکہ ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھر رہے ہیں۔ [۱]

۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں شب معراج کے واقعات میں بیان فرمایا: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے اونٹ اونٹوں کی طرح تھے اور ان پر ایک شخص مقرر تھا جو ان کے ہونٹوں کو پکڑتا اور ان کے منہ میں آگ کے بڑے بڑے پتھر ڈال دیتا، پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے اور وہ زور زور سے چلا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ [۲]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اے ابوذر! میں تو تجھے بہت کمزور دیکھ رہا ہوں اور تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، خبردار، کبھی دو

۱۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: سورہ نساء (٤) زیر آیت نمبر ۱۰: حدیث نمبر ٤٨٨١)

۲۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: حدیث نمبر ٤٨٨٤: سورہ نساء (٤) زیر آیت نمبر ۱۰)

شخصوں کا بھی حاکم نہ بننا اور نہ کبھی یتیم کے مال کا متولی بننا۔"[1]

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔"[2]

ناپ تول میں بد دیانتی نہ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس طرح تمہارا اعتماد اور کاروبار بڑھے گا اور آخرت میں بھی ثواب ہوگا اور اگر تم نے ناپ تول میں بد دیانتی کی تو لوگوں کا اعتماد ختم ہو جائے گا اور تمہارے کاروبار کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

۱۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔[3]

۲۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: سچا اور امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔[4]

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ ﴾

۱۔ [مسلم، کتاب الامارۃ، باب کراہۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ: ۱۸۲۶]

۲۔ [بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق: ۳۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق: ۵۹]

۳۔ (ترمذی: حدیث نمبر ۱۲۰۹: ابواب البیوع: باب ٤)

۴۔ (ابن ماجۃ: حدیث نمبر: ۲۱۳۹: ابواب التجارات: باب ۱)

اور (اے بندے!) اس چیز کا پیچھا نہ کرو جس کا آپ کو علم نہیں۔ بیشک کان، آنکھ اور دل، ان سب سے سوال کیا جائے گا۔

ان آیات میں مزید چند احکام بیان فرمائے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ بلا تحقیق ہر سنی سنائی بات کے پیچھے نہ ہولیا کرو یعنی بے تحقیق بات نہ زبان سے نکالو۔ نہ اس کی اندھا دھند پیروی کرو۔ انسان کو چاہیے کہ کان' آنکھ دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے ، سنی سنائی باتوں پر بے سوچ سمجھے یونہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عملدرآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا غلط تہمتیں لگانا بے تحقیق باتیں سن کر کسی کے درپے' آزار ہونا۔ یا بغض وعداوت قائم کر لینا۔ باپ دادا کی تقلید یا رسم ورواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کی دیکھی یا سنی بتلانا غیر معلوم کی نسبت دعوی کرنا کہ میں جانتا ہوں ۔ یہ سب صورتیں اس آیت کے حکم کے تحت داخل ہیں اور ممنوع ہیں۔ پھر بغرض تنبیہ کے بتلایا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام قوی کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا؟ بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟ ہر ہر شخص سے سوال اس کا ہوگا کہ کان سے سننے کا' آنکھ سے دیکھنے کا اور دل سے سوچنے سمجھنے اور یقین کرنے کا کام جائز اور صحیح موقعوں پر کتنا لیا اور ناجائز اور غلط موقعوں پر کتنا؟ اب غور کیجئے احساس ذمہ داری کی تعلیم ہر ہر فرد کو اس سے بہتر اور کہاں ملے گی۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ : سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو سنے، اسے (بغیر تحقیق کیے)

آ گے بیان کردے۔“ ①

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”(برے) گمان سے بچو، یقیناً (برا) گمان بدترین جھوٹی بات ہے۔“ ②

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”سب سے بدتر جھوٹ یہ ہے کہ آدمی (خواب میں) ایسی چیز کے دیکھنے کا دعویٰ کرے جو اس کی آنکھ نے نہ دیکھی ہو۔“ ③

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص کوئی ایسا خواب بیان کرے جو اس نے نہیں دیکھا تو قیامت کے دن اسے یہ تکلیف دی جائے گی کہ وہ جو کے دو دانوں کے درمیان گرہ لگائے اور یہ اس سے ہرگز نہیں ہو سکے گا۔“ ④

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا : سیدنا ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں کی باتیں سننے کے لیے کان لگائے اور وہ اس کا سننا پسند نہ کرتے ہوں، یا اس سے بھاگتے پھرتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔“ ⑤

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ سیدنا ابوبکر ؓ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس انصار کی دو

۱۔[مسلم، المقدمۃ، باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع:۵]

۲۔[بخاری، کتاب الأدب، باب (یأیھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ۔۔ الخ):۶۰۶۶۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظن والتجسس :۲۵۶۳]

۳۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ:۷۰۴۳]

۴۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ:۷۰۴۲]

۵۔[بخاری، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمہ:۷۰۴۲]

لڑکیاں دف بجا کر وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے دن کہے تھے۔ یہ لڑکیاں گانے والیاں نہیں تھیں۔ سیدنا ابوبکرؓ نے تعجب سے کہا، یہ شیطانی باجے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر میں؟ اور یہ عید کا دن تھا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابوبکرؓ سے فرمایا: ”اے ابوبکر! انھیں چھوڑ دو، ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔“ [۱]

سیدہ ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری شادی کے موقع پر میرے ہاں تشریف لائے اور میرے بچھونے پر اسی طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے پاس بیٹھے ہو۔ اس وقت ہماری کچھ لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور ہمارے کچھ بزرگوں کا ذکر کر کے گا رہی تھیں جو بدر کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکی یہ مصرع گانے لگی، ہم میں ایک نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو اور وہی گاتی رہو جو پہلے گا رہی تھیں۔“ [۲]

وَالْبَصَرَ: سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کوئی مرد دوسرے مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کو دیکھے۔“ [۳]

سیدنا جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اچانک (غیر محرم پر) نظر پڑ جانے سے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے نگاہ پھیر لینے کا حکم دیا۔ [۴]

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب کسی کو کوئی عورت اچھی

۱۔ [بخاری، کتاب العیدین، باب سنۃ العیدین لأہل الإسلام: ۹۵۲]

۲۔ [بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ: ۵۱٤۷]

۳۔ [مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر إلی العورات: ۳۳۸]

۴۔ [مسلم، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءۃ: ۲۱۵۹]

معلوم ہوا اور اس کے دل میں اس کا خیال آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آ جائے اور اس سے صحبت کرے، اس سے اس کے دل کا یہ خیال جاتا رہے گا۔"[۱]

وَالْفُؤَادَ: سیدنا نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بیشک (انسان کے) جسم میں (گوشت) کا ایک ایسا لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔"[۲]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے خیالات کو معاف کر دیا ہے، جب تک کہ وہ انھیں زبان سے نہ نکالے یا ان پر عمل نہ کرے۔"[۳]

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾﴾

اور زمین پر اکڑ کر مت چلو بیشک تم زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالو گے اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جاؤ گے۔ (۳۷) ان سب باتوں کی برائی تمہارے رب

۱۔ [مسلم، کتاب النکاح، باب ندب من رأى امرأة فوقعت فی نفسه: ۱۰/۱۴۰۳]

۲۔ [بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه: ۵۲۔ مسلم، کتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترک الشبهات: ۱۵۹۹]

۳۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب تجاوز اللہ عن حدیث النفس۔۔۔ الخ: ۱۲۷]

کے نزدیک (سخت) ناپسندیدہ ہے۔(۳۸)

متکبروں کی طرح اکڑ کر چلنا انسان کو زیب نہیں دیتا کیونکہ نہ تو اس کے پاؤں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ زمین کو پھاڑ سکے اور نہ اس کے سر کی اتنی بلندی ہے کہ وہ پہاڑوں کے برابر ہو سکے، لہٰذا اسے عاجزی و انکساری ہی اختیار کرنی چاہیے اور یہی اس کے لیے بہتر ہے۔

جب انسان میں دنیوی مال و دولت اور جاہ و حشم کی وجہ سے غرور و تکبر پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ ہر قسم کے ظلم و ستم اور عصیان و طغیان پر آمادہ ہو جاتا ہے اس لیے غرور و استکبار سے منع فرمایا کہ اپنی حقیقت دیکھو تم ایک عاجز اور بے بس انسان سے زیادہ کچھ نہیں ہو۔ نہ تم زمین کو پاؤں کی ٹھوکر سے پھاڑ سکتے ہو اور نہ گردن اونچی کر کے اور سینہ تان کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتے ہو اس لیے اس عجز و کم مائیگی کے باوجود اکڑ کر اور سینہ تان کر چلنے سے کیا فائدہ۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خود سنا ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند فرماتا ہے، پس وہ اپنی نظر میں تو چھوٹا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے، پس وہ اپنی نظر میں تو بڑا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بھی بدتر ہوتا ہے۔

سیدنا عیاض بن حمارؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تم عجز و انکسار کو اختیار کیا کرو اور تم میں سے کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔" [۱]

۱۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب الصفات الذی یعرف بھافی الدنیا أہل الجنۃ: ۲۸۶۵/۶۴]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص تکبر کی نیت سے تہ بند کو گھسیٹتا ہوا چلے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہیں کرے گا۔“ [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”(بنی اسرائیل میں سے) ایک شخص ایسا جوڑا پہن کر جو اسے بہت پسند تھا اور بالوں میں کنگھی کیے (اتراتا ہوا) چلا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (زمین میں) دھنسا دیا، اب وہ قیامت تک اسی طرح دھنستا چلا جائے گا۔“ [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تم اقامت کی آواز سنو تو نماز کے لیے چل پڑو اور سکون اور وقار کو اپنے اوپر لازم کرلو، دوڑو نہیں، پھر جتنی نماز ملے وہ پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرلو۔“ [3]

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ . . . : ” لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ “ سے لے کر ” وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا “ تک پچیس چیزیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے بعض کا حکم دیا گیا ہے اور بعض سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں ” سَيِّئٌ “ (بری) وہ ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور وہ چیزیں جن پر عمل کا حکم ہے انھیں بجا نہ لانا بھی ” سَيِّئٌ “ (برا) ہے۔ ان تمام چیزوں میں سے جو بری ہیں وہ ہمیشہ سے اللہ کے ہاں مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں۔ ہمیشگی کا مفہوم ” كَانَ “ ادا کر رہا ہے۔

مَكْرُوْهًا: مکروہ کا لفظ فقہاء کی اصطلاح میں حرام سے کم تر درجے کا ہے، یعنی جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں مکروہ کا لفظ اکثر حرام کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ

1۔ [بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء: ۵۷۸۸]

2۔ [بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء: ۵۷۸۹۔ مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم التبختر فی المشی۔۔۔ الخ: ۲۰۸۸]

3۔ [بخاری، کتاب الأذان، باب لا یسعی إلی الصلوۃ ولیأتہا بالسکینۃ والوقار: ۶۳۶]

ان آیات میں منع کردہ تمام چیزیں حرام ہیں، فقہی اصطلاح والی مکروہ نہیں ہیں۔ اس لیے صحیح بخاری اور ترمذی وغیرہ میں باب قائم کرتے وقت لفظ کراہیت لکھا جاتا ہے مگر مراد اس سے حرمت ہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات کتاب وسنت میں مکروہ کا لفظ فقہاء والے مکروہ کے معنی میں آتا ہے، مگر اکثر مقامات پر مکروہ کا لفظ حرام ہی کے معنی میں آتا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ﴾

(اے پیغمبر) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ کہ تم ملامت زدہ اور راندہ ہو کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ۔ (۳۹) مشرکو! کیا تمہارے رب نے تم کو تو لڑکے دیے اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنایا بیشک تم بڑی سخت بات کہتے ہو۔ (۴۰)

ذٰلک سے اشارہ ان آداب، قصص اور احکام کی طرف ہے جنہیں وہ سابقہ آیات متضمن ہیں جنہیں لے کر حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نازل ہوئے، یعنی یہ ان محکم افعال میں سے ہیں جن کا تقاضا اللہ

عزوجل کی حکمت اپنے بندوں کے بارے میں کرتی ہے، اور اس نے انہیں ان کے لیے محاسن اخلاق کیا ہے۔ یہ خطاب حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہے اور مراد ہر وہ انسان ہے جس نے اس آیت کو سنا۔ اور المدحور سے مراد ذلیل ورسوا کیا گیا اور (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے) بہت دور ہٹایا گیا ہے۔ اور یہ اس سورت میں گزر چکا ہے۔ اور دعا میں کہا جاتا ہے: اللھم ادحرعنا الشیطان (اے اللہ! شیطان کو ہم سے دور کر دے)۔

اس آیت میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ گزشتہ آیتوں میں جن اخلاق حمیدہ کا حکم دیا گیا ہے اور جن بری صفات سے منع کیا گیا ہے، حکمت کی یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بتائی ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا ہے۔ نصیحتوں کا آغاز اسی دعوت توحید سے ہوا تھا اور اب بات اسی پر ختم کی جا رہی ہے۔ یہ احساس دلانے کے لیے کہ تمام حکمتوں کی اصل اور بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرک کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا پھرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام مخلوق بھی اسے ملامت کرے گی اور وہ رحمت باری تعالیٰ سے ہمیشہ کے لیے دور کر دیا جائے گا۔

اس آیت کریمہ میں ان مشرکین عرب کی تردید ہے جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ وہ تو اللہ کے بندے ہیں جنھیں اللہ نے اپنی تسبیح وتحمید اور دیگر کارہائے عالم کے لیے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا اس نے تمہارے لیے سب سے اچھی اولاد یعنی لڑکا پسند کیا ہے اور اپنے لیے کم تر اولاد یعنی بیٹیاں پسند کی ہیں، جنھیں تم اپنے لیے گوارا نہیں کرتے، بلکہ زندہ درگور کر دیتے ہو؟ یہ کتنی عقل وحکمت کے خلاف بات ہے کہ آقا اپنے غلام کو تو سب سے اچھی چیز دے

اوراپنے لیے کم تر چیز پسند کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ بندوں کے منہ سے اپنے خالق و مالک کے بارے میں یہ بات بہت ہی بری ہے کہ ایک تو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور وہ بھی ایسی اولاد جنھیں وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝21 تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى)[النجم:۲۱، ۲۲] ”کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں؟ یہ تو اس وقت ناانصافی کی تقسیم ہے۔“ اور فرمایا: (اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝27 وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا)[النجم:۲۷، ۲۸] ”بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے ناموں کی طرح رکھتے ہیں۔ حالانکہ انھیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں، وہ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور بیشک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔“ اور فرمایا: (وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝57 وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ)[النحل:۵۷، ۵۸] ”اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ پاک ہے اور اپنے لیے وہ جو وہ چاہتے ہیں۔ اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ دن بھر کالا رہتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝41 قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝42 سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤٤﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور وہ ان میں نفرت کے سوا کچھ اضافہ نہیں کرتا۔(۴۱) (اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے اگر اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے جس طرح یہ کہتے ہیں اس وقت وہ عرش والے کی طرف ضرور کوئی راستہ تلاش کرتے۔(۴۲) اللہ تعالیٰ پاک اور بہت برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔(۴۳) ساتوں آسمان اور زمین اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بھی جو ان میں ہیں مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، بیشک وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے۔(۴۴)

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے قرآن مجید میں جو باتیں بیان کی ہیں (جن میں توحید کی دعوت ہے اور اس کے دلائل میں شرک کی مذمت اور آخرت کی یقین دہانی ہے اور افعال خیر کی ترغیب ہے اور برے اعمال کی وعیدیں ہیں) ان کو طرح طرح سے بیان فرمایا تا کہ مخاطبین غور کریں سوچیں اور

سمجھیں، پھر فرمایا (وَمَا يَزِيدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا) اور حال یہ ہے کہ اس قرآن کے بیان سے متاثر نہیں ہوتے وہ تو اور زیادہ متنفر ہوتے جاتے ہیں، یہی قرآن جو غور وفکر اور تدبر والوں کے لیے ذریعہ ہدایت بن گیا معاندین کے لیے بعد اور نفرت کا ذریعہ بن رہا ہے، جن لوگوں کو حق سے بیر ہے وہ قرآن حکیم کو سنتے ہیں لیکن اس کے بیان سے اثر نہیں لیتے حالانکہ مختلف وجوہ سے ان کو سمجھایا جاتا اور طرح طرح سے راہ حق کی دعوت دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے پر دلائل

اس آیت کی تین تقریریں ہیں۔ پہلی تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور متعدد خدا ہوتے تو وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے جیسے کہ دنیا کے حکمرانوں میں ہوتا ہے اور جو جس علاقے پر غلبہ حاصل کرتا وہاں اپنا نظام جاری کر دیتا، مثلاً روس جہاں جہاں غلبہ پاتا گیا وہاں اشتراکی نظام جاری کرتا رہا، امریکہ سرمایہ داری نظام جاری کرتا رہا، مسلمان جہاں غالب ہوئے انہوں نے وہاں اسلامی نظام جاری کیا، اس طرح دنیا میں مختلف نظام ہائے حیات جاری ہیں، سو اسی طرح دنیا بنانے والے اور دنیا چلانے والے بھی متعدد ہوتے تو اس کائنات کا فطری اور طبعی نظام ایک نہج اور ایک طرز پر نہ ہوتا، سورج کبھی ایک مخصوص جانب سے طلوع اور ایک مخصوص جانب میں غروب نہ ہوتا، بیر کے درخت میں ہمیشہ بیر نہ لگتا، کشش ثقل کی وجہ سے ہمیشہ چیزیں نیچے کی طرف نہ آتیں، انسان سے ہمیشہ انسان پیدا نہیں ہوتا، ان فطری چیزوں کے نظام بدلتے رہتے اور جب تمام چیزیں ایک طرز اور ایک نہج پر چل رہی ہوں تو معلوم ہوا کہ اس نظام کو بنانے والا اور اس نظام کو چلانے والا بھی واحد ہے متعدد نہیں ہیں۔

اور اس آیت کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی متعدد خدا ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے

ملک اور اس کی سلطنت کو مٹانے کے لیے اس تک پہنچ چکے ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف ہے وہ ان کی شرکت کو نہیں مانتا بلکہ وہ ان کے خدا ہونے کا انکار کرتا ہے ایسے میں ضروری تھا کہ وہ عرش پر ہلہ بول دیتے اور اس کے واحد ہونے کے دعوی کو باطل کر دیتے اور وہ یہ ثابت کر دیتے کہ وہ حقیقت میں اس کے شریک ہیں، لیکن جبکہ فی الواقع ایسا نہیں ہوا، اور اس کا کوئی مخالف اس کے عرش تک نہیں پہنچ سکا اور اس کے ملک اور اس کی سلطنت کا بال بیکا نہیں کر سکا تو پھر اب یہ تسلیم کرنے میں کیا کسر رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بت ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے جو عرش کا مالک ہے اور وہ سال ہا سال سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عابدت کر رہے ہیں تو اب تک ان کو عرش کے قریب پہنچ جانا چاہیے تھا اور جبکہ وہ عرش تک نہیں پہنچے تو ماننا پڑے گا کہ بتوں کی عبادت کر کے وہ اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے اور بتوں کی عبادت کرنا باطل ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ: یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، لیکن لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، کیونکہ ان کی زبان تمہاری زبان سے مختلف ہے۔ ارشاد فرمایا: (اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ) [النور: ٤١] "کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ، اس کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے، ہر ایک نے یقیناً اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان

لی ہے اور اللہ اسے خوب جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔“ اور فرمایا: (يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)[التغابن:۱] ”اللہ کا پاک ہونا بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں) کھانا کھاتے وقت کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (۱)

سیدنا جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔“ (۲)

سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جمعہ کے دن خطبہ کے لیے کھجور (کے ایک تنے) کے پاس (ٹیک لگا کر) کھڑے ہوئے، پھر ایک انصاری عورت یا کسی صحابی نے کہا، اے اللہ کے رسول! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک منبر تیار کر دیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اگر تم چاہتے ہو تو کر دو۔“ چنانچہ انھوں نے آپ کے لیے ایک منبر تیار کر دیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (خطبہ دینے کے لیے) اس منبر پر تشریف لے گئے، اس پر اس کھجور کے تنے سے بچے کے رونے کی طرح آواز آنے لگی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر سے نیچے اترے اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے اس طرح چپ کروایا جس طرح کسی بچے کو چپ کروایا جاتا ہے۔“ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”یہ

۱۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۳۵۷۹]

۲۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وتسلیم الحجر علیہ قبل النبوۃ: ۲۲۷۷]

تنا اس لیے رو رہا تھا کہ وہ اللہ کے اس ذکر کو سنا کرتا تھا جو اس کے قریب ہوتا تھا۔“ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گزر دو ایسی قبروں پر ہوا جنھیں عذاب ہو رہا تھا، تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انھیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ان میں سے ایک شخص کا جرم یہ تھا کہ وہ پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا اور دوسرے شخص کا جرم یہ ہے کہ وہ چغل خور تھا۔“ پھر آپ نے ایک ہری ٹہنی لی، اس کے دو حصے کیے اور انھیں دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں گی، شاید ان دونوں کے عذاب میں تخفیف رہے۔“ [۲]

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا : یعنی اپنی نافرمانی کرنے والے کو وہ فوراً سزا نہیں دیتا، بلکہ اسے مہلت اور ڈھیل دے دیتا ہے اور اگر وہ اپنے کفر و عناد پر بدستور قائم رہے تو وہ اسے اس طرح پکڑ لیتا ہے جس طرح قوی اور غالب پکڑ لیتا ہے۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا رہتا ہے، مگر جب ان کی گرفت فرماتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔“ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ) [هود: ۱۰۲] ”اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال

۱۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام: ۳۵۸۳]

۲۔ [بخاری، کتاب الجنائز، باب الجریدۃ علی القبر: ۱۳۶۱]

میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔"[1]

﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿٤٥﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر) جب آپ قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔(۴۵) اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں تا کہ وہ اسے سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں۔ اور جب آپ قرآن میں صرف اللہ وحدہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیچھے مڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔(۴۶)

شان نزول: (آیت) "۔واذا قرأت القران جعلنا بینک"۔(الخ)

ابن منذرؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب مشرکین قریش کے سامنے قرآن کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلاوت کرتے اور ان کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے تو

---

[1]۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القری۔۔الخ): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

وہ کہتے کہ یہ ہمیں مائل کرنا چاہتے ہیں جس کی طرف یہ ہمیں بلا رہے ہیں اس سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ان ہی کے اقوال روایت کردیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آیت) "واذا قرأت القران جعلنا بینک"۔ (الخ) یعنی جب آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے درمیان ایک پردہ حائل کردیتے ہیں۔

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کی آنکھوں پر پردہ ڈالنا

حجاب مستور کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ مستور بمعنی ساتر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا حجاب ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھ نہیں سکتے تھے، اور نہ دیکھنے کی وجہ سے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا نہیں پہنچا سکتے تھے۔

امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری ؒ المتوفی ۲۱۳ ھ لکھتے ہیں:

ابولہب کی بیوی ام جمیل کو جب معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں ہیں تو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئی اس وقت آپ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق ؓ تھے، ام جمیل کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا، جب وہ آپ کے اور حضرت ابوبکر کے پاس کھڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھنے سے اس کی بصارت کو سلب کرلیا اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہ دیکھ سکی تو وہ کہنے لگی۔ اے ابوبکر! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں قسم اللہ کی اگر

وہ مجھے مل جائیں تو میں پتھر ان کے منہ پر ماروں گی، سنو خدا کی قسم میں شاعرہ ہوں پھر اس نے یہ اشعار کہے:

مذمما عصینا وامرہ ابنیا ودینہ قلینا۔ مذمت کیے ہوئے شخص کا کہنا ہم نے نہیں مانا اس کے حکم کا ہم نے انکار کیا اور اسکے دین کو ہم نے اکھاڑ پھینکا۔

پھر وہ واپس چلی گئی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اس کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا اس نے مجھے نہیں دیکھا بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کی بصارت کو سلب کر لیا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام مذمم (مذمت کیا ہوا) رکھ دیا تھا پھر وہ آپ کو برا کہتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب وشتم اور ان کی لعنت کو مجھ سے کس طرح دور کر دیا ہے وہ مذمم کو سب وشتم اور لعنت کرتے ہیں اور میں محمد ہوں۔ [۱]

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت ان کافروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس وقت ایذا پہنچاتے تھے جب آپ قرآن کریم پڑھتے تھے اور وہ ابوسفیان، النضر بن الحارث، ابوجہل اور بولہب کی بیوی ام جمیل تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھنے سے ان کی بصارت کو اس وقت سلب کر لیا جب آپ قرآن پڑھتے تھے وہ آپ کے پاس آتے، آپ کے پاس سے گزرتے

۱۔(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۵۳۳، مسند حمیدی رقم الحدیث: ۱۱۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۸۱۱، سنن کبری للبیہقی ج ۸، ص ۲۵۲) (السیرۃ النبویہ مع الروض الانف ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

اور آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ①

آپ کے قرآن پڑھتے وقت کفار کے دلوں پر پردہ ڈالنا

اس آیت کی دوسری تفسیر وہ ہے جس کو امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے ذکر کیا وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب آپ ان مشرکین پر قرآن مجید پڑھیں جو بعثت کو نہیں مانتے اور نہ ثواب اور عذاب کا قرار کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال دیتے ہیں جو ان کے دلوں پر حجاب بن جاتا ہے کہ جو کچھ آپ پڑھتے ہیں وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور نہ اس سے نفع اٹھا سکیں یہ ہماری طرف سے ان کے کفر کی سزا ہے، اور حجاب مستور سے مراد ہے حجاب ساتر۔ قتادہؒ نے کہا حجاب مستور ان کے دلوں پر ایک ڈاٹ ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں نہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ ②

اور جب آپ کلمہ لا الہ الا اللہ“۔ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ لوگ اپنے بتوں کی طرف لوٹ جاتے اور ان کی عبادت کی طرف جھک جاتے اور آپ کے فرمان سے دور بھاگ جاتے ہیں۔

﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٤٧﴾ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا

۱۔(زاد المسیر، ج ۵ ص ۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔(جامع البیان جز ۱۵، ص ۱۱۷، ۱۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ﴿٤٨﴾

ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ لوگ اسے سنتے ہیں جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب یہ ظالم سرگوشیاں کرتے ہوئے (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک جادوزدہ آدمی کے پیچھے چلے جارہے ہو۔(۴۷) آپ دیکھئے وہ آپ کے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں، پس وہ گمراہ ہوگئے، اس لیے کہ وہ راستہ نہیں پاسکتے۔ (۴۸)

مشرکین اگر کبھی قرآن سنتے بھی ہیں تو آپس میں بیٹھ کر اس کا مذاق اڑانے کے لیے۔ان کا مقصد علم و معرفت کا حصول اور حق کو پانا نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کردیا گیا ہے، جس کی وجہ سے انھیں جنون لاحق ہوگیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کے جواب میں فرمایا کہ آپ ان ظالموں کو دیکھیے کہ وہ آپ کو شاعر، ساحر اور مجنون کہتے ہیں اور راہ حق سے بالکل برگشتہ ہوگئے ہیں اور حق تک پہنچنے کے لیے کوئی راستہ نہیں پا رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا: (قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِیۡ يَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿33﴾ وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰۤى اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا‌ ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِی الۡمُرۡسَلِيۡنَ)[الانعام: ۳۳، ۳٤] ”بیشک ہم جانتے ہیں کہ بیشک حقیقت یہ ہے کہ یقیناً تجھے وہ بات غم گین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، تو بیشک وہ تجھے نہیں جھٹلاتے اور لیکن وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار

کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ یقیناً تجھ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تو انھوں نے اس پر صبر کیا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ایذا دیے گئے، یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور کوئی اللہ کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور بلاشبہ یقیناً تیرے پاس ان رسولوں کی کچھ خبریں آئی ہیں۔"

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم لوگوں کو تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں اور لعنت کو کس طرح مجھ پر سے دور کر دیتا ہے؟ وہ تو کسی مذمم کو برا کہتے ہیں اور اس پر لعنت کرتے ہیں اور میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔" [۱]

نبی ﷺ پر جادو کیے جانے کے متعلق علماء متقدمین کا نظریہ

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسیؒ متوفی ٥٤٤ھ لکھتے ہیں:

امام رازیؒ نے کہا ہے بعض مبتدعین نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور یہ زعم کیا ہے کہ یہ ماننے سے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا آپ کے منصب نبوت میں کمی ہوتی اور آپ کی نبوت میں شک پیدا ہوتا ہے اور احکام شرعیہ پر اعتماد نہیں رہتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال ڈالا جائے کہ آنے والا جبرائیل ہے اور وہ حقیقت میں جبرائیل نہ ہو، یا آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جائے کہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے وواقع میں آپ کی طرح وحی نہ کی گئی ہو۔

اور یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے باطل ہے کیونکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کی طرف سے جو چیز پہنچاتے ہیں اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت ہے اور اس میں آپ کا معصوم ہونا دلائل سے ثابت ہے اور ان دلائل کے خلاف کسی چیز کو جائز قرار دینا باطل ہے۔ اور جن کاموں کا تعلق امور دنیا سے ہے جن

۱۔ [بخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی أسماء رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۵۳۳]

کاموں کی وجہ سے آپ کو مبعوث نہیں کیا گیا اور نہ ان کاموں کی وجہ سے آپ کی رسالت کی فضیلت ہے اور وہ ایسے امور ہیں جو اکثر انسانوں کو عارض ہوتے رہتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ کی طرف بعض ایسی چیزوں کا خیال ڈالا جائے جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہ ہو۔

بعض لوگوں نے کہا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی ازواج سے عمل ازدواج کیا ہے، حالانکہ آپ نے یہ عمل نہیں کیا ہوتا تھا، اور کبھی عام لوگوں کی طرف بھی نیند میں اس قسم کا خیال آجاتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تو ہوسکتا ہے کہ بیداری میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دل میں اس طرح کا کوئی خیال آجاتا ہو اور اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ آپ نے کوئی کام کیا ہو اور آپ نے وہ کام نہ کیا ہو لیکن آپ نے یہ اعتقاد نہ کیا ہو کہ آپ کا تخیل صحیح ہے، آپ کا اعتقاد اور یقین ہمیشہ درست رہتا ہے لہٰذا ملحدین کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (یہاں تک امام رازی کی عبارت ہے)

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں اس حدیث کی جو تاویل مجھ پر منکشف ہوئی وہ زیادہ ظاہر اور جلی ہے اور ملحدین کے اعتراض سے بہت دور ہے، اور وہ تاویل اسی حدیث سے مستفاد ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث عروہ اور مسیب سے بھی مروی ہے اور اس میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بنو زریق کے یہودیوں نے جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں ڈال دیا حتی کہ (اس کے اثر سے) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بینائی کمزور ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ نے اس کو کنویں سے نکال لیا۔ (۱)

۱۔(مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱٤، رقم الحدیث: ۱۹۷٦٤، الطبقات الکبری ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ ۱٤۱۸ھ)

ایک اور حدیث میں ہے:

عطا خراسانی یحییٰ بن یعمرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک سال تک ان کے پاس نہیں جا سکے، پھر جس وقت آپ سوئے ہوئے تھے آپ کے پاس دو فرشتے آئے، ایک آپ کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور دوسرا پیروں کی جانب، پھر ایک نے دوسرے سے کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جادو کیا گیا ہے، دوسرے نے کہا ہاں ان پر ابو فلاں نے کنویں میں جادو کیا، پھر جب صبح کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اٹھے تو آپ نے اس کو نکالنے کا حکم دیا سو اس کو کنویں سے نکال لیا گیا۔ [۱]

اور محمد بن سعدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیمار ہو گئے اور ازواج کے پاس جانے اور کھانے پینے پر قادر نہ ہوئے پھر آپ کے دو فرشتے آئے اور اسی طرح مکالمہ کیا جس طرح صحیح بکاری میں ہے اور اس کے آخر میں ہے:

پھر جب وہ فرشتے چلے گئے تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت علی اور حضرت عمارؓ کو بلا کر فرمایا تم اس کنویں پر جاؤ اس کا پانی مہندی کے رنگ کا ہوگا تم اس میں سے پتھر کے نیچے سے کھوکھلا شگوفہ نکالنا انہوں سے اس میں سے وہ شگوفہ نکالا اس میں گیارہ گرہیں تھیں، اور اس وقت یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ایک آیت پڑھتے گئے اور ایک ایک گرہ کھلتی گئی حتی کہ ساری گرہیں کھل گئیں اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صحت مند ہو گئے اور اپنی ازواج اور کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ [۲]

۱۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۱۴، رقم الحدیث: ۱۹۷۶۵، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲)

۲۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۸، ۱۹۹، مطبوعہ دار صادر الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۲، ۱۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۹ھ)

پس ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ جادو کا اثر آپ کے جسم اور آپ کے ظاہری اعضا پر ہوا تھا، آپ کی عقل سلیم، آپ کے قلب اور آپ کے اعتقاد پر نہیں ہوا تھا اور حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ حتیٰ کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ اپنی اہلیہ کے پاس جائیں گے اور آپ ان کے پاس نہیں جاتے تھے اور یہ بھی ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا تھا ان کا معنی یہ ہے کہ پہلے جو آپ کو ان پر قدرت تھی آپ اسی پر خوش تھے، اور جب آپ ان کے قریب جاتے تو جادو کے اثر سے آپ ان پر قادر نہ ہوتے، اور حضرت عائشہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ آپ کی طرف یہ خیال ڈالا جاتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے، حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو کے اثر سے آپ کی نظر میں فرق پڑ گیا تھا، آپ یہ گمان فرماتے کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو کہیں دیکھا ہے یا کسی اور کو دیکھا ہے یا کسی اور کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ایسا نہیں ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جادو سے آپ کی بصر متاثر ہوگئی تھی، اس سے ظاہر ہوا کہ آپ پر جادو کا کوئی ایسا اثر نہیں ہوا تھا جس سے آپ پر اپنی رسالت میں کوئی اشتباہ ہو گیا ہو اور نہ ایسی کوئی بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے گمراہوں کے لیے آپ کی رسالت میں کسی اعتراض یا طعن کی گنجائش ہو۔ [۱]

علامہ ابو العباس احمد بن عمر مالکی القرطبیؒ المتوفی ٦٥٦ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض کج رووں نے اس حدیث کو نبوت میں طعن کا ذریعہ بنالیا ہے، انہوں نے کہا جس شخص کا یہ حال ہو کہ اس نے ایک کام نہ کیا ہو اور اس کا گمان یہ ہو کہ اس نے وہ کام کرلیا ہے اس کے دعوے نبوت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ان کی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے صادر ہوا ہے، کم

۱۔(اکمال العلم بفوائد مسلم ج ۷ ص ۸۸۔۸٦، مطبوعہ دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)

فہمی یہ ہے کہ حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ جماع کرنے سے پہلے آپ کا خیال یہ ہوتا تھا کہ آپ یہ کام کرلیں گے لیکن جادو کے اثر سے آپ اس عمل پر قادر نہ ہوتے تھے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں (مثلا مصنف عبدالرزاق، طبقات ابن سعد) اس کی تصریح ہے۔ اسی طرح آپ کا خیال ہوتا تھا کہ آپ کھا پی سکیں گے لیکن جادو کی وجہ سے جو مرض عارض ہوا تھا اس کی وجہ سے آپ کھانے پینے پر قادر نہیں ہتے تھے، اور ان احادیث کا معنی یہ نہیں ہے کہ جادو کی وجہ سے آپ کی عقل میں کوئی خلل ہو گیا تھا یا آپ کا کلام خلط ملط ہو گیا تھا، کیونکہ آپ کا صدق معجزہ ثابت ہے اور امور تبلیغیہ میں غلطی واقع ہونے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معصوم رکھا ہے، اور معترض کی کم عقلی یہ ہے کہ اس کو نبوات کے احکام اور معجزہ کی دلالت کا علم نہیں ہے، گویا کہ وہ نہیں جانتے کہ انبیاء (علیہم السلام) بھی بشر ہیں اور ان پر بیماری، درد، غضب، رنج اور غم، عجز، نظر لگنا، جادو کیا جانا، اور دیگر تمام عوارض بشریہ کا اس طرح طاری ہونا ممکن ہے جس طرح یہ عوارض دوسرے لوگوں پر طاری ہوتے ہیں لیکن انبیاء (علیہم السلام) اس چیز سے معصوم ہیں کہ ان پر کوئی ایسی چیز طاری ہو جو معجزہ کی دلالت کے مناقض اور منافی ہیں، مثلا اللہ تعالیٰ کی معرفت، ان کا صادق ہونا اور امور تبلیغیہ میں کسی غلطی کا واقع نہ ہونا اور اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ (الکھف: ۱۱۰) آپ کہیے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

بشر کی حیثیت سے آپ پر وہ تمام امور جائز ہیں جو دیگر انسانوں پر جائز ہیں، اور نبوت کے خواص کی حیثیت سے آپ عام انسانوں سے ان تمام چیزوں میں ممتاز ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی کہ

آپ کی بصر نے نہ کجی کی اور نہ حد سے بڑھی، اور آپ نے جو مشاہدہ کیا اس میں جھوٹ نہیں کہا اور آپ کا قول اللہ کی وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے اور آپ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ (۱)

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ امام رازیؒ کی وہ عبارت نقل کردی ہیں جو قاضی عیاض نے نقل کی ہیں اور اس کے بعد قاضی عیاض نے اس حدیث کی جو تاویل کی ہے اس کا بھی ذکر کردیا ہے۔

علامہ محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکیؒ متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

علامہ خطابیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ کو خیال ہوتا کہ آپ ازواج کے پاس جائیں گے لیکن آپ اس پر قادر نہ ہوتے اور ایک اور روایت میں فرمایا آپ کا خیال ہوتا کہ آپ نے ایک کام کیا ہے، لیکن آپ نے وہ کام نہ کیا ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی بینائی میں خلل ہو گیا تھا اور آپ کو یہ گمان ہوتا کہ آپ نے اپنی ازواج میں سے کسی کو یا کسی اور شخص کو دیکھا ہے اور واقعہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ کی بصر میں کچھ قصور ہو گیا تھا، یہ وجہ نہیں تھی کہ آپ کی بصر کے علاوہ کسی اور عضو میں کچھ کمی ہوگئی تھی، کیونکہ جادو کے اثر سے آپ کی رسالت میں کوئی خلل نہیں ہو سکتا تھا اور اس میں گمراہوں کے لیے نبوت میں طعن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (۲)

ان تمام توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا، جیسا کہ دوسرے انسانوں پر ہوتا ہے اور جادو کی تاثیر سے آپ کی مرومی قوت جاتی رہی تھی یا آپ کی نظر میں فتور ہو گیا تھا (العیاذ باللہ) غرض جادو کی تاثیر سے آپ کے ظاہری اعضاء کی کارکردگی میں فرق آ گیا تھا لیکن آپ کی عقل میں اور آپ کے

۱۔(المعجم ج ۵ ص ۰ ۵۷۱،۵۷، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

۲۔(اکمال اکمال المعلم ج ۷، ص ۳۶۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

کلام کے صدق میں کوئی خلل واقع نہیں ہو اور معجزہ کی دلالت اور نبوت اور رسالت کا تعلق آپ کی عقل اور آپ کے کلام کے صدق سے ہے، لہٰذا ان احادیث سے آپ کی وحی اور رسالت پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

﴿وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا
جَدِيدًا ۝٤٩ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً اَوْ حَدِيدًا ۝٥٠ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي
صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُّعِيدُنَا ۗ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتٰى
هُوَ ۗ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُونَ قَرِيبًا ۝٥١ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ
فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّونَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا ۝٥٢﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو ہم از سر نو اٹھائے جائیں گے۔(۴۹) آپ فرما دیجئے: تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔(۵۰) یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے دلوں میں بڑی ہو۔تو عنقریب وہ کہیں گے کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ کہہ دے وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، تمہارے سامنے سروں کو

ہلا کر کہیں گے کہ وہ کب ہوگا کہہ دو شاید وہ وقت بھی قریب آ گیا ہو۔(۵۱) جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم دنیا میں بہت ہی کم مدت رہے۔(۵۲)

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر دلائل

قرآن مجید کے چار اہم موضوع ہیں: اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت، قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنا اور تقدیر۔آیت ۴۱، ۴۲ میں توحید کا بیان ہے۔فرمایا: آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے۔الآیات۔اور آیت ۴۷۔۴۵ میں رسالت کا بیان ہے۔فرمایا: اور جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں، الآیات۔اور آیت ۵۲۔۴۹ تک مرنے کے بعد اٹھنے کا بیان ہے۔

اس آیت میں رفاتا کا لفظ ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چور چور کر دیا جائے بھوسے کو بھی رفات کہتے ہیں۔

مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا انکار کرتے تھے، اور ان کا شبہ یہ تھا کہ انسان کی موت کے کچھ عرصہ بعد اس کا جسم گل سڑ جاتا ہے اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں، پھر ایک مردہ کے ذرات دوسرے مردہ کے ذرات کے ساتھ مخلوط ہو جاتے ہیں، پھر مرورِ زمانہ انقلابات سے یہ ذرات فضا میں بکھر جاتے ہیں تو قیامت کے دن یہ ذرات کیسے مجتمع ہوں

گے اور ایک دوسرے سے کیسے متمیز اور ممتاز ہونگے، پھر ان منتشر ذرات سے دوبارہ کس طرح جسم بنایا جائے گا اور اس کو زندہ کیا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان منتشر اور مختلط ذرات کو متمیز کرنا اس کے لیے مشکل ہے جس کا علم ناقص ہو اور ان کو مجتمع کر کے دوبارہ ایک زندہ جسم میں ڈھال دینا اس کے لیے مشکل ہے جس کی قدرت ناقص ہو، لیکن جس کا علم غیر متناہی اور جس کی قدرت بے اندازہ ہے اس کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں وہ تم کو اسی طرح دوبارہ زندہ کرے گا جس طرح پہلی بار تم کو عدم سے وجود میں لایا تھا۔

پھر فرمایا تم تو مٹی کے اجسام ہو بالفرض اگر تم پتھر یا لوہے یا کسی اور ایسے جسم سے بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو، جس کا بظاہر حیات قبول کرنا بعید ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی حیات پیدا کر دے گا۔

پھر فرمایا عنقریب وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا، آپ کہیے کہ وہی جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اس پر وہ آپ کی طرف (انکارا) سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا۔

اس آیت میں سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کے برحق ہونے اور قرآن مجید کی صداقت پر دلیل ہے، کیونکہ جن باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین یہ کہیں گے اور آپ اس کا یہ جواب دیں پھر وہ یہ کہیں گے اور آپ اس کا یہ جواب دیں، چاہیے تھا کہ مشرکین وہ باتیں نہ کہتے اور پھر کہتے کہ قرآن جھوٹا ہو گیا قرآن نے پیشگوئی کی تھی کہ ہم یہ کہیں گے اور ہم نے نہیں کہا لیکن وہی ہوا جو قرآن مجید نے کہا تھا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہوگئی، یہ سچے نبی کی شان ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی اور مخالفین نے آپ کی پیش گوئی کے متعلق

باتیں کر کے آپ کو سچا ثابت کر دیا۔ والحمدللہ

اس کے بعد فرمایا جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ کفار اور مشرکین قبروں سے سبحانک وبحمدک کہتے ہوئے اٹھیں گے، قتادہ نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت کے ساتھ اٹھیں گے۔

پھر فرمایا اور تم یہ گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے، اس کی تفسیر میں تین قول ہیں:

ا۔ ابو صالحؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے راویت کیا اس سے دو مرتبہ صور پھونکنے کا زمانہ مراد ہے، جو چالیس سال ہے اس عرصہ میں ان سے عذاب منقطع رہے گا اس لیے وہ سمجھیں گے کہ وہ بہت کم عرصہ رہے۔

۲۔ حسن نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دنیا میں بہت کم عرصہ رہے، کیونکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

۳۔ مقاتلؒ نے کہا اس سے مراد ہے قبر کا زمانہ کیونکہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں قبر میں گزارا ہوا زمانہ بہت کم ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے کیونکہ جب ان کو منادی بلائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آئیں گے اور قبر میں گزارے ہوئے زمانہ کو کم کہیں گے کیونکہ وہ قبروں میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں رہے، اور نعمت کے ایام کم معلوم ہوتے ہیں۔۔۔[1]

ا۔(زاد المسیر ج ۵ ص ٤٦، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ: یعنی اس دن اللہ تعالیٰ تمہیں پکارے گا اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے اور قبروں سے نکل کر میدان محشر میں آ کر جمع ہو جاؤ گے، ارشاد فرمایا: (وَاسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ۴۱ یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَةَ بِالۡحَقِّ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ)[ق:۴۱، ۴۲] ”اور کان لگا کر سن جس دن پکارنے والا ایک قریب جگہ سے پکارے گا۔ جس دن وہ چیخ کو حق کے ساتھ سنیں گے، یہ نکلنے کا دن ہے۔“ اور فرمایا: (فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ یَوۡمَ یَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیۡءٍ نُّکُرٍ ○ خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ کَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ)[القمر:۶ تا ۸] ”سو ان سے منہ پھیر لے۔ جس دن پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔ ان کی نظریں جھکی ہوں گی، وہ قبروں سے نکلیں گے جیسے وہ پھیلی ہوئی ٹڈیاں ہوں۔ پکارنے والے کی طرف گردن اٹھا کر دوڑنے والے ہونگے، کافر کہیں گے یہ بڑا مشکل دن ہے۔“ اور فرمایا: (وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ)[الروم:۲۵] ”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین سے ایک ہی دفعہ پکارے گا تو اچانک تم نکل آؤ گے۔“

وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا: یعنی تم خیال کرو گے کہ دنیا میں بہت ہی کم رہے، ارشاد فرمایا: (کَاَنَّهُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَهَا لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوۡ ضُحٰهَا)[النازعات:۴۶] ”گویا وہ جس دن اسے دیکھیں گے وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، مگر دن کا ایک پچھلا حصہ، یا اس کا پہلا حصہ۔“ اور فرمایا: (یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ وَنَحۡشُرُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ یَوۡمَئِذٍ زُرۡقًا ۱۰۲ یَّتَخَافَتُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا عَشۡرًا ۱۰۳ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ اِذۡ یَقُوۡلُ اَمۡثَلُهُمۡ طَرِیۡقَةً اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا

یَوۡمًا)[طٰہٰ:۱۰۲تا ۱۰۴] ”جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس دن اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ نیلی آنکھوں والے ہونگے۔ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے تم دس دن کے سوا نہیں ٹھہرے۔ ہم زیادہ جاننے والے ہیں جو کچھ وہ کہہ رہے ہونگے، جب ان کا سب سے اچھے طریقے والا کہہ رہا ہوگا کہ تم ایک دن کے سوا نہیں ٹھہرے۔“ اور فرمایا: (قَالُوۡا لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّیۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا لَّوۡ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ)[المؤمنون: ۱۱۳،۱۱۴] ”وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، سو شمار کرنے والوں سے پوچھ لے۔ فرمائے گا تم نہیں رہے مگر تھوڑا ہی، کاش کہ واقعی تم جانتے ہوتے۔“

﴿ وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یَرۡحَمۡکُمۡ اَوۡ اِنۡ یَّشَاۡ یُعَذِّبۡکُمۡ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ وَکِیۡلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّکَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میرے بندوں سے فرمادیں وہ اچھی

بات کیا کریں بیشک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ بلاشبہ شیطان ہمیشہ سے انسان کا کھلا دشمن ہے۔(۵۳) تمہارا رب تم کو خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے، اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔(۵۴) اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بیشکہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی (۵۵)۔

مسلمانوں ایک دوسرے کا احترام کرو

اللہ تعالیٰ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرماتا ہے کہ آپ مومن بندوں سے فرما دیں کہ وہ اچھے الفاظ، بہتر فقروں اور تہذیب سے کلام کرتے رہیں، ورنہ شیطان ان کے آپس میں سر پھٹول اور برائی ڈلوا دے گا، لڑائی جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ وہ انسان کا دشمن ہے گھات میں لگا رہتا ہے، اسی لیے حدیث میں مسلمان بھائی کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کرنا بھی حرام ہے کہ کہیں شیطان اسے لگا نہ دے اور یہ جہنمی نہ بن جائے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کے ایک مجمع میں فرمایا کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں کوئی کسی پر ظلم وستم نہ کرے کوئی کسی کو بے عزت نہ کرے پھر آپ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقوی یہاں ہے جو دو شخص آپس میں دینی دوست ہوں پھر ان میں جدائی ہو جائے اسے ان میں سے جو بیان کرے وہ بیان کرنے والا برا ہے وہ بدتر ہے وہ نہایت شریر

ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلم بھائی کی طرف چھری کے ساتھ اشارہ کرے، اس لیے کہ بعض اوقات شیطان اس سے غلطی کروا کر چھری سے زخمی کروا دیتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چلوا دے اور وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔“ (۱)

اس آیت میں مشرکین قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق حقائق سے خوب واقف ہے، اگر چاہے گا تو تم پر رحم فرمائے گا اور تم حلقہ بگوش اسلام ہو کر اس کی جنت کے حق دار بن جاؤ گے۔ اگر چاہے گا تو تمھیں دولت ایمان سے محروم کر دے گا تو تمہاری موت شرک پر ہوگی اور تم قیامت کے دن عذاب کے مستحق ہو گے۔ آیت کے آخر میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا کہ ہم نے آپ کو کافروں کی ہدایت کا ذمہ دار بنا کر مبعوث نہیں کیا کہ آپ انھیں ہر صورت ایمان لانے پر مجبور کریں، آپ تو ہمارے رسول ہیں، پیغام پہنچا دینے کے بعد آپ کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ : ارشاد فرمایا: (إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝74 وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝75 جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ) [طٰہٰ: ۷۴ تا ۷۶] ”بیشک حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے رب

۱۔ [بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): من حمل علینا۔۔ الخ: ۷۰۷۲۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب النھی عن الإشارۃ۔۔ الخ: ۲۶۱۷]

کے پاس مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اسی کے لیے جہنم ہے، نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن بن کر آئے گا کہ اس نے اچھے اعمال کیے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے سب سے بلند درجے ہیں۔ ہمیشگی کے باغات، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا۔" وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا : یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نے آپ کو بشیر ونذیر یعنی خوش خبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، جس نے آپ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی تو جہنم رسید ہوگا۔ ارشاد فرمایا: (فَذَكِّرۡ اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ۝21 لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ) [الغاشیۃ: ۲۱، ۲۲] "پس تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ تو ہرگز ان پر کوئی مسلط کیا ہوا نہیں ہے۔"

بعض نبیوں کی بعض نبیوں پر فضیلت

اس کے بعد فرمایا: اور آپ کا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (بنی اسرائیل: ۵۵) یعنی ہمارا علم صرف تم میں اور تمہارے احوال میں منحصر نہیں ہے، بلکہ ہمارا علم تمام موجودات اور معدومات اور تمام زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے اور وہ ہر ہر شخص کو تفصیلا جانتا ہے اور اچائیوں اور برائیوں میں سے کیا چیز اس کے لائق ہے اور کیا نہیں، اسی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تورات دی، حضرت داؤدؑ کو زبور اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل عنایت کی اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قرآن عطا فرمایا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔

حضرت داؤدؑ کے خصوصیت کے ساتھ ذکر کی توجیہ

اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد (علیہ السلام) کا ذکر کیا ہے اس کی تین وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ زبور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم النبیین ہیں اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے: ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔ (الانبیاء: ۱۰۵) ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے (نیک بدنوں سے مراد سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ اہل کتاب خصوصا یہودیوں کو بہت مانتے تھے اور اس آیت میں یہود کا رد ہے کیونکہ یہود کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور تورات کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی حالانکہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت داؤد آئے اور تورات کے بعد زبور آئی، لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت اور نزول قرآن کا انکار نہ کریں، تیسری وجہ یہ ہے کہ کفار نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ دنیاوی امور کھانے پینے اور بال بچوں میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نبی کیسے ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا داؤد بھی تو نبی تھے حالانکہ وہ بادشاہ تھے اور بادشاہ سے زیادہ دنیاوی امور میں کون مشغول ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی امور میں مشغول ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے۔ نوٹ: زبور میں حلال اور حرام اور فرائض اور حدود کا ذکر نہیں ہے، اس میں صرف دعائیں ہیں اور اللہ کی تمجید اور اس کی بزرگی اور بڑائی کا ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد

پر (زبور کا) پڑھنا آسان کر دیا تھا وہ اپنی سواری پر زین ڈالنے کا حکم دیتے اور زین رکھے جانے سے پہلے اس (زبور) کو پڑھ لیتے اور صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ ①

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے چھ باتوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے: 1 یہ کہ مجھے وہ کلام ملا جس میں لفظ تھوڑے اور معنی بہت زیادہ ہیں (یعنی قرآن اور حدیث)۔ 2 (دشمن پر) رعب کے ذریعے سے میری مدد کی گئی ہے۔ 3 میرے لیے غنیمت کے اموال حلال کیے گئے ہیں۔ 4 میرے لیے ساری زمین پاک کرنے والی اور مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنائی گئی ہے۔ 5 میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ 6 اور میرے اوپر نبوت ختم کی گئی ہے۔" ②

وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا : سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سیدنا داوٗد (علیہ السلام) کے لیے قرآن (یعنی زبور) کی قراءت بہت آسان کر دی گئی تھی، چنانچہ وہ اپنی سواری پر زین کسنے کا حکم دیتے اور زین کسے جانے سے پہلے ہی پورا قرآن (یعنی زبور) پڑھ لیتے تھے۔" ③

﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝۵۶ ﴾

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۱۷، مسند احمد رقم الحدیث: ۸۱۴۵، عالم الکتب)

۲۔ [مسلم، کتاب الصلوۃ، باب المساجد و مواضع الصلاۃ: ۵۲۳]

۳۔ [بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: (واتینا داوٗد زبورًا): ۳۴۱۷]

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ تم اگر ان کو پکارو گے جنہیں تم اللہ کے سوا (اپنا معبود) سمجھتے ہو، وہ نہ تم سے کسی مصیبت کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ وہ اس کو بدل سکتے ہیں۔

شان نزول: (آیت) "قل ادعوا الذین زعمتم"۔ (الخ)

امام بخاریؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے وہ جن مشرف با اسلام ہو گئے مگر یہ بدبخت پجاری ان ہی کی عبادت کرتے رہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی آپ فرما دیجیے کہ جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہے ہو، ذرا ان کو پکارو تو سہی، وہ نہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا مشرک فرشتوں کی عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی اور عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہ، ابن جریر، بن منذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ (آیت) "فلا یملکون کشف الضر عنکم" سے عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ (علیہ السلام) اور عزیر (علیہ السلام) مراد ہیں۔

سعید بن منصور، ابن جریر اور ابن منذر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہا (آیت) "اولئک الذین یدعون" سے عیسیٰ (علیہ السلام)، عزیر (علیہ السلام) اور سورج و چاند مراد ہیں۔

ترمذی اور ابن مردویہ نے اور الفاظ ابن مردویہ کے ہیں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو صحابہؓ نے پوچھا وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی یہ (آیت) "یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب" پڑھی۔

اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کی تردید کی گئی ہے جو فرشتوں کے مجسموں کی پوجا کرتے تھے اور ان اہل کتاب کی بھی تردید کی گئی ہے جو عزیر، عیسیٰ اور مریمؑ کے معبود ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا کہ آپ ان تمام مشرکین اور اہل کتاب سے کہہ دیجیے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں کہ تم پر جب کوئی مصیبت آئے تو ذرا اپنے ان معبودوں کو پکار کر دیکھو تو سہی، کیا وہ تمہاری تکلیف دور کر دیتے ہیں، یا دوسروں کی طرف اسے پھیر دیتے ہیں؟ جواب معلوم ہے کہ وہ اس کی قطعی طور پر قدرت نہیں رکھتے، کیونکہ نفع ونقصان پر قادر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ بِخَيۡرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ)[الانعام:۱۷] "اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔" اور فرمایا: (قُلۡ اَرَءَيۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰٮكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ اَوۡ اَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ اَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ‌ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝40 بَلۡ اِيَّاهُ تَدۡعُوۡنَ فَيَكۡشِفُ مَا تَدۡعُوۡنَ اِلَيۡهِ اِنۡ شَآءَ وَتَنۡسَوۡنَ مَا تُشۡرِكُوۡنَ)[الانعام:۴۰، ۴۱] "کہہ دے کیا تم نے دیکھا اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے، یا تم پر قیامت آجائے تو کیا اللہ کے سوا غیر کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو۔ بلکہ تم اسی کو پکارو گے، تو وہ دور کر دے گا جس کی طرف تم اسے پکارو گے، اگر اس نے چاہا اور تم بھول جاؤ گے، جو شریک بناتے

ہو۔" اور فرمایا: (وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ) [یونس: ۱۰۷] "اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کر لے تو کوئی اس کے فضل کو ہٹانے والا نہیں، وہ اسے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔" اور فرمایا: (اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ) [النمل: ٦٢] "یا وہ جو لاچار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کے جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بہت کم تم نصیحت قبول کرتے ہو۔"

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ ﴾

وہ لوگ جن کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے ہاں قربت کا وسیلہ تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ متوفی ۵۹۷ ھ نے لکھا ہے جن لوگوں کی وہ عبادت کرتے ہیں اس کے مصداق میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ جن ہیں جو بعد میں اسلام لے آئے تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ملائکہ ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ ہیں، یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے، اور اس آیت میں یدعون، یعبدون کے معنی میں ہے، یعنی وہ ان کو معبود سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ (۱)

جن کی وہ عبادت کرتے تھے ان کے جن ہونے کے متعلق یہ دلیل ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے بعض افراد جنات کے بعض افراد کی عبادت کرتے تھے، پھر وہ جن مسلمان ہو گئے، اور وہ انسان بدستور ان جنات کی عبادت کرتے رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲)

اور جن لوگوں نے کہا وہ فرشتے تھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ عرب کے بعض قبائل سے کچھ لوگ ملائکہ کی ایک قسم کی عبادت کرتے تھے جن کو جنات کہا جاتا تھا اور وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ (۳)

اور جن لوگوں نے کہا وہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کی عبادت کرتے تھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباسؓ نے کہا جن کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے وہ حضرت عیسیٰ، ان کی والدہ اور حضرت

۱۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۵۷، ۵۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۷۱۴، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۰۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۱۲۸۸)

۳۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۹۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عزیر ہیں۔ (۱)

جو جنات مسلمان ہو چکے تھے، اسی طرح فرشتے اور تمام انبیاء (علیہم السلام) اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے محتاج ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، ہر چند کہ ملائکہ اور انبیاء (علیہم السلام) معصوم ہیں وہ کسی قسم کو کوئی گناہ نہیں کرتے اور نہ ان کو دنیا اور آخرت میں کسی قسم کے عذاب کا خطرہ ہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی جلال ذات سے خوف زدہ رہتے ہیں اور ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کے جتنے زیادہ قریب ہے وہ اتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بکثرت جنت کے حصول کی اور دوزخ کے عذاب سے پناہ کی دعائیں فرماتے تھے:

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دعا کثرت سے کرتے تھے: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور آخرت میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (۲)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی: اے

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۶۸۹۵، حضرت ابن عباس کی دوسری روایت میں شمس اور قمر کا بھی ذکر ہے، رقم الحدیث: ۱۶۸۹۷)

۲۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۳۸۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۹۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۵۱۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۹۳۹، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۲۰۰۴، عالم الکتب بیروت)

اللہ ہم تجھ سے رحمت کے موجبات اور پکی مغفرت کو طلب کرتے ہیں اور ہر گناہ سے سلامتی اور نیکی کی سہولت طلب کرتے ہیں اور جنت کی کامیابی اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات طلب کرتے ہیں، یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے کچھ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر وہ جنات مسلمان ہو گئے، تو انسانوں کو (ان کے مسلمان ہونے کی) کوئی خبر نہیں ہوئی، لہٰذا وہ (برابر) ان جنوں کی عبادت کرتے رہے۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی: (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا) "وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں، وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جو ان میں سے زیادہ قریب ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک تیرے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ ڈرا جاتا ہے۔" (۲)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ: نیک اعمال کو وسیلہ بنانے کے سلسلے میں درج ذیل حدیث قابل مطالعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم سے پہلے لوگوں میں سے تین آدمی (راستہ میں) چلے جا رہے تھے کہ اچانک بارش ہونے لگی۔ وہ لوگ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ اتفاق سے (ایک بڑا پتھر گرا اور) غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب تینوں آپس میں کہنے لگے، اللہ

۱۔ (حافظ ذہبی نے اس کو بلا جرح نقل کیا ہے) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۹۶۸، الجامع الصغیر رقم الحدیث: ۱۴۸۷)

۲۔ [مسلم، کتاب التفسیر، باب فی قولہ تعالیٰ: (أولئک الذین یدعون ۔۔ الخ): ۳۰۳۰۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب (قل ادعوا الذین زعمتم من دونہ): ۴۷۱۴]

کی قسم! اب تو (اس مصیبت سے) تمہیں صرف سچائی ہی نجات دلائے گی۔ لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنے کسی ایسے نیک عمل کے وسیلہ سے جو اس نے خالص اللہ کے لیے کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا، اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک فرق (تین صاع) چاولوں پر ایک مزدور رکھا تھا۔ اس نے میرا کام تو کیا، مگر پھر (کسی بات پر غصہ میں آکر) وہ اپنے چاول چھوڑ کر چلا گیا۔ اب میں نے اس کے حصہ کے چاول بو دیے اور ان سے اتنا فائدہ ہوا کہ میں نے اس کی آمدنی سے گائے بیل خریدے، پھر (جب ایک مدت کے بعد) وہ اپنی مزدوری مانگنے آیا تو میں نے کہا کہ جا وہ سب گائے بیل لے جا۔ اس نے کہا، میرے تو تیرے پاس (صرف) ایک فرق چاول تھے۔ میں نے کہا وہ سب گائے بیل لے جا، وہ تیرے چاولوں ہی سے خریدے گئے ہیں۔ آخر وہ ان سب کو لے گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ (خالص) تیرے ڈر سے کیا تو ہماری مصیبت کو دور کر دے۔ چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا۔ پھر دوسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے بوڑھے اور ضعیف والدین تھے۔ میں ہر رات کو (ان کے پلانے کے لیے) اپنی بکری کا دودھ لایا کرتا تھا۔ ایک رات مجھے دیر ہو گئی۔ میں جب (دودھ لے کر) آیا تو وہ سو گئے تھے اور میرے بیوی بچے سب بھوک سے بے چین تھے۔ میری عادت تھی کہ پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا اور اس کے بعد بیوی بچوں کو۔ مجھے ان کو جگانا بھی اچھا معلوم نہیں ہوا اور یہ بھی میں نے پسند نہ کیا کہ ان کو چھوڑ کر چلا جاؤں اور وہ (رات بھر) دودھ کا انتظار کرتے رہیں۔ چنانچہ میں ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے (اپنے ماں باپ کی) یہ (خدمت محض) تیرے ڈر سے کی تھی، سو تو اب ہماری مصیبت کو دور کر دے۔ اس پر وہ پتھر تھوڑا سا اور ہٹ گیا اور ان کو آسمان

دکھائی دینے لگا۔ پھر تیسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میری ایک چچازاد بہن تھی جس کو میں سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ میں نے اس سے صحبت کرنا چاہی تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا، ایسا اس حالت میں ہو سکتا ہے کہ تو مجھے سو اشرفیاں لا کر دے۔ سو میں سو اشرفیوں کی طلب میں نکلا، یہاں تک کہ وہ مجھے مل گئیں۔ چنانچہ میں نے سو اشرفیاں لا کر اس کے حوالے کر دیں اور اس نے اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیا۔ جب میں اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگی، اللہ سے ڈر اور مہر کو ناحق طریقہ سے نہ توڑ۔ یہ سنتے ہی میں کھڑا ہو گیا اور میں نے وہ سو اشرفیاں بھی چھوڑ دیں۔ اے اللہ! تو جانتا ہے، اگر میں نے (خالص) تیرے ڈر سے ایسا کیا تھا تو اے اللہ! تو ہماری مصیبت دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا اور وہ تینوں باہر نکل آئے۔"[۱]

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا: یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب واقعی ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کے وقوع پذیر ہونے سے خوف کھایا جائے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ بیشک آسمان چر چرا رہا ہے اور اسے چر چرانا ہی چاہیے، کیونکہ اس میں کہیں بھی ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں جہاں کسی فرشتے کا سر سجدہ میں نہ ہو۔ واللہ! اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو کم ہنسو اور زیادہ روؤ، بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز ہونا چھوڑ دو اور اللہ کی پناہ طلب کرنے جنگلوں اور صحراؤں کی طرف نکل جاؤ۔"[۲]

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار: ۳٤٦٥]

۲۔[ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الحزن والبکاء: ٤١٩٠۔ ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلاً: ۲۳۱۲]

۞ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم روز قیامت سے پہلے ہلاک نہ کردیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں یہ بات کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے۔

قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر سے ہے جس سے فرار کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، یا تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے لوگوں کی روحوں کو قبض کرکے ان کو ہلاک کردے یا اس بستی پر عذاب نازل فرمائے گا جس سے وہ بستی نیست و نابود ہوجائے گی۔ (مومنین کو موت سے ہلاک کرے گا اور سرکش کافروں کو عذاب سے)

عبدالرحمن بن عبداللہ نے کہا جب کسی بستی میں علی الاعلان زنا ہوگا اور سود کھایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس بستی کو ہلاک کرنے کی اجازت دے دے گا۔ [1]

دوسرے مفسرین نے اس کی تفسیر اور طرح سے کی ہے، ان میں صاحب روح المعانی بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں "وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ" (جو بھی بستی ہے) سے مراد ظاہر ہے کہ عام ہے، کیونکہ "اِنْ" نافیہ ہے اور "مِنْ" تمام بستیوں کو شامل کرنے کے لیے ہے، خواہ مومنوں کی ہوں یا کفار کی اور مطلب یہ ہے کہ

۱۔(جامع البیان ج۱۵ص ۱۳۳،۱۳۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بستیوں میں سے جو بھی بستی ہے ہم قیامت سے پہلے اسے یا تو اس کے رہنے والوں کی طبعی موت کے ساتھ ویران کر دینے والے ہیں، یا اسے قتل اور مختلف مصائب کے ساتھ سخت عذاب دینے والے ہیں، نیکوں کے لیے ہلاکت اور بروں کے لیے عذاب۔

پہلی تفسیر زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد کفار اور ظالموں کی بستیاں ہیں، کیونکہ بہت سی آیات اس کی تائید کرتی ہیں، جیسا کہ فرمایا: (وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ) [القصص: ۵۹] "اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر اس صورت میں کہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔" اور فرمایا: (ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ) [الأنعام: ۱۳۱] "یہ اس لیے کہ بیشک تیرا رب کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں، جبکہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔" اور فرمایا: (وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ) [هود: ۱۱۷] "اور تیرا رب ایسا نہ تھا کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے، اس حال میں کہ اس کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔" آیت سے مقصود کفار اور ظالموں کو ان کے انجام بد سے ڈرانا ہے کہ خواہ تم کتنے ہی امن سے رہتے ہو مگر ایک نہ ایک دن تم پر ہماری گرفت ضرور آنے والی ہے۔ آیت میں ان نشانیوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو قیامت سے پہلے رونما ہونے والی ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ
وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ
بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ
الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا
كَبِيْرًا ۝۶۰

اورہم کونشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگراس بات نے کہ ان سے پہلے لوگوں نے ان کوجھٹلایا تھا (چنانچہ دیکھ لوکہ) قوم ثمود کوہم نے علانیہ اونٹنی لاکردی اورانہوں نے اس پرظلم کیا۔ہم نشانیاں اسی لیے تو بھیجتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ کرڈریں۔(۵۹)

اور(وہ وقت یادکرو) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے (اپنے احاطہ علم سے) لوگوں کوگھیر رکھاہے،اوررؤیا جوہم نے تمہیں دکھائی تھی اسے ہم نے لوگوں (کے ایمان) کی آزمائش (کاذریعہ) ٹھہرادیااوراس درخت کوبھی جس پرقرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ اورہم کفارمکہ کوڈراتے ہیں لیکن یہ چیزان کی سرکشی کوبہت زیادہ بڑھادیتی ہے۔(۶۰)

زیرتفسیرآیت کاشان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کارد فرمایااورجوظلم کرتے تھےاورکفراورشرک پراصرار

کرتے تھے ان کو عذاب کی وعید سنائی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا ذکر شروع فرمایا اور مشرکین مکہ کو سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر جو شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا۔

سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ مشرکین نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے انبیاء تھے ان میں سے بعض کے لیے ہوا مسخر کردی گئی اور ان میں سے بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے اگر آپ اس بات سے خوش ہوں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی تصدیق کریں تو آپ اپنے رب سے دعا کیجیے کہ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی میں نے ان کا مطالبہ سن لیا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کردیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں تو پھر ان پر عذاب نازل کیا جائے گا، اور اگر آپ اپنی قوم کو مہلت دینا چاہتے ہیں تو میں ان کو مہلت دے دوں، آپ نے عرض کیا اے میرے رب ان کو مہلت دے دے۔ [۱]

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیں، اور اس جگہ سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تا کہ وہ اس جگہ کھیتی باڑی کرسکیں تو آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں تو ہم ان کو مہلت دے دیں اور اگر آپ ان کی فرمائش پوری کرنا چاہتے ہوں تو ہم ان کی فرمائش پوری کردیں لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر ان کو ہلاک کردیا جائے گا، جیسا کہ پچھلی قوموں کے کفار کو ہلاک کردیا گیا تھا۔ آپ نے کہا بلکہ ان کو مہلت دے دے، تب یہ آیت نازل ہوئی وما منعنا ان نرسل بالایت الا ان کذب بھا

۱۔(جامع البیان، رقم الحدیث: ۱۶۹۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

الاولون۔ (۱)

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ : سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم (واقعی) ایمان لے آؤ گے؟" انھوں نے کہا، ہاں! تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ دعا کردی، جبرائیل (علیہ السلام) آئے اور کہا: "(اے اللہ کے رسول!) آپ کا رب آپ پر سلامتی بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں اس کوہ صفا کو ان کے لیے سونے کا بنا دیتا ہوں، لیکن اس کے بعد ان میں سے جس نے بھی ایمان لانے سے انکار کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ میں نے ایسا عذاب کسی اور کو نہیں دیا ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے رکھتا ہوں۔" تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بلکہ (میں چاہتا ہوں کہ ان کے لیے) توبہ اور رحمت کے دروازے کھلے رہیں۔" (۲)

وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا : ارشاد فرمایا: (وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰيَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِيۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ قَرِيۡبٌ ۝٦٤ فَعَقَرُوۡهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِيۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَيۡرُ مَكۡذُوۡبٍ) [هود: ٦٤، ٦٥] "اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تمھارے لیے عظیم نشانی، پس اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں

۱۔ (جامع البیان، رقم الحدیث: ۱۶۹۰۴، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۳۳۳، دار الفکر بیروت و عالم الکتب بیروت)

۲۔ [مسند أحمد: ۱/۲٤۲، ح: ۲۱۷۰۔ دلائل النبوة للبیہقی: ۲/۲۷۲، ۲۷۳۔ مستدرک حاکم: ۲/۳۱٤، ح: ۳۲۲۵، ۱/۵۳، ح: ۱۷٤۔ اتحاف المہرة لابن حجر: ۷/٦٤۹، ح: ۸٦۷۹]

کھاتی پھرے اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ، ورنہ تمھیں ایک قریب عذاب پکڑ لے گا۔ تو انھوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، تو اس نے کہا اپنے گھروں میں تین دن خوب فائدہ اٹھالو، یہ وعدہ ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں بولا گیا۔"

وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّا تَخۡوِیۡفًا: سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انھیں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے بندوں کو (اپنے آپ سے) ڈراتا ہے، جب تم گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اس کی کبریائی وبڑائی بیان کرو، نماز (کسوف) پڑھو اور صدقہ دو حتیٰ کہ گرہن ختم ہو جائے۔"[1]

امام فخر الدین محمد بن عمر رازیؒ متوفی ٦٠٦ھ لکھتے ہیں:

رویا کے معنی میں اختلاف ہے اکثریت نے یہ کہا ہے کہ لغت کے اعتبار سے رویت اور رویا میں کوئی فرق نہیں ہے کہا جاتا ہے رایت بعینی رویۃً ورویا، میں نے اپنی دونوں آنکوں سے دیکھا، دیکھنا اور کم لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ معراج کا پورا قصہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خواب میں دیکھا تھا اور یہ قول ضعیف اور باطل ہے، اور اس مشاہدہ کے آزمائش ہونے کا معنی یہ ہے کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معراج کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو مشرکین نے بڑی شدومد سے انکار کیا اور جو مسلمان تھے وہ اپنے ایمان پر قائم رہے بلکہ ان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا، اگر یہ واقعہ صرف خواب کا ہوتا تو پھر کسی کو اس کے انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ واقعہ لوگوں کی

١۔[بخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقۃ فی الکسوف:١٠٤٤۔ مسلم، کتاب الکسوف، باب صلاۃ الکسوف:٩٠١]

آزمائش کس طرح ہوتا۔ ①

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے یہ رویا آنکھ سے تھا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آنکھ سے دکھایا تھا یہ خواب کا واقعہ نہیں ہے۔ ②

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے شب معراج کی صبح کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر کا یہ کہنا ہے کہ وہ گزشتہ شب بیت المقدس سے ہو کر آئے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا اگر انہوں نے یہ کہا ہے تو سچ کہا ہے ان سے کہا گیا کہ آپ ان سے سننے سے پہلے تصدیق کر رہے ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا تمہاری عقلیں کہاں ہیں، میں تو آسمان کی خبروں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں تو بیت المقدس کی خبر میں ان کی تصدیق کیوں نہیں کروں گا آسمان تو بیت المقدس سے بہت دور ہے۔ ③

شجرۃ الزقوم کا معنی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے، یعنی وہ درخت بھی آزمائش ہے، کیونکہ ابو جہل نے مسلمانوں سے کہا تمہارے پیغمبر کہتے ہیں دوزخ ایسی آگ ہے جو پتھروں کو بھی جلا دیتی ہے:

وقودھا الناس والحجارۃ۔ (التحریم:٦) دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اور پھر وہ کہتے ہیں کہ دوزخ میں ایک درخت ہے اور آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے تو دوزخ میں درخت

١۔ (تفسیر کبیر ج ٧ ص ٣١١، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ١٤١٥ھ)

٢۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ١٦١٧٧، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ، سنن الترمذی رقم الحدیث: ٣١٣٤)

٣۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ١٠ ص ٢٥٥، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤١٥ھ)

کیسے پیدا ہوگا جب ان کو تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان جعلنٰھا فتنۃ للظالمین۔(الصافات:٦٣) بیشک ہم نے زقوم کو ظالموں کے لیے آزمائش بنا دیا ہے۔

قرآن مجید میں زقوم کے لیے فرمایا ہے بیشک وہ درخت جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے۔(الصافات:٦٤) جس کے خوشے شیطانوں کے سروں کی طرح ہوتے ہیں، دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹوں کو بھریں گے۔(الصافات:٦٥،٦٦)

زقوم کا معنی ہے تھوہر کا درخت، یہ لفظ تزقم سے بنا ہے اس کا معنی ہے بدبودار اور مکروہ چیز کا نگلنا، اس درخت کے پھل کو کھانا دوزخیوں کے لیے سخت ناگوار ہوگا، بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔[١]

امام ابن ابی شیبہؒ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر دوزخ کے زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین والوں پر نازل کیا جائے تو ان کی زندگیاں خراب اور فاسد ہو جائیں۔[٢]

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ: یعنی اے رسول! وہ وقت یاد کیجیے جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو (چہار طرف سے) گھیر رکھا ہے۔ نہ یہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ بچ کر کہیں بھاگ سکتے ہیں۔ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انھیں گھیر کر سخت سزا دی، ارشاد فرمایا:

(وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ)[الانفال:٧،٨] "اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں

١۔(فتح القدیر ج ٤ ص ٥٢٦، مطبوعہ دار الوفاء بیروت، ١٤١٨ھ)

٢۔(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ٣٤١٣٣، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٦ھ)

سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمہارے لیے ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ جو کانٹے والا نہیں وہ تمہارے لیے ہو اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں کے ساتھ سچا کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ وہ حق کو سچا کر دے اور باطل کو جھوٹا کر دے، خواہ مجرم ناپسند ہی کریں۔" اور فرمایا: (وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ) [الانفال:٤٤] "اور جب وہ تمھیں، جس وقت تم مقابل ہوئے، ان کو تمہاری آنکھوں میں تھوڑے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں بہت کم کرتا تھا، تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا اور سب معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔" اور فرمایا: (اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ) [الانفال:٤٢] "جب تم قریب والے کنارے پر اور وہ دور والے کنارے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور مقرر وقت کے بارے میں آگے پیچھے ہو جاتے اور لیکن تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو کیا جانے والا تھا، تاکہ جو ہلاک ہو واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے واضح دلیل سے زندہ رہے اور بیشک اللہ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آیت: (وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ) میں رؤیا سے آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شب معراج میں دکھایا گیا تھا اور آیت: (وَالشَّجَرَةَ

الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ) سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔[1]

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ: اس درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿62﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿63﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿64﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿65﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ) [الصافات: ٦٢ تا ٦٦] ”کیا مہمانی کے طور پر یہ بہتر ہے، یا زقوم کا درخت؟ بیشک ہم نے اسے ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنایا ہے۔ بیشک وہ ایسا درخت ہے جو بھڑکتی ہوئی آگ کی تہ میں اگتا ہے۔ اس کے خوشے ایسے ہیں جیسے وہ شیطانوں کے سر ہوں۔ پس بیشک وہ یقیناً اس میں سے کھانے والے ہیں، پھر اس سے پیٹ بھرنے والے ہیں۔“ اور فرمایا: (اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿43﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿44﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿45﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ) [الدخان: ٤٣ تا ٤٦] ”بیشک زقوم کا درخت۔ گناہ گار کا کھانا ہے۔ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح، پیٹوں میں کھولتا ہے۔ گرم پانی کے کھولنے کی طرح۔“

وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کفار قریش کو ان باتوں اور انھی جیسی دوسری باتوں کے ذریعے سے ڈرانا چاہتے ہیں، تاکہ وہ ایمان لے آئیں، لیکن نتیجہ الٹا ہوتا ہے اور ان کی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا: (وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا) [بنی اسرائیل: ٤١] ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر بیان کیا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور وہ انھیں نفرت کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتا۔“

---

[1] [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وما جعلنا الرؤیا ۔۔ الخ): ٤٧١٦]

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ
كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ
اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ
جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ
بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي
الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا
غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى
بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ ﴾

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ
کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے کہا کہ کیا میں اسے سجدہ
کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (٦١) پھر بولا بھلا دیکھ تو اس کو جسے تو نے

مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے گا تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ (۶۲) فرمایا جا ان میں سے جو کوئی شخص تیرے پیچھے چلے گا تو بیشک تم سب کی سزا جہنم ہے اور وہ پوری پوری سزا ہے۔ (۶۳) اور تو ان میں سے جس جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا تا رہ اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدہ کرتا رہ اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ (۶۴) بیشک جو میرے (خاص) بندے ہیں ان پر تیرا قابو نہ چلے گا۔ اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا پروردگار کارساز کافی ہے (۶۵)

اللہ تعالیٰ نے جنات کو انسان سے پہلے پیدا فرمایا تھا جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی اور آدم کو (جو سارے انسانوں کے باپ ہیں) مٹی سے پیدا فرمایا ابلیس جنات میں سے تھا یہ عالم بالا میں فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا اور عبادت الٰہی اس کا شغل تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے آدم (علیہ السلام) میں روح ڈالنے کے بعد تمام فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں (یہ سجدہ تعظیمی تھا جو سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شریعت میں منسوخ ہے) حکم سن کر سارے فرشتوں نے تو آدم کو سجدہ کر لیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا (مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ) (کہ تجھے سجدہ سے کیا چیز مانع تھی جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا) اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو غلط بتا دیا

اوراعتراض کر بیٹھا، کہنے لگا کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا میں اس سے افضل ہوں آپ نے اسے مجھ پر فضیلت دیدی اسے مسجود بنا دیا اور مجھے حکم دیدیا کہ میں اسے سجدہ کروں افضل اپنے کمتر کو سجدہ کیوں کرے آپ کا یہ حکم دینا ہی حکمت کے خلاف ہے۔ ابلیس کی حکم عدولی بے ادبی اور بدتمیزی کی وجہ سے اسے ملعون قرار دیدیا اور عالم بالا سے ذلت کے ساتھ نکالا گیا (جس کی تفصیل سورہ اعراف رکوع ۲ میں اور سورہ ص رکوع ۵ میں مذکور ہے۔)

جب شیطان مردود ہوگیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے اول تو قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت طلب کی اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک وقت معلوم کے دن تک مہلت دیدی اب تو وہ اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو منتخب کر لیے گئے ہوں (یہ تفصیل سورہ ص میں ہے) یہاں سورہ بنی اسرائیل میں یوں ہے کہ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو حکمت کے خلاف بتانے کے بعد یوں کہا (لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا) (آپ نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدی تو میں اس کی ساری ذریت کو بجز تھوڑے سے افراد کے اپنے قابو میں کرلوں گا) یہ وہی تھوڑے سے افراد ہیں جن کا استثناء سورہ حجر اور سورہ ص میں مذکور ہے ابلیس نے (اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ) کہہ کر استثناء کردیا تھا اس نے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کو گمراہ کرنے سے اسی وقت ہار مان لی تھی جب اس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی ابلیس کو یہ معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق جو پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں خلافت دینے کے لیے وجود بخشا ہے لہٰذا ان میں ایسے افراد ضرور ہوں گے جو کار خلافت سنبھالیں گے اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہونگے۔

جب شیطان نے بنی آدم کو بہکانے کی قسم کھالی تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جا اپنی کوششیں کر لینا جو لوگ تیرے پیچھے لگیں گے وہ اور تو سب کو جہنم میں داخل کر دوں گا سورہ ص میں فرمایا (لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ) (یہ بات ضروری ہے کہ تو اور تیرے پیچھے چلنے والے سب کو دوزخ میں بھر دوں گا) اور یہاں سورہ اسراء میں فرمایا (فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا) (تو اور جو لوگ تیرا اتباع کریں سب کی سزا جہنم ہے یہ جزا پوری اور بھرپور ہوگی)

سیدنا عیاض بن حمارؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو موحد و مسلمان پیدا کیا، پھر ان کے پاس شیطان آئے اور انھیں ان کے دین سے ہٹا دیا اور ان کے لیے وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم میں سے جو اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے وہ یہ دعا پڑھ لے: (بِسۡمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّيۡطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيۡطَانَ مَا رَزَقۡتَنَا) "اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا کرے۔" تو اگر اس دن کوئی بچہ اللہ کی طرف سے ٹھہر جائے گا، تو اسے ہرگز ہرگز شیطان کبھی کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔"[2]

سیدنا حارث اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک آدمی کی مثال ہے کہ اس کے پیچھے بڑی تیزی سے دشمن لگا ہوا ہے، تو جب وہ کسی مضبوط قلعے میں داخل ہو جاتا ہے تو اس نے دشمن سے اپنے آپ کو بچا لیا، اب اسی طرح بندہ اپنے آپ کو شیطان سے صرف ذکر الٰہی

۱۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا۔۔الخ:۲۸۶۵]

۲۔[بخاری، کتاب الوضوء، باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع:۱۴۱۔مسلم، کتاب النکاح، باب مایستحب أن یقولہ عند الجماع:۱۴۳۴]

کے ذریعے سے بچایا تا ہے۔“ (۱)

﴿ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن
فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ
ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ
وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ
الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ
وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ
عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا
تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ ﴾

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل
(روٹی) تلاش کرو، بیشک وہ تم پر نہایت مہربان ہے۔(٦٦) اور جب تمہیں سمندر
میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھول جاتے ہو جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے تھے پھر

۱۔[ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی مثل الصلاۃ والصیام: ۲۸۶۳۔ابن حبان: ۶۲۳۳۔مسند أحمد: ۴/ ۱۳۰، ح: ۱۷۳۰۲]

جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔(٦٧) کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے۔ یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے، پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ۔ (٦٨) کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ پھر تمہیں دوبارہ دریا کے سفر میں لے آئے اور پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے لیے کفر کی وجہ سے غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی ایسا نہ ملے جو ہمارا پیچھا کرنے والا ہو۔(٦٩)

اللہ تعالیٰ نے تمہاری آسانی وسہولت اور تجارت وسفر کے لیے دریاؤں میں کشتیاں چلا دیں تا کہ تم دور دراز ملکوں میں جا کر اس کا فضل وکرم اور لطف ورحم تلاش کرو۔ پھر جب دریا میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے جیسے طوفان بادوباراں کی وجہ سے کشتی ڈوب جانے کا خوف، تو اس وقت تم خلوص دل سے اللہ کی طرف جھکتے ہو اور اس سے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں صحیح وسالم خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم پھر خدائے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور باطل معبودوں کو پوجنے لگ جاتے ہو۔ حقیقت میں انسان تو ہے ہی ناشکرا۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا : یعنی انسان کی خصلت یہ ہے کہ نعمتوں کو بھول جاتا اور انکار کر دیتا ہے، سوائے مومن کے۔ جیسا کہ سیدنا صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مومن کا معاملہ بھی بڑا حیران کن ہے کہ اس کے لیے ہر معاملہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے اور یہ

فضیلت سوائے مومن کے کسی اور کو حاصل نہیں، (وہ اس طرح کہ) اگر اسے کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے تو صبر کرنے میں بھی اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔" (۱)

پھر فرمایا کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو تمہیں مطمئن اور بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح ہم سمندر میں غرق کر دینے پر قادر ہیں اسی طرح خشک زمین کے اندر دھنسا دینے پر بھی قادر ہیں ۔ ہمارے لیے بحر و بر سب یکساں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم تو پتھر برسا کر بھی تمہیں ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی مددگار ملے گا اور نہ نگہبان جو تمہیں زمین میں دھنسنے سے یا پتھروں سے بچا سکے۔

اے منکرو! سمندر میں تو تم میری توحید کے قائل ہو جاتے ہو اور باہر آ کر پھر انکار کرنے لگتے ہو۔ کیا تم اس سے بالکل مطمئن اور بے خوف ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں پھر اسی سمندر کا خیال پیدا کر دے اور تم دوبارہ بحری سفر کے لیے نکل پڑو اور تیز ہواؤں کے تھپیڑے تمہاری کشتی کو ڈگمگا دیں اور آخر کار تمہارے کفر اور ناشکری کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی نہیں ملے گا جو ہم سے تمہارا بدلہ لے لے یا ہم سے باز پرس کر سکے۔

اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (بدر کے موقع پر) ابو جہل نے یہ دعا کی تھا: (اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ) "اے اللہ! اگر صرف یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔" (۲)

۱۔ [مسلم، کتاب الزہد، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر: ۲۹۹۹]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وإذ قالوا اللھم إن کان ہذا ہو الحق۔۔۔ الخ): ٤٦٤٨]

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰ ﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، اور خشکی اور تری دونوں میں ان کو سواری عطا کی اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا، اور ہم نے جو مخلوقات پیدا کی ان میں بہت سی مخلوقات پر انھیں فضیلت عطا کی۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجوہات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر متعدد وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس فضیلت کی تمام وجوہ کا ادراک تو بہت مشکل ہے تاہم مفسرین نے بعض اہم وجوہ ذکر فرمائی ہیں جن کا بیان درج ذیل ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سے صرف انسان کو اپنا نائب اور خلیفہ بنایا، واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ (البقرہ: ۳۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے پہلے فرد کو فرشتوں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور فرشتوں کو سجدہ کرایا۔ (البقرہ: ۳۱، ۳۴)

۳۔ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے لفظ کن سے پیدا کیا اور انسان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا، قرآن مجید میں ہے:

قال یابلیس مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی۔(ص:٧٥) فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

۴۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو مارے تو چہرے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔(صحیح مسلم، البر والصلہ:١١٥،(٢٦١٢) الرقم المسلسل:٦٥٣٢)

۵۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق میں سب سے اچھی ہیئت پر پیدا کیا ہے قرآن مجید میں ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔(التین:٤) بیشک ہم نے انسان کو سب سے اچھی ساخت اور ہیئت پر پیدا کیا ہے۔

٦۔ہر مخلوق کھاتے وقت اپنا سر جھکا کر کھاتی ہے اور اپنے منہ کو کھانے تک لے جاتی ہے اور انسان سر اٹھا کر کھاتا ہے اور کھانے کو اٹھا کر اپنے منہ تک لے جاتا ہے۔

٧۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے بلند قامت بنایا ہے وہ سیدھا کھڑا ہوتا ہے جبکہ باقی مخلوق جھک کر چلتی ہے یا زمین پر رینگتی ہوئی چلتی ہے اور انسان سر اٹھا کر چلتا ہے۔

٨۔تمام مخلوق تین قسم کی قوتوں میں تقسیم میں ہے:(١) قوت نشو ونما (٢) قوت حواس اور قوت شہوانیہ (٣) قوت عقلیہ حکمیہ۔نباتات یعنی درختوں، پودوں میں صرف قوت نشو ونما ہے، حیوانوں میں صرف قوت حواس اور قوت شہوانیہ ہے اور فرشتوں میں صرف قوت عقلیہ حکمیہ ہے اور انسان میں اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قوتیں جمع کر دیں، اس میں قوت نشو ونما بھی ہے اور قوت حواس اور قوت عقلیہ حکمیہ بھی، لہٰذا

انسان تمام مخلوق سے افضل ہے۔

۹۔جانوروں کے جسم میں اگر کوئی درد یا تکلیف ہوتو وہ کسی کو بتا نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ادراک اور اظہار کی قوت عطا کی ہے اس لیے وہ اپنا حال بھی بتا سکتا ہے اور دوسروں کا حال بھی بتا سکتا ہے۔

۱۰۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت عطا کی ہے، وہ علوم و معارف پر مشتمل کتابیں لکھ سکتا ہے اور لکھی ہوئی چیزوں کو پڑھ بھی سکتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

اقرا باسم ربک الذی خلق۔خلق الانسان من علق۔اقرا و ربک الاکرم۔الذی علم بالقلم۔علم الانسان مالم یعلم۔(العلق:۵۔۱) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔آپ پڑھیے آپ کا رب بہت کریم ہے۔جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا۔جس نے انسان کو وہ سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

انسان کی یہ فضیلت فرشتوں کے علاوہ باقی تمام مخلوقات کی بہ نسب ہے۔

۱۱۔اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو عناصر اربعہ سے بنایا ہے اور یہ چاروں عناصر انسان کی خدمت کے لیے مسخر کردیے ہیں۔یہ چار عناصر مٹی، ہوا، پانی اور آگ ہیں۔مٹی کو انسان کے لیے فرش بنایا، جعل لکم الارض فراشا (البقرہ:۲۲) ہوا کو اس لیے بنایا کہ انسان اس سے سانس لے سکے اور انسان کی بوئی ہوئی اناج کی فصلوں میں دانوں کو بھوسے سے الگ کر سکے، اور سمندری سفر میں اس کو بادبانی کشتیوں کو چلانے میں اپنا رول ادا کر سکے اور ہوائیں اسا معمورہ سے بدبوؤں کو اڑا لے جاتی ہیں۔اور پانی اس لیے بنایا کہ وہ انسان کے پینے کے کام آئے اور اس کی زراعت اور کھیتی باڑی کے کام آئے اور سمندروں کو مسخر کیا ان سے ہم تازہ ترین مچھلی خوراک کے لیے حاصل کرتے ہیں اور ان سے قیمتی موتی

حاصل کرتے ہیں اور کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ سمندری سفر کرتے ہیں، اور اب سمندر سے تیل بھی حاصل کیا جاتا ہے، اور آگ ہمارے کھانوں کو پکانے کے کام آتی ہے اور اسی نوع سے ایندھن کو دوسری قسمیں ہیں، تیل اور گیس وغیرہ جن سے موٹریں، ٹرینیں اور ہوائی جہاز چلائے جاتے ہیں اور اسی نوع سے سورج اور چاند ہیں جن سے ہم روشنی، حرارت اور دیگر توانائیاں حاصل کرتے ہیں اور ان عناصر اربعہ کے مرکبات ہیں مثلاً معدنیات، سونا، چاندی، لوہا، تانبا اور پیتل وغیرہ غرض پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فوائد اور منافع کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

۱۲۔ تمام موجودات میں سب سے اشرف، سب سے اعلیٰ اور سب سے اکبر اللہ تعالیٰ ہے، پھر وہ سب سے اشرف اور علی ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو، اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب انسان ہے، کیونکہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، اور دماغ میں اس پر ایمان ہے اور اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس کے اعضا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول ہیں، پس واجب ہوا کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب انسان ہے اور اس کو یہ قرب اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان سے حاصل ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک ہم نے انسان کو فضیلت دی۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اور ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں، خچروں، گدھوں اور اونٹوں کو اس طرح مسخر کر دیا کہ انسان ان پر سواری کر سکے اور ان پر اپنا بوجھ لاد سکے اور سواریوں پر بیٹھ کر سفر کر سکے اور جہاد کر سکے اور کشتیوں اور بحری جہازوں پر بیٹھ کر تجارتی اور جنگی سفر کر سکے۔

۱۴۔ نیز اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ میں فرمایا: اور ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا، کیونکہ

انسان کی خوراک اورغذا یا زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے یا حیوانوں کے گوشت سے اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کردی ہیں۔

۱۵۔آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان کو بہت چیزوں پر فضیلت دی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر انسان کو فضیلت نہیں دی اور وہ فرشتے ہیں، بلکہ فرشتے انسان سے افضل ہیں۔

امام عبدالرحمن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔حضرت ابن عباس کا یہ قول ہے کہ انسان فرشتوں کے علاوہ تمام مخلوق سے افضل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ انسان تمام مخلوق سے افضل ہے اور عرب اکثر اور کثیر کو جمع کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین۔تنزل علی کل افاک اثیم۔یلقون السمع واکثرھم کذبون۔(الشعراء: ۲۲۳۔۲۲۱) کیا تم میں کو بتادوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔وہ ہر جھوٹے گناہ گار پر اترتے ہیں۔ وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں۔اوران میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔

ظاہر ہے یہاں اکثر کا اطلاق جمع پر کیا گیا ہے یعنی تمام شیاطین جھوٹے ہیں، اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی کثیر کا اطلاق تمام مخلوق پر ہے یعنی انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مومن اللہ عزوجل کے نزدیک ان فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے جو اس کے نزدیک ہیں۔[۱]

۱۔(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۹۴۷، شعب الایمان رقم الحدیث: ۱۵۲)(زادالمسیر ج ۵ ص ۶۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ : یعنی اے لوگو! ہم نے بنی آدم کو عزت دی، خشکی اور تری میں ان کو سواریاں بخشیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ) [النحل: ٥ تا ٨] ”اور چوپائے، اس نے انھیں پیدا کیا، تمھارے لیے ان میں گرمی حاصل کرنے کا سامان اور بہت سے فائدے ہیں اور انھی سے تم کھاتے ہو۔ اور تمھارے لیے ان میں ایک جمال ہے، جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح چرانے کو لے جاتے ہو۔ اور وہ تمھارے بوجھ اس شہر تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جس میں تم کبھی پہنچنے والے نہ تھے، مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ، بیشک تمھارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے، تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے، اور وہ پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔“ اور فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ) [النحل: ١٤] ”اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا، تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی چیزیں نکالو، جنھیں تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے، اس میں پانی کو چیرتی چلی جانے والی ہیں اور تاکہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔“

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ : یعنی دنیا میں فصلوں، پھلوں، گوشت، دودھ اور کھانے پینے کی دیگر تمام انواع و اقسام کی چیزوں کی صورت میں جن کے ذائقے، رنگ اور شکلیں بڑی خوبصورت اور دل آویز

ہیں۔اور آخرت میں جنت کی ناز و نعم کے متعلق سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے (جنت میں) اپنے نیک بندوں کے لیے جو نعمتیں تیار کی ہیں انھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے (ان کی بابت) سنا ہے اور کسی انسان کے دل میں ان کے بارے میں کوئی خیال تک نہیں گزرا۔" [1]

﴿ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾ ﴾

جس دن ہم لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جس کو اس کی کتاب (اعمال نامہ) اس کے داہنے ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ لوگ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے اور ان پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

قیامت کے دن جب کہ ہم تمام انسانوں کو ان کے انبیاء کرام (علیہ السلام) کے ساتھ یا ان کے نامہ اعمال سمیت یا یہ کہ ان کے دعوت ہدایت دینے والے یا دعوت گمراہی دینے والے کے ساتھ ملا دیں گے۔

پھر جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو ایسے حضرات اپنی نیکیوں کو خوش ہو کر پڑھیں گے اور ان کی نیکیوں میں ذرا کمی نہ کی جائے گی اور نہ ان کی برائیوں میں ذرا اضافہ کیا جائے گا۔

کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو لکیر ہوتی ہے اس میں جو چیز ہو اس کو فتیل کہتے ہیں اور انگلیوں کی جڑوں میں

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (فلا تعلم نفس ما أخفی لھم من قرۃ أعین): ۴۷۸۰۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب صفۃ الجنۃ: ۲۸۲۴/۴]

جو معمولی سا میل کچیل ہو، اس معنی میں بھی لفظ فتیل کا استعمال کیا گیا ہے۔

اس آیت میں امام کی تفسیر حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ امام سے مراد عام ہے خواہ وہ امام ہدایت ہو یا امام ضلالت۔

۲۔ عطیہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا اس سے مراد ان کے اعمال ہیں۔

۳۔ حضرت انس بن مالک نے کہا اس سے مراد ان کے نبی ہیں۔۔

۴۔ عکرمہ نے کہا اس سے مراد ان کی کتاب ہے۔

پہلے قول کی بنا پر کہا جائے گا کہ: اے موسیٰ کے متبعین! اے عیسیٰ کے متبعین! اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متبعین اور کہا جائے گا اے گمراہوں کے متبعین! اور دوسرے قول کی بنا پر کہا جائے گا: اے وہ لوگو! جنہوں نے فلاں فلاں کام کیے اور تیسرے قول کی بنا پر کہا جائے گا: اے امت موسیٰ! اے امت عیسیٰ، اے امت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور چوتھے قول کی بنا پر کہا جائے گا: اے اہل التوراۃ، اے اہل الانجیل، اے اہل القرآن۔[۱]

فَمَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ کِتٰبَهُمْ : ارشاد فرمایا: (فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ 19 ○ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ 20 ○ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ 21 ○ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ 22 ○ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ 23 ○ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ) [الحاقۃ: ١٩ تا ٢٤] "سو جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ

۱۔ (زاد المسیر، ج ٥ ص ٦٤، ٦٥، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٧ھ)

میں دیا گیا تو وہ کہے گا لو پکڑو، میرا اعمال نامہ پڑھو۔ یقیناً میں نے سمجھ لیا تھا کہ بیشک میں اپنے حساب سے ملنے والا ہوں۔ پس وہ ایک خوشی والی زندگی میں ہوگا۔ ایک بلند جنت میں۔ جس کے میوے قریب ہو نگے۔ کھاؤ اور پیو مزے سے، ان اعمال کے عوض جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں آگے بھیجے۔"

وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا: ارشاد فرمایا: (وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝28 هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)[الجاثیۃ: ۲۸، ۲۹] "اور تو ہر امت کو گھٹنوں کے بل گری ہوئی دیکھے گا، ہر امت اپنے اعمال نامہ کی طرف بلائی جائے گی، آج تمھیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے، بیشک ہم لکھواتے جاتے تھے، جو تم عمل کرتے تھے۔" ارشاد فرمایا: (يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ)[النحل: ۱۱۱] "جس دن ہر شخص اس حال میں آئے گا کہ اپنی طرف سے جھگڑ رہا ہوگا اور ہر شخص کو پورا دیا جائے گا جو اس نے کیا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔" اور فرمایا: (وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ)[الاحقاف: ۱۹] "اور ہر ایک کے لیے الگ الگ درجے ہیں، ان اعمال کی وجہ سے جو انھوں نے کیے اور تاکہ اللہ انھیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام ٹھہرالیا ہے اور تمھارے درمیان بھی اسے حرام کر دیا ہے، سو

تم آپس میں ظلم نہ کرو۔"[۱]

﴿وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا ۝۷۲﴾

اور جو شخص اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ عالم آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا اور راستہ سے بھٹکا ہوا ہو گا۔

دنیا کے اندھے آخرت میں بھی اندھے ہوں گے

اور جو شخص دنیا میں ان نعمتوں کے شکر کی بجا آوری سے اندھا رہے گا وہ جنت کی نعمتوں سے بھی اندھا رہے گا اور زیادہ گمراہ ہو گا یا یہ کہ جو شخص اس دنیا میں راہ نجات اور حجت و بیان کے دیکھنے سے اندھا رہے گا اور زیادہ گمراہ ہو گا۔

اس آیت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمام اشیا کو پیدا کیا جو شخص دنیا میں اس کی معرفت سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے اندھا رہے گا۔

۲۔ حسنؒ نے کہا جو شخص دنیا میں اپنے کفر سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا کیونکہ دنیا میں اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے آخرت میں اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

۱۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷]

۳۔ جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی آیات سے اندھا رہا تو آخرت کی نشانیاں جو اس سے غیب ہیں وہ ان سے زیادہ اندھا ہوگا۔

۴۔ ابن الانباریؒ نے کہا جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے دنیا میں اندھا رہا جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تمہارا رب وہ ہے جو سمندر میں کشتیوں کو چلاتا ہے وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے زیادہ اندھا ہوگا۔

۵۔ ابوبکر وراق نے کہا جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حجت میں اندھا رہا وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جنت سے اندھا رہے گا۔

۶۔ عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا اللہ تعالیٰ نے ولقد کرمنا بنی آدم، میں اپنی جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انسان ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کی معرفت میں اندھا رہا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے تقرب سے اندھا رہے گا۔

۷۔ ابو علی فارسؒ نے کہا آخرت میں زیادہ اندھے ہونے کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں اس کے اندھے پن سے نکلنے کی ایک راہ تھی کہ وہ دلائل سے غور و فکر کر کے حق کو قبول کر لیتا اور آخرت میں اس کے اندھے پن سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۸۔ آخرت میں اندھے پن سے نہ نکلنے کا معنی یہ ہے کہ آخرت میں ثواب کے حصول اور عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

۹۔ ابن الانباریؒ نے کہا آخرت میں اس کا اندھا پن اس لیے زیادہ ہوگا کہ دنیا میں اس کی گمراہی دن بہ دن بڑھتی گئی اور آخرت میں وہ ان تمام گمراہیوں کا مجموعہ اور مجسمہ ہوگا۔

۱۰۔ جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اندھا رہا وہ آخرت میں جنت کے راستے سے اندھا رہے گا۔ ①

﴿ وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ لوگ آپ کو اس چیز سے ہٹانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی۔ تا کہ آپ ہماری طرف کچھ اور نسبت کر دو اور اس صورت میں وہ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے۔ (۷۳) اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچتے۔ (۷۴) اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو زندگی اور موت دونوں کا دوگنا عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ پاتے۔ (۷۵)

شان نزول: (آیت) ”وان کادوا لیفتنونک“۔ (الخ)

۱۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۶۵، ۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ابن مردویہؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے ابن اسحاقؒ محمد بن ابی محمدؒ عکرمہ کے ذریعے سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ امیہ بن خلف، ابو جہل اور کچھ قریشی چلے اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ محمد چلو اور نعوذ باللہ ہمارے بتوں کو چھولو، ہم آپ کے ساتھ آپ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی قوم کے اسلام قبول کرنے کے خواہاں رہتے تھے، چنانچہ ان کے لیے نرم ہو گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ جتنی روایات اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مروی ہیں، یہ سب سے زیادہ صحیح ہے، اس کی سند جید ہے اور اس کا شاہد بھی موجود ہے۔

چنانچہ ابوالشیخؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے تو کافروں نے کہا ہم آپ کو اس وقت حجر اسود کا استلام نہیں کرنے دیں گے، تاوقتیکہ آپ ہمارے بتوں کا استلام نہ کریں تو رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمانے لگے اگر میں ایسا کرلوں تو کیا حرج ہے جب کہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میں ان بتوں کے مخالف ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اسی طرح ابن شہاب سے روایت کیا گیا ہے۔

نیز جبیر بن نفیرؒ سے روایت کیا ہے کہ قریش رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اگر آپ ہماری طرف رسول ہو کر آئے ہیں تو ان غرباء اور غلاموں کی جو آپ کے پیرو ہیں اپنے پاس سے بالکل ہٹا دیجیے تاکہ ہم آپ کے تابع اور اصحاب ہو جائیں یہ سن کر آپ کچھ ان کی طرف متوجہ سے ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور محمد بن کعب قرظیؒ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے سورہ نجم کی (آیت) "افرایتم اللات والعزی"۔ تک تلاوت فرمائی تو شیطان نے یہ الفاظ آپ پر القاء کر دیے۔ (آیت) "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی"۔

چنانچہ فوراً یہ آیت نازل ہوئی، اس کے نزول کے بعد آپ برابر مغموم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی۔ (آیت) "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیۃ "۔ یہ روایات اس بات پر دال ہیں کہ یہ آیات مکی ہیں۔

اور جن حضرات نے ان روایتوں کو مدنی شمار کیا ہے، انھوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو ابن مردویہؒ نے عوفی کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کی کہ ہمیں ایک سال کی مہلت دیجیے تا آنکہ ہمارے بتوں کے چڑھاوے آجائیں، پھر ہم اپنے بتوں کے چڑھاوے وصول کر کے اسلام لے آئیں، رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان لوگوں کو مہلت دینے کا ارادہ کرلیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ابن ابی حاتمؒ اور امام بیہقیؒ نے دلائل میں شہر بن حوشب کے واسطہ سے عبدالرحمن بن غنم سے روایت کیا ہے کہ یہودی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے اگر آپ نبی ہیں تو شام جائیے کیونکہ وہ ارض محشر اور سرزمین انبیاء کرام ہے ان کی یہ بات سن کر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی اس چیز کا خیال ہو گیا چنانچہ آپ نے ملک شام کے ارادہ سے غزوہ تبوک کیا، جب آپ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل کی تکمیل کے بعد سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل فرمائیں

(آیت) ”وان کادوا“۔ یعنی لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدم بھی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں، اور اگر یہ آپ کو مدینہ منورہ سے نکال دیتے تو یہ بھی بہت کم ٹھہر پاتے، یہاں تک کہ ہم ان کو ہلاک کر دیتے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرکین نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قرآن میں تبدیلی کے لیے کتنا دباؤ ڈال رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر آپ قرآن کو بالکلیہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو کم از کم اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں کرلیں کہ وہ بت پرستی کے بالکل خلاف نہ رہے اس شرط پر وہ اس کے ساتھ مصالحت اور دوستی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے۔

موجودہ دور کے مشرکوں اور کافروں میں اسی ذہنیت کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ توحید کو اس طرح پیش کریں کہ شرک اور بت پرستی کی تردید ہو اور اسلام کو اس طرح پیش کریں کہ دوسرے مذاہب کی سچائی پر آنچ نہ آئے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک جن (شیطان) اس کا ساتھی مقرر کر رکھا ہے۔“ صحابہ نے دریافت کیا، (یارسول اللہ!) اور آپ کے ساتھ بھی؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں! میرے ساتھ بھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے، وہ مجھے خیر کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیتا۔“ (۱)

﴿ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس۔۔الخ: ۲۸۱۴]

وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلٰفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾

اور یقیناً قریب تھا کہ آپ کو اس سرزمین سے پھسلا دیں، تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ آپ کے بعد وہاں تھوڑی مدت رہ پاتے۔ (۷۶) ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے ان میں ہمارا یہی دستور رہا ہے اور ہمارے قاعدے میں تم کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ (۷۷)

حضرت مجاہدؒ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ مشرکین نے آنحضرت سرور عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکہ مکرمہ سے جلاوطن کرنے اور وہاں سے زبردستی نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور آپ باذن الٰہی خود ہی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لے آئے مشرکین اپنے ارادوں میں ناکام ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ اس سرزمین سے آپ کے قدموں کو اکھاڑ دیتے (لیکن وہ ایسا نہ کر سکے) اور اگر وہ ایسا کر لیتے اور آپ کو نکال کر خود رہنا چاہتے تو خود بھی وہاں نہ رہ پاتے اور وہاں ان کا ٹھہرنا بس ذرا سا ہی ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ آپ کو ہجرت کی اجازت دیدی اور ان لوگوں کو اس کا موقع نہ دیا کہ زبردستی آپ کو نکال دیتے لٰہذا وہ مکہ ہی میں رہتے رہے پھر انہیں اسلام کی بھی توفیق ہوگئی۔

سیدنا مسور اور سیدنا مروانؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوبصیرؓ مدینہ سے نکل کر سیدھے سمندر کے کنارے پہنچے

اورابوجندل بن سہیل ؓ بھی مکہ سے بھاگ کرابوبصیرؓ سے آکرمل گئے۔اب جوآدمی بھی قریش کا مسلمان ہوتا وہ وہاں سے نکل کرابوبصیرؓ کے پاس چلاجاتا، یہاں تک کہ ان کے پاس ایک جتھا تیار ہوگیا۔اللہ کی قسم! انھوں نے یہ کام کیا کہ قریش کا جوقافلہ ملک شام جاتا اس کو راستے میں روک لیتے، اہل قافلہ کو قتل کردیتے اوران کے اسباب واموال کولوٹ لیتے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب قریش کے لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پرایمان لانے میں تاخیرکی توآپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بددعا کی: (اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ) "اے اللہ! ان پر یوسف (علیہ السلام) کے زمانے کا سا سات سالہ قحط بھیج۔" چنانچہ ان پر ایسا قحط پڑا جس سے ہر چیز ملیامیٹ ہوگئی، حتیٰ کہ وہ لوگ ہڈیاں تک کھا گئے۔ کیفیت یہ تھی کہ تب اگر کوئی آدمی اوپر آسمان کی طرف دیکھتا (تو ناتوانی کی وجہ سے) اس کو اپنے اور آسمان کے درمیان دھویں کی طرح (اندھیرا) نظر آتا تھا۔ (۲)

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۞۷۸ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۞۷۹ ﴾

نماز قائم کریں سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کے وقت قرآن

۱۔[بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد والمصالحۃ مع أھل الحرب: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ ۔۔ الخ): ۴۶۹۳ ۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الدخان: ۲۷۹۸]

پڑھا کریں۔ بیشک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔(۷۸)اور رات کے کچھ حصے میں تہجد بھی پڑھا کریں، یہ آپ کے لیے (فرض نمازوں کے علاوہ) زیادہ ہے امید ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں جگہ عطا فرمائے گا (۷۹)۔

دلوک کا معنی

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ دلوک کا معنی ہے سورج کا غروب کی طرف مائل ہونا، دلوک کا لفظ دلک سے بنا ہے اس کا معنی ہے ہتھیلیوں کو ملنا، جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے تو لوگ ہتھیلیوں کو ماتھے پر رکھ کر سورج کی طرف دیکھتے ہیں۔ [۱]

ابو عبیدہ نے کہا آفتاب کے نصف النہار سے زوال سے لیکر غروب کی طرف میلا تک کو دلوک کہتے ہیں، ذجاج نے کہا نصف النہار سے میلا بھی دلوک ہے، اور غروب کی طرف میلا بھی دلوک ہے، الازہری نے کہا کلام عرب میں دلوک کا معنی زوال ہے، اسی لیے جب سورج نصف النہار سے زائل ہو اس کو بھی دلوک کہتے ہیں اور جب وہ افق سے زائل ہونے لگے اس کو بھی دلوک کہتے ہیں۔ [۲]

پانچ نمازوں کی فرضیت

دلوک کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا اس سے مراد غروب آفتاب ہے،

۱۔(المفردات ج۱ص ۲۲۸،۲۲۹،مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفی مکہ مکرمہ،۱۴۱۸ھ)

۲۔(زاد المسیر ج ۵ ص ۷۱،۷۲)

حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی اسی طرح ہے، فرا اور ابن قتیبہ کا بھی یہی قول ہے، مگر اس کے دلائل قوی نہیں ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دلوک سے مراد سورج کا نصف النہار سے زائل ہونا ہے، یہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو برزہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حسن، شعبی، سعید بن جبیرؒ، اوب العالیہ، مجاہدؒ، عطا، عبید بن عمیرؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، مقاتل، اور الازہری رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے۔

اس قول کی دلیل یہ ہے:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے منتخب کردہ اصحاب کی دعوت کی پھر سورج کے نصف النہار سے زوال کے وقت وہ باہر آئے پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی باہر آئے اور فرمایا اے ابوبکر باہر آؤ اور وہ دلوک شمس کا وقت تھا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل (علیہ السلام) دلوک شمس کے وقت آئے، جب سورج نصف النہار سے زائل ہو چکا تھا اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔

حضرت ابو برزہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سورج نصف النہار سے زائل ہو گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ظہر کی نماز پڑھی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: اقم الصلوۃ لدلوک الشّمس۔ [1]

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی طرف مکتوب لکھا کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج نصف النہار سے زائل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج صاف اور سفید

۱۔ (جامع البیان، جزء ۵، ص ۱۷۱، ۱۷۲، مطبوعہ دار الکفر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہو جائے اور پیلا نہ پڑا رہو، اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور عشا کو اس وقت تک موخر کرو جب تک کہ تم کو نیند نہ آئی ہو، اور صبح کی نماز اس وقت پڑھو جب ستارے ظاہر ہوں اور ان کا جال بنا ہوا ہو۔[۱]

الازہری نے کہا جب دلوک شمس سے مراد زوال شمس سے لیکر غروب آفتاب تک کا وقت ہوگا تو اس میں ظہر اور عصر داخل ہوگی، اس کے بعد فرمایا رات کے اندھیرے تک اس میں مغرب اور عشا داخل ہیں، پھر فرمایا وقرآن الفجر اس میں فجر کی نماز آ گئی، اس طرح یہ آیت پانچوں نمازوں کو شامل ہوگئی۔[۲]

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا : اس سے مراد فجر کی نماز کا وقت ہے، جب رات اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور رات اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔" پھر ابو ہریرہؓ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو: (وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا) "اور فجر کا قرآن (پڑھ)۔ بیشک فجر کا قرآن ہمیشہ سے حاضر ہونے کا وقت رہا ہے۔"[۳]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "رات اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے رہتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جو فرشتے رات کو زمین پر تھے وہ (صبح کے وقت) آسمان پر چڑھ جاتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا

۱۔(موطا امام مالک رقم الحدیث: ۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

۲۔(زاد المسیر ج ۴ ص ۷۲)

۳۔[بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ: ۶۴۸۔ مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ۶۴۹/۲۴۶]

ہے، حالانکہ وہ خود ان سے زیادہ جانتا ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں، جب ہم نے ان کو چھوڑا اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔"[۱]

نماز پنجگانہ کے بعد اس آیت میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نماز تہجد کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ نماز آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس لیے واجب کی گئی تھی کہ آپ کے درجات بلند ہوں، ورنہ آپ کے تو اگلے پچھلے سبھی گناہ معاف کر دیے گئے تھے۔ نماز پنجگانہ اور نوافل کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ کریمانہ وعدہ کیا ہے کہ ان کا رب انھیں "مقام محمود" یعنی شفاعت کبریٰ کی اجازت مرحمت فرمائے گا، جس کے بموجب آپ قیامت کے دن مخلوق کے لیے اللہ کے حضور سفارش کریں گے، تاکہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرمائے، جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں بھیج دیے جائیں اور مخلوق کو میدان محشر کے طویل قیام اور اس کی صعوبتوں سے نجات مل جائے۔

وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ: یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نمازوں کے بعد قیام اللیل کا حکم ہے۔ سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔"[۲]

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کو اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا۔ میں عرض کرتی، اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، حالانکہ

۱۔[بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ:۳۲۲۳]

۲۔[مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم:۲۰۳/۱۱۶۳۔ أبوداؤد، کتاب الصیام، باب فی صوم المحرم:۲۴۲۹]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف فرما دی ہیں؟ آپ ارشاد فرماتے: ”اے عائشہ! کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟“ (۱)

سیدنا عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ فوراً آپ کی طرف بڑھے (اور آپ کا استقبال کیا) اور ہر جانب یہ آواز لگائی گئی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لے آئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا، تاکہ آپ کو دیکھ سکوں۔ پھر جب میں نے آپ کا چہرہ انور دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا اور میں نے آپ سے جو سب سے پہلی حدیث سنی وہ یہ تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو اس وقت نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، (اگر یہ کام کرو گے تو) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔“ (۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”صرف دو قسم کے آدمی ہی قابل رشک ہیں، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ اس کے ساتھ دن اور رات کے اوقات میں قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور وہ اسے دن اور رات کے اوقات میں خرچ کرتا ہے۔“ (۳)

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب إکثار الأعمال والاجتهاد فی العبادة: ۲۸۲۰۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: (لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر۔۔الخ): ۴۸۳۷]

۲۔[مسند أحمد: ۵/ ۴۵۱، ح: ۲۳۸۴۶۔ مستدرک حاکم: ۳/ ۱۳، ح: ۴۲۸۳۔ ابن ماجه، کتاب إقامة الصلوات، باب ما جاء فی قیام اللیل: ۱۳۳۴۔ ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب حدیث أفشوا السلام۔۔الخ: ۲۴۸۵]

۳۔[مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن۔۔الخ: ۸۱۵]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "ہمارا رب جو بابرکت اور بلند و بالا ہے، جب ہر رات کا آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے تو وہ آسمان دنیا کی طرف تشریف لاتا ہے، پھر کہتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تو میں اس کی دعا قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے معاف کردوں۔" [١]

ابوسلمہ بن عبدالرحمنؒ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے سوال کیا کہ رمضان میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نماز کی کیا کیفیت تھی؟ تو انھوں نے ارشاد فرمایا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رمضان میں اور اس کے علاوہ باقی تمام مہینوں میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ [٢]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے فرمایا: "اے عبداللہ! تم فلاں آدمی کی طرح نہ ہوجانا کہ وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا، مگر بعدازاں اس نے اسے چھوڑ دیا۔" [٣]

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا: یعنی آپ فرض اور نفل نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے رہیں، تاکہ قیامت کے دن ہم آپ کو مقام محمود پر فائز کریں، اس دن ساری مخلوق آپ کی تعریف کرے گی اور اپنے خالق و مالک کی حمد بیان کرے گی۔ سیدنا جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

١۔[بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء نصف اللیل: ٦٣٢١۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل: ٧٥٨]

٢۔[بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باللیل فی رمضان وغیرہ: ١١٤٧۔ مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل۔۔ الخ: ٧٣٨]

٣۔[بخاری، کتاب التہجد، باب ما یکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ: ١١٥٢۔ مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر: ١٨٥/١١٥٩]

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اذان (کی آواز) سنے، پھر یہ دعا پڑھے: (اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآءِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ. اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ) ”اے اللہ! اس مکمل دعوت اور قائم صلوٰۃ کے پروردگار! سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خاص قرب اور خاص فضیلت عطا فرما اور انھیں مقام محمود (تعریف کیے ہوئے مقام) پر کھڑا کر، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ تو قیامت کے دن اس کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔“ [۱]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن سب لوگ گھٹنوں کے بل ہوں گے اور ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی اور سب لوگ اپنے اپنے نبی سے کہیں گے کہ اے فلاں! شفاعت کر، (اے فلاں! شفاعت کر) حتیٰ کہ شفاعت کا معاملہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچ جائے گا۔ اور یہی وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔ [۲]

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایمان والے جمع ہوں گے اور کہیں گے، بہتر ہے کہ ہم اپنے رب کے سامنے کسی کی سفارش پہنچائیں، تو سب مل کر سیدنا آدم (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے۔ ان سے کہیں گے کہ آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور پھر تمام چیزوں کے نام آپ کو بتائے، چنانچہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کیجیے، تاکہ وہ ہمیں اس (مصیبت کی) جگہ سے نکال کر آرام وسکون کی جگہ پہنچائے۔ وہ کہیں گے، میں اس لائق نہیں۔ دراصل وہ اپنی لغزش کو یاد کر

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ (عسی أن یبعثک ربک مقاما محمودا): ٤٧١٩۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ٤١٠/١، ح: ١٩٣٣]

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (عسی أن یبعثک ۔۔ الخ): ٤٧١٨]

کے (اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے) شرمائیں گے۔ وہ کہیں گے، تم نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے۔ لوگ نوح (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے۔ وہ بھی کہیں گے، میں اس لائق نہیں۔ وہ اپنے رب سے اس چیز کا سوال کرنا جس چیز کا انھیں علم نہیں تھا، یاد کریں گے اور (اللہ کے پاس جاتے ہوئے) شرمائیں گے اور کہیں گے، تم رحمن کے خلیل (ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ ان کے پاس جائیں گے (اور ان سے عرض کریں گے) وہ کہیں گے، میں اس لائق نہیں ہوں، تم موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور انھیں تورات عنایت فرمائی۔ پھر یہ لوگ ان کے پاس جائیں گے (ان سے عرض کریں گے) وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں۔ دراصل دنیا میں جو انھوں نے ایک جان کو بغیر جان کے قتل کیا تھا وہ اس کو یاد کر کے اپنے رب سے شرمائیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ (پھر وہ لوگ ان کے پاس جا کر ان سے عرض کریں گے) تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں، تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ کہ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں، وہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں وہاں سے چل کر اللہ کے حضور حاضر ہونے کی اجازت چاہوں گا، چنانچہ مجھے اجازت ملے گی۔ میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا، پھر ارشاد ہوگا، (اے میرے محبوب!) اپنا سر اٹھاؤ اور سوال کرو، تمہیں دیا جائے گا، کہو! تمہاری بات سنی جائے گی، سفارش کرو! تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ تو میں سر اٹھا کر اپنے مالک کی ایسی تعریف کروں گا جو وہ اس وقت مجھے سکھائے گا۔

پھر میں سفارش کروں گا، لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کردی جائے گی۔ چنانچہ میں ان لوگوں کو جنت میں پہنچا دوں گا، پھر پلٹ کر اللہ کے پاس آؤں گا اور اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر ویسا ہی ہوگا جیسا پہلے ہوا تھا۔ اب کے پھر میرے لیے سفارش کی ایک حد مقرر کردی جائے گی، میں ان لوگوں کو بھی جنت میں پہنچا دوں گا۔ پھر تیسری بار اللہ کے پاس حاضر ہوں گا، اسی طرح پھر چوتھی بار اپنے رب کے پاس حاضر ہوں گا اور عرض کروں گا، اے میرے رب! اب تو دوزخ میں وہی لوگ رہ گئے ہیں جن کو قرآن نے روک لیا ہے اور جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔" [۱]

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾ ﴾

اور آپ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے خوبی کے ساتھ (مدینے میں) داخل کر اور خیر و خوبی کے ساتھ ہی (مکہ سے) نکال اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا فرما جس کو تیری مدد حاصل ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ معظّمہ میں مقیم تھے، پھر جب آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اس وقت آیت کریمہ (وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ) آخر تک نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں کہ مجھے بہترین داخل ہونے کی جگہ میں داخل فرمائیے اور میرا اپنے شہر سے نکلنا بھی میرے لیے اچھا بنا دیجیے (جس کا انجام

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ: (وعلم ادم الاسماء کلھا) ٤٤٧٦۔ مسلم، کتاب الایمان، باب أدنیٰ أھل الجنۃ منزلۃ فیھا: ۱۹۳]

مبارک ہو) اور میرے لیے اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیے جس میں آپ کی مدد بھی ہو۔[1]

مدخل صدق سے جائے ہجرت اور مخرج صدق سے مکہ معظّمہ مراد ہے مطلب یہ کہ مکہ معظّمہ سے اطمینان کے ساتھ نکل جاؤں دشمن کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے اور دار الہجرہ میں بھی خوبی کے ساتھ داخلہ ہو جائے اور پھر یہ داخلہ مبارک ہو جس کے بعد آپ کی طرف سے غلبہ بھی ہو اور نصرت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ دعا تلقین فرمائی پھر اس کو قبول فرمایا۔ پھر چند سال کے بعد آپ مکہ معظّمہ میں فتح، غلبہ اور نصرت الٰہی کے ساتھ داخل ہو گئے۔

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ سیدنا ابوبکرؓ نے بھی مدینہ جانے کی تیاری کی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے فرمایا: "ذرا ٹھہر جاؤ، امید ہے کہ مجھے بھی عنقریب ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔" سیدنا ابوبکرؓ نے عرض کی، آپ پر میرے والد قربان! کیا آپ کو امید ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں!" پھر سیدنا ابوبکرؓ ٹھہر گئے۔ ان کی بھی خواہش یہی تھی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہی ہجرت کریں۔ سیدنا ابوبکرؓ نے دو اونٹنیوں کو جو ان کے پاس تھیں، کیکر کے پتے کھلانا شروع کیے، چار ماہ تک وہ کھلاتے رہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ہم ٹھیک دوپہر کے وقت سیدنا ابوبکرؓ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک کہنے والا کہنے لگا، دیکھو! یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آ رہے ہیں۔ آپ سر ڈھانپے ہوئے ایسے وقت آئے جو عموماً آپ کے تشریف لانے کا وقت نہیں تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کی قسم! آپ جو اس وقت تشریف لا رہے ہیں تو ضرور کوئی بڑا کام ہے۔ اتنے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پہنچ گئے۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔

۱۔ (رواہ الترمذی فی التفسیر)

ابوبکرؓ نے اجازت دی تو آپ اندر تشریف لائے اور ابوبکرؓ سے فرمانے لگے: ”جو لوگ تمھارے پاس بیٹھے ہیں، انھیں باہر نکال دو۔“ انھوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! یہاں کون ہے، آپ ہی کے گھر والے ہیں، آپ پر میرا باپ قربان! آپ نے فرمایا: ”مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔“ ابوبکرؓ نے کہا، یارسول اللہ! مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیجیے، میرا باپ آپ پر قربان۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ہاں! تم میرے ساتھ چلو۔“ سیدنا ابوبکرؓ نے کہا، تو آپ ان دونوں اونٹنیوں میں سے کوئی ایک اونٹنی لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا: ”درست ہے مگر میں قیمتاً لوں گا۔“ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ اب ہم نے جلدی میں دونوں کے سفر کا سامان تیار کیا اور توشہ چمڑے کے ایک تھیلے میں رکھا۔ اسماءؓ نے اپنا کمر بند پھاڑا اور اس سے تھیلے کا منہ باندھا، تو اس روز سے اسماءؓ کا لقب ذات النطاق (یا ذات النطاقین) ہو گیا۔ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور سیدنا ابوبکر بدونوں روانہ ہو کر اس غار میں چلے گئے، جو ثور پہاڑ پر ہے، تین راتیں وہیں چھپے رہے۔ عبداللہ بن ابوبکرؓ جو جوان، سمجھدار اور ہوشیار تھے۔ رات کو غار میں جا کر ان کے پاس رہتے اور (صبح کے وقت) واپس آجاتے اور صبح قریش کے لوگوں کے ساتھ مکہ میں کرتے، پھر پورا دن ان کے ساتھ ہی گزارتے اور یوں ظاہر کرتے گویا انھوں نے رات بھی مکہ ہی میں گزاری ہے۔ وہ دن بھر جتنی باتیں بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکرؓ کو نقصان پہنچانے کی سنتے انھیں یاد رکھتے اور جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تو (غار میں آکر) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکرؓ کو سنا دیتے۔ عامر بن فہیرہؓ جو ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، ایک دودھ دینے والی بکری کو غار کے پاس ہی چرایا کرتے تھے، پھر جب ایک گھڑی رات گزر جاتی تو وہ اس بکری کو لے کر اس غار میں آجاتے اور یوں وہ دونوں تازہ دودھ پی کر رات بسر کر لیتے اور وہ صبح سے پہلے ہی

بکری کو لے کر واپس آ جاتے اور یوں تین راتوں تک وہ برابر ایسا ہی کرتے رہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکرؓ نے بنی الدیل قبیلے کے ایک شخص کو راہ بتانے کے لیے اجرت پر رکھا۔ یہ راستوں کا بڑا ماہر تھا اور عبد بن عدی کے خاندان کا فرد تھا اور عاص بن وائل سہمی کے خاندان کا حلیف تھا۔ یہ شخص اسی دین پر تھا جس پر قریش کے کافر تھے۔ دونوں نے اس پر اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے سپرد کر دیں اور اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ تین راتوں کے بعد اونٹنیاں لے کر غار ثور پر آ جائے گا۔ وہ (حسب وعدہ) تیسری رات کی صبح اونٹنیاں لے کر حاضر ہو گیا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، ابوبکرؓ اور عامر بن فہیرہ اس راستہ بتانے والے شخص کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستہ بتانے والے نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔ سراقہ بن جعشمؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قریش کے کافروں کا ایلچی آیا۔ اس نے اعلان کیا کہ جو شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکرؓ کو قتل کر دے، یا قید کر کے لے آئے تو اسے ہر ایک کے بدلے میں سو اونٹ دیے جائیں گے۔ میں بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں بنی مدلج قبیلے کا ایک شخص آیا اور ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگا، سراقہ! میں نے ابھی چند آدمی دیکھے ہیں جو ساحل کے راستہ سے جا رہے تھے، میں سمجھتا ہوں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھی ہیں۔ سراقہ نے کہا، میں دل میں سمجھ گیا کہ یہ وہی لوگ ہونگے، لیکن میں نے کہا، یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھی نہیں ہیں، تو نے جن کو دیکھا وہ فلاں فلاں ہونگے، وہ ہمارے سامنے سے ابھی گئے ہیں۔ اس کے بعد میں تھوڑی دیر اس مجلس میں ٹھہرا رہا، پھر کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی لونڈی سے کہا کہ وہ میرے گھوڑے کو لے کر ٹیلے کے پیچھے چلی جائے اور وہیں میرا انتظار کرے، پھر میں نے اپنا نیزہ سنبھالا اور اپنے گھر کی پشت کی طرف سے باہر آ

گیا، میں نے نیزہ کی نوک کو زمین پر ٹکایا اور برچھے کے اوپر کے حصے کو جھکایا۔ اس طرح میں اپنے گھوڑے کے پاس آیا اور اس پر سوار ہو کر اس کو سرپٹ دوڑایا۔ جب میں آپ کے قریب پہنچا تو میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا۔ پھر میں کھڑا ہوا اور میں نے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر تیر نکالے اور ان سے فال نکالی کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں۔ فال وہ نکلی جس کو میں پسند نہیں کرتا تھا۔ میں نے فال کی پروا نہ کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا مجھ کو لیے ہوئے سرپٹ بھاگ رہا تھا، یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میری طرف کوئی توجہ نہیں کر رہے تھے، لیکن ابوبکر بار بار مڑ کر دیکھتے تھے۔ اتنے میں میرے گھوڑے کی اگلی ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں اور میں پھر سے گر پڑا۔ میں نے گھوڑے کو ڈانٹا، وہ اٹھا، مگر معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ ٹانگیں زمین سے نہ نکال سکے گا۔ جب وہ سیدھا کھڑا ہو گیا تو اس کی دونوں ٹانگوں سے ایک گرد نکلی جو دھویں کی طرح آسمان پر بلند ہو گئی۔ میں نے پھر تیروں سے فال نکالی تو وہ پھر میرے خلاف نکلی۔ آخر میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں کو امان کے لیے پکارا تو وہ ٹھہر گئے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا۔ وہ رکاوٹیں جو مجھے پیش آئیں ان سے میں سمجھ گیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عنقریب غالب آ جائیں گے۔ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی، آپ کی قوم والوں نے آپ کے لیے انعام مقرر کیا ہے اور میں نے وہ سب خبریں بیان کیں جو قریش سے آپ کے متعلق سنی تھیں۔ میں نے ان کی خدمت میں کچھ سامان اور توشہ پیش کیا، لیکن نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کوئی چیز نہیں لی اور نہ مجھ سے کسی اور چیز کا مطالبہ کیا، البتہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اتنا فرمایا کہ

ہمارا حال پوشیدہ رکھنا۔ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کی کہ امن کی ایک سند مجھے لکھ دیجیے۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تو اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر سند لکھ دی اور یوں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آگے روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (راستے میں) سیدنا زبیرؓ ملے جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے لوٹ کر آرہے تھے۔ زبیرؓ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ابوبکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔ ادھر مدینہ والوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مکہ سے نکلنے کی خبر ہو گئی تھی، وہ ہر صبح مقام حرہ تک آتے اور آپ کا انتظار کرتے رہتے، یہاں تک کہ دوپہر کی گرمی انھیں واپس جانے پر مجبور کرتی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مسلمان بڑی دیر تک انتظار کر کے واپس لوٹ گئے۔ جب وہ اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو ایک یہودی کسی کام سے ایک ٹیلے پر چڑھا، اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ دور سے سفید نظر آرہے تھے۔ آپ جتنا قریب آرہے تھے اتنا ہی سراب (یعنی ریت کا چمکنا) کم ہوتا جاتا تھا۔ یہودی سے یہ دیکھ کر رہا نہ گیا، وہ بے اختیار زور سے پکارنے لگا، عرب کے لوگو! یہ تمہارے بزرگ سردار آ گئے، جن کا تمھیں انتظار تھا۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں نے ہتھیار سنبھالے اور انھوں نے حرہ پہنچ کر آپ کا استقبال کیا، آپ سے ملاقات کی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے ساتھ داہنی طرف مڑ گئے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جا ٹھہرے۔ یہ پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کا مہینا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہو کر لوگوں سے ملاقات کرنے لگے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاموش بیٹھے رہے۔ بہت سے انصاریوں نے کہ جنھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہیں دیکھا تھا، وہ ابوبکر ہی کو سلام کرتے رہے، یہاں تک کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم) پر دھوپ آ گئی، تو سیدنا ابوبکر صدیق آئے اور اپنی چادر سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سایہ کیا۔ اس وقت سب لوگوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہچان لیا۔ آپ نے دس سے کچھ زیادہ دن بنی عمرو بن عوف کے محلے میں قیام فرمایا اور اس مسجد کی بنیاد ڈالی جو تقویٰ پر قائم کی گئی تھی (یعنی مسجد قبا) اور وہیں نماز پڑھتے رہے۔ پھر (ایک دن) آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور (مدینہ کی طرف) روانہ ہوئے، لوگ آپ کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ چلتے چلتے آپ کی اونٹنی وہاں جا کر بیٹھ گئی جہاں اب مدینہ میں مسجد نبوی ہے۔ اس زمانہ میں وہاں چند مسلمان نماز پڑھتے تھے، وہ زمین دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی اور یہاں کھجور کا کھلیان لگتا تھا۔ وہ اسعد بن زرارہ کی پرورش میں تھے۔ جب آپ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا: "انشاء اللہ! یہی ہماری منزل ہے۔" پھر آپ نے ان دونوں لڑکوں کو بلایا اور ان سے اس زمین کی قیمت پوچھی، تاکہ آپ اس جگہ کو مسجد بنائیں۔ انھوں نے کہا، یا رسول اللہ! ہم یہ زمین آپ کو ہبہ کرتے ہیں، قیمت نہیں لیں گے، لیکن آپ نے مفت لینے سے انکار کر دیا اور وہ زمین ان سے خرید لی۔ پھر آپ نے وہاں مسجد بنائی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود بھی مسجد کی تعمیر کے لیے مسلمانوں کے ساتھ اینٹیں اٹھاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے: "یہ (نیکی کا) بوجھ (ہے)، خیبر (میں پتھر وغیرہ اٹھانے) کا بوجھ نہیں ہے۔ اے ہمارے رب! یہ (بہت بڑی) نیکی اور پاکیزہ کام ہے۔" [1]

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

1۔ [بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب هجرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وأصحابہ إلی المدینۃ: ۳۹۰۵، ۳۹۰۶]

زَهُوْقًا ﴿٨١﴾

اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اعلان کر دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بتوں کے مجسمے کھڑے ہوئے ہوئے تھے بعض علماء نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے (قرطبی) آپ جب وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور اپنی لکڑی ایک ایک بت کے سینے میں مارتے جاتے تھے۔[١]

اس آیت کریمہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ فتح ہوگا اور آپ اس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونگے۔ کعبہ کے اردگرد رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو توڑیں گے اور اپنی زبان مبارک سے کہیں گے کہ اب حق آ پہنچا اور باطل کی کمر ٹوٹ گئی اور حق کی جولانیوں کے سامنے باطل کب ٹھہر سکتا ہے؟ جیسا کہ ارشاد فرمایا: (بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ)[الأنبياء: ١٨] "بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا دماغ کچل دیتا ہے، پس اچانک وہ مٹنے والا ہوتا ہے۔" اور فرمایا: (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

١۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ)[الصّف:۹] ”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک لوگ ناپسند کریں۔“ اور فرمایا: (وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ)[الانفال:۷،۸] ”اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ جو کانٹے والا نہیں وہ تمھارے لیے ہو اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں کے ساتھ سچا کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ تاکہ وہ حق کو سچا کر دے اور باطل کو جھوٹا کر دے، خواہ مجرم ناپسند ہی کریں۔“ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں، فتح مکہ کے دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت خانہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ اپنے ہاتھ کی چھڑی سے انھیں کچوکے مارتے جا رہے تھے اور یہ آیات پڑھتے جا رہے تھے: (جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا)[بنی اسرائیل:۸۱] ”حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے والا تھا۔“ اور (جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ)[سبا:۴۹] ”حق آ گیا اور باطل نہ پہلی دفعہ کچھ کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔“[۱]

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وقل جاء الحق وزھق الباطل): ۴۷۲۰۔ مسلم، کتاب الجھاد، باب إزالة الأصنام من حول الکعبة: ۱۷۸۱]

يَزِيدُ الظّٰلِمِينَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ
اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ
يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى
سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع

اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور یہ ظالموں کے لیے سوائے نقصان کے اور کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ (۸۲) اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو نا امید ہو جاتا ہے ۔(۸۳) آپ فرما دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام میں لگا ہوا ہے سو تمہارا پروردگار اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے راستے پر ہے۔ (۸۴)

قرآن مجید میں تمام لوگوں کے لیے روحانی بیماریوں کا علاج ہے اور ایمان والوں کے لیے تو وہ سراسر ہدایت اور رحمت ہے۔ ظالموں کے نقصان میں اضافہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ظالم قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ جیسے جیسے قرآن مجید کی آیتیں اترتی ہیں ان کی ضد، مخالفت اور حسد میں اضافہ ہوتا

ہے۔ یہ چیزیں نہ صرف ان کے لیے آخرت میں باعث عذاب ہیں، بلکہ دنیا میں بھی ان کی ذلت کا سبب ہیں۔ ارشاد فرمایا: (يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ) [يونس: ٥٧] ”اے لوگو! بیشک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے عظیم نصیحت اور اس کے لیے سراسر شفا جو سینوں میں ہے اور ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور رحمت آئی ہے۔“ اور فرمایا: (قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ) [حٰمٓ السجدة: ٤٤] ”کہہ دے یہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا ہونے کا باعث ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں بہت دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“ اور فرمایا: (وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○۱۲۴ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ) [التوبة: ١٢٤، ١٢٥] ”اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کو ایمان میں زیادہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی میں زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔

”سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوران سفر میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا تو ایک لڑکی آئی اور کہنے لگی، اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے اور ہمارے قبیلے کے مرد موجود نہیں ہیں، کیا تم میں کوئی دم

کرنے والا ہے؟ تو ایک آدمی اس کے ساتھ چل دیا، حالانکہ ہم نے کبھی نہیں سنا تھا کہ وہ دم کرتا ہے، لیکن اس نے دم کیا اور سردار ٹھیک ہو گیا۔ سردار نے دم کرنے والے کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہمیں دودھ بھی پلایا۔ جب دم کرنے والا پلٹ کر واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا، کیا تو اچھی طرح دم کرنا جانتا ہے؟ اس نے کہا، نہیں! میں نے تو بس سورہ فاتحہ پڑھی اور پھونک ماردی۔ [۱]

سیدنا ابوامامہ باہلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سورہ بقرہ (ضرور) پڑھا کرو، کیونکہ اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" [۲]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ہم انسان کو کوئی انعام دیتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلوتہی کرتا ہے، اور جب اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۸۳)

انسان کا کمزور دل اور ناشکرا ہونا

اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ نوع انسان کے اکثر افراد کا یہ حال ہے کہ جب انہیں اپنا مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل ہو جاتے ہیں اور بغاوت اور سرکشی پر اتر آتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ ان کی ناشکری کی وجہ سے ان سے وہ نعمت چھین لیتا ہے یا ان کے ظلم اور جرم کی پاداش میں ان پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہے تو پھر وہ مایوس ہو جاتے ہیں جیسا کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاما الانسان اذا ما ابتلہ ربہ فاکرمہ ونعمہ فیقول ربی اکرمن۔ واما اذا ما ابتلہ فقدر علیہ

۱۔[بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب: ۵۰۰۷]

۲۔[مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن وسورہ البقرۃ: ۸۰۴]

رزقہ فیقول ربی اھانن۔(الفجر:۱۵،۱۶) پس جب انسان کا اس کا رب امتحان لیتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دار بنایا۔اور جب اس کا رب اس کی آزمائش کرتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے میری اہانت کی۔ان الانسان خلق ھلوعا۔اذا مسہ الشر جزوعا۔واذا مسہ الخیر منوعا۔(المعارج:۲۱۔۱۹) انسان بہت کمزور دل بنایا گیا ہے۔جب اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے۔اور جب اسے راحت پہنچتی ہے تو وہ بخل کرنے لگتا ہے۔

ہر شخص اپنی طبیعت پر چلتا ہے

یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبیعت اور مذہب پر چلتا اور اسی میں مگن رہتا ہے۔لیکن یاد رہے کہ خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہوسکتا وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات وسکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس قدر کجروی اور کجراہی ہے ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔

قتادہؒ کا قول ہے اس قرآن کے ساتھ جو کوئی بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لے کر اٹھتا ہے، یا کچھ نقصان کرکے، اللہ فیصلہ کرچکا ہے کہ یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور کفار کے لیے موجب خسارہ۔

یہی مفہوم ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس قول کا کہ ہر شخص کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔متفق علیہ عن علی (رح) بن ابی طالب مرفوعاً۔

حضرت ابودرداءؓ: کا بیان ہے، ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر تھے اور باہم

گفتگو کر رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا' لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی سرشت سے بدل گیا ہے تو نہ ماننا کیونکہ وہ (عارضی طور پر اگرچہ اپنی سرشت کو چھوڑے ہوئے نظر آئے گا۔ لیکن بالآخر) اسی جبلت کی طرف لوٹ آئے گا جس پر اس کی تخلیق ہوگی۔ (رواہ احمد)

بیضاویؒ نے کہا ہر شخص اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کی حالت کے مناسب ہوتا ہے گمراہی کا ہو یا ہدایت کا اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کے جوہر روح اور ان احوال کے مناسب ہوتا ہے جو اس کے مزاج جسمانی کا تقاضا ہیں۔

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ ﴾

اور (اے پیغمبر) وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپفرمادیجیے کہ روح میرے رب کا حکم ہے، اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

شان نزول: (آیت) "۔ویسئلونک عن الروح"۔ (الخ)

امام بخاریؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مدینہ منورہ میں جا رہا تھا۔ آپ کھجور کی ایک چھڑی پر ٹیک دیے ہوئے تھے، آپ کا گزر کچھ یہودیوں کے پاس سے ہوا وہ آپس میں کہنے لگے کہ ان سے کچھ پوچھو، چنانچہ وہ

بولے کہ ہم سے روح کے بارے میں بیان کیجیے، آپ یہ سن کر کچھ دیر کھڑے ہوئے اور اپنا سر مبارک اوپر کو اٹھایا میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے یہاں تک کہ وحی بند ہوگئی تو آپ نے ان سے فرمایا (آیت) "الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا"۔ اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی بات بتاؤ، جو ہم اس شخص یعنی رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھیں یہودیوں نے کہا کہ آپ روح کے بارے میں دریافت کرو، چنانچہ قریش نے آپ سے دریافت کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے، حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں متعدد نزول کی توجیہہ سے مطابقت پیدا کی جائے گی یہی قول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس توقع میں کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اور مزید تفصیل بتادے، اس لیے سکوت اختیار فرمایا ہو ورنہ تو پھر صحیح بخاری کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت کو اس حیثیت سے بھی ترجیح حاصل ہے کہ اس روایت کے راوی واقعہ کے وقت موجود ہیں، برخلاف حضرت ابن عباسؓ کے وہ واقعہ کے وقت موجود نہیں۔

روح وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی، لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہودیوں نے بھی ایک مرتبہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کی بابت پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں قلیل ہے اور یہ روح جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، اس کا علم تو اللہ نے انبیاء سمیت کسی کو بھی نہیں دیا۔ بس اتنا سمجھو کہ یہ میرے رب کا امر (حکم) ہے، یا میرے رب کی شان میں

سے ہے جس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایک کھیت میں چل رہا تھا۔ آپ کھجور کی چھڑی کے سہارے چل رہے تھے۔ اتنے میں کچھ یہودی سامنے سے گزرے۔ وہ آپس میں کہنے لگے، ان سے پوچھو! روح کیا چیز ہے؟ پھر کسی نے کہا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی ایسی بات کہیں جو تم کو ناگوار گزرے، مگر ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے، تو ان میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا، اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ کچھ دیر خاموش رہے، ان کو کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی آرہی ہے۔ تو میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا، جب وحی اتر چکی تو آپ نے یہ آیت پڑھی: (وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوۡحِؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا) "اور وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں علم میں سے بہت تھوڑے کے سوا نہیں دیا گیا۔" [1]

روح پر بھی موت آتی ہے یا نہیں

علامہ شمس الدین ابی عبداللہ بن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

آیا روح پر موت آتی ہے یا نہیں اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا روح پر بھی موت آتی ہے اور وہ موت کا مزہ چکھتی ہے اور ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور دلائل سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی:

۱۔ [بخاری، کتاب العلم، باب قول اللہ تعالیٰ: (وما أوتيتم من العلم إلا قليلاً): ۱۲۵۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب سؤال الیھود النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عن الروح۔۔الخ: ۲۷۹۴]

کل من علیھا فان۔ ویبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔(الرحمن:٢٦،٢٧) ہر وہ چیز جوزمین پر ہے فنا ہونے والی ہے۔صرف آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو بزرگی اورعزت والی ہے۔

کل شیء ھالک الا وجھہ۔(القصص:٨٨)اس کے چہرے(ذات) کےسوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اورجب ملائکہ پربھی موت آئے گی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روح پر موت نہ آئے۔

محققین کا یہ کہنا ہے کہ ارواح پر موت نہیں آئے گی کیونکہ ارواح کو بقا کے لیے پیدا کیا گیا ہے، موت صرف ابدان پرآئے گی اوراس کی دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ موت کے بعد جب روحوں کودوبارہ ان کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا تو پھران کو جوعذاب یا ثواب ہوگا وہ دائمی ہوگا اوراگر روحوں پراموت آتی توان کا ثواب یاعذاب دائمی نہ ہوتا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء عند ربھم یرزقون۔فرحین بما اٰتھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولاھم یحزنون۔(آل عمران:١٦٩،١٧٠) جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اورنہیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے۔وہ اللہ کے دیئے ہوئے فضل سے خوش ہیں اوران لوگوں کے متعلق خوش ہورہے ہیں جوابھی تک ان سے نہیں ملے،اس پر کہ انہیں نہ کوئی خوف ہےاورنہ وہ غم گین ہونگے۔

جبکہ قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ ان کی روحیں ان کے جسموں سے نکل چکی ہیں اوران کے جسموں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے، وار صحیح ی ہے ہ کہ روحوں کی موت یہ ہے کہ وہ جسموں سے نکل جائیں پس اگر روح کی موت سے اس معنی کا ارادہ کیا جائے تو پھر صحیح ہے اوراگر روحوں کی موت سے یہ ارادہ کیا جائے

کہ وہ معدوم ہوجائیں گی اور عدم محض ہوجائیں گے تو پھر یہ صحیح نہیں ہے۔(الروح: ۳۳،۳٤، مطبوعہ دارالحدیث: مصر ۱٤۱۰ھ)

جسم پر موت آنے کے بعد روحیں کہاں رہتی ہیں

اس میں بھی کافی اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں ہوں گی خواہ وہ شہید ہوں یا نہ ہوں، بشرطیکہ کوئی گناہ کبیرہ یا قرض ان کو جنت میں جانے سے روک نہ لے۔

۲۔ایک جماعت نے کہا وہ جنت کے صحن میں دروازہ پر ہوں گی اور ان کے پاس جنت کی خوشبو اور اس کا رزق پہنچے گا۔

۳۔ایک جماعت نے کہا وہ اپنی قبروں کے صحنوں میں ہوں گی۔

۴۔امام مالک نے کہا کہ روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہے چلی جائے۔

۵۔ایک روایت کے مطابق امام احمد نے کہا کفار کی روحیں دوزخ میں ہوں گی اور مومین کی روحیں جنت میں ہوگی۔

٦۔کعب نے کہا مومنین کی ارواح علیین میں ساتویں آسمان میں ہوں گی اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں ہوں گی۔

۷۔ایک جماعت نے کہا مومنین کی روحیں حضرت آدم کی دائیں طرف ہوں گی اور کافروں کی روحیں حضرت آدم کے بائیں طرف ہوں گی۔

۸۔ابن حزم نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فاما ان کان من المقربین۔فروح وریحان وجنۃ نعیم۔(الواقعہ:۸۸،۸۹) پس اگر مرنے والا مقربین میں سے ہو۔تو اس کو راحت، غذائیں اور نعمت والی جنت ملے گی۔

پس تمام روحیں جنت میں رہیں گی، حتی کہ ان تمام روحوں کو ان کے جسموں میں پھونک دیا جائے، پھر یہ روحیں برزخ کی طرف لوٹ جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ان کو دوسری بار جسموں میں لوٹائے گا اور یہ دوسری زندگی ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کا حساب لے گا ایک فریق ہمیشہ کے لیے جنت میں جائے گا اور دوسرا فریق ہمیشہ کے لیے دوزخ میں جائے گا۔ (۱)

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے یعنی روح اس امر سے ہے کہ جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بعض علماء نے کہا عالم خلق وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مادہ سے پیدا فرماتا ہے اور عالم امر وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کسی چیز کو صرف لفظ کن سے پیدا فرماتا ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ

۱۔(الروح، ص ۸۷،۸۸، مطبوعہ دار الحدیث: مصر، ۱۴۱۰ھ)

لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ
كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے اسے لے جائیں (سلب کر لیں) پھر آپ اس کے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائیں گے۔(۸۶) مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (جو تمہیں عطا ہوئی ہے)۔ بیشک اس کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے۔(۸۷) آپ فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جنات سارے اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل لائیں تو نہیں لا سکیں گے۔(۸۸) اور بلاشبہ ہم نے لوگوں کے لیے قرآن کو طرح طرح سے سمجھایا، پھر بھی اکثر لوگوں نے ناشکری ہی کی۔(۸۹)

اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر قرآن کریم جیسی عظیم ترین نعمت کا احسان جتلا رہا ہے کہ جو مومنوں کے ہر درد کا درماں اور مجسم رحمت ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اسے آپ کے سینے اور صفحہ قرطاس سے مٹا دیتا اور ایک آیت بھی باقی نہ رہتی اور کوئی ہستی بھی ایسی نہ ہوتی جو اللہ تعالیٰ کو اس سے روک سکتی، لیکن اس کا یہ فضل و کرم ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ وہ قیامت تک اس کی حفاظت فرمائے گا اور آپ کی نبوت کی صداقت پر دلیل و حجت بنا کر اسے باقی رکھے گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اللہ کا یہی فضل و کرم نہیں ہے بلکہ اس کے احسانات آپ پر بیشمار ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا، آسمان کی زیارت کروائی،

معراج کی رات بیت المقدس میں آپ نے انبیاء کی امامت کرائی اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت عظمیٰ کی اجازت دے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن اور وحی جسے اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کیا ہے وہ آپ پر اور بندوں پر رحمت اور احسان ہے قرآن اور وحی علی الاطلاق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ فضل وکرم ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔۔ پس جس ہستی نے آپ پر یہ فضل وکرم کیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ اسے واپس لے لے پھر آپ کوئی ایسی ہستی نہیں پائیں گے جو یہ فضل وکرم واپس لا سکے اور آپ کو کوئی ایسا وکیل اور کارساز نہیں ملے گا جو اللہ کے حضور اس بارے میں بات کر سکے۔ پس آپ کو اس بارے میں خوش ہوتا چاہیے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہنی چاہیں اور تکذیب کرنے والوں کی تکذیب اور گمراہوں کا استہزاد تمسخر آپ کو غم زدہ نہ کرے۔ اس لیے کہ لوگوں کے سامنے جلیل ترین نعمت پیش کی گئی انہوں نے اسے ٹھکرادیا۔ کیونکہ یہ اللہ کے نذدیک بہت حقیر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔

شان نزول: (آیت) ”قل لئن اجتمعت الانس والجن“۔ (الخ)

ابن اسحاق ؒ اور ابن جریرؒ نے سعیدؒ یا عکرمہؒ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہودیوں کی ایک جماعت میں آئے تو وہ (یہودی) لوگ کہنے لگے کہ ہم آپ کا اتباع کیسے کریں، حالانکہ آپ نے ہمارا قبلہ بھی چھوڑ دیا ہے اور یہ جو قرآن کریم آپ لے آئے ہیں اس میں ہم تورات کی طرح اتصال نہیں دیکھتے تو ہمارے لیے ایسی کتاب نازل کروایئے جسے ہم پہچانتے ہوں ورنہ ہم آپ کے پاس جیسی آپ کتاب لے کر آئے ہیں ویسی کتاب لے کر آتے ہیں، اس

پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی آپ فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا لائیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے، اس قرآن کریم میں ہر وہ بات اور مثال بیان کردی ہے جس میں غور و فکر انھیں راہ راست پر لا کر کھڑا کر دے، لیکن بنی نوع انسان کا حال عجیب رہا ہے کہ اکثر لوگوں نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ کفر کی راہ اختیار کرلی اور قرآن کی تکذیب کی اور یہ اس قضائے الٰہی کے مطابق ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لشکر ابلیس سے جہنم کو بھر دے گا۔

﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾ ﴾

اور کافر کہنے لگے کہ ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کردیں۔(۹۰) یا خود آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک عظیم الشان باغ ہو، پھر آپ اس میں طرح طرح کی نہریں جاری کردیں۔(۹۱)

شان نزول: (آیت) ”وقالوا لن نؤمن لک“۔ (الخ)

ابن جریرؒ نے بواسطہ ابن اسحاق شیخؒ عکرمہؒ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ عتبہ، شیبہ، ابوسفیان اور عبدالدار کا ایک شخص اور ابوالبختر ی، اسود بن مطلب، ربیعۃ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل عبداللہ بن امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، منبیہ بن حجاج منبہ بن الحجاج، ان سب نے باہم جمع ہوکر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا کہ آپ اپنی قوم میں جو بات لے کر آئے ہیں، ہمارے علم میں عرب میں سے کوئی بھی ایسی بات لے نہیں آیا، تم نے آباؤ اجداد کو برا کہا دین کو عیب لگایا اور نوعمروں کو بیوقوف بنایا، بتوں کو گالیاں دیں اور جماعت میں تفرقہ ڈالا، سو کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو تم نے ہمارے اور اپنے درمیان نہ کی ہو، اگر تم یہ باتیں مال حاصل کرنے کے لیے کرتے ہو تو ہم اپنے مال تمہارے لیے جمع کر دیتے ہیں تاکہ تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ، اور اگر تم ہمارے اندر عزت اور شرافت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا دیتے ہیں اور اگر تمہارے پاس یہ لانے والا جو کچھ لے کر آتا ہے کوئی جن ہے کہ جس کا تم پر غلبہ ہو گیا تو ہم آپ کا علاج کرانے اور اس سے آپ کو چھٹکارا دلانے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں یہ سن کر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جو کچھ تم کہہ رہے ہو ان میں سے میرے اندر کوئی بھی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور میرے اور میرے اوپر کتاب نازل کی ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوشخبری سناؤں اور ڈراؤں یہ سن کر یہ لوگ بولے کہ اگر آپ ہماری پیشکش کو نہیں قبول کرتے تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ تمام شہروں میں ہمارے شہر سے زیادہ تنگ اور کوئی شہر نہیں اور نہ ہم سے کم مال والا اور تنگ معیشت والا اور کوئی ہے تو آپ ہمارے لیے اپنے اس پروردگار سے دعا کیجیے کہ جس نے آپ کو بھیجا ہے کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو چلا کر دور کر دے جن سے ہم پر تنگی ہو رہی ہے اور ہمارے لیے ہمارے

شہروں کو کشادہ کر دے۔ اور اس میں شام اور عراق کی طرح نہریں جاری کر دے اور ہمارے جو آباؤ اجداد مر چکے ہیں، ان کو ہمارے لیے زندہ کر دے اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اپنی باتوں کی تصدیق کرانے کے لیے اپنے پروردگار سے ایک فرشتہ کی درخواست کراؤ جو آ کر تمہاری تصدیق کرے اور ہمارے باغات اور خزانے اور سونے چاندی کے محلات تعمیر کر دے تا کہ جس چیز کی تلاش میں ہم آپ کو دیکھیں اس پر آپ کی مدد کر سکیں کیونکہ ہم آپ کو بازاروں میں کھڑا ہوا اور روزی کی تلاش کرتا ہوا دیکھتے ہیں اور اگر آپ ایسا کر سکتا ہے کیونکہ ہم تو جب کہ آپ ان باتوں میں سے کوئی بات نہ پوری کریں ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے یہ سن کر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان لوگوں کے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بھی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کی قوم نے آپ کے سامنے کئی باتیں رکھیں، مگر آپ نے ان میں سے ایک بھی قبول نہیں کی پھر انہوں نے اپنی ذات کے لیے کچھ باتوں کی درخواست کی تا کہ ان کے ذریعے سے آپ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مقام سے اس کو پہچان لیں اگر آپ نے ایسا بھی نہیں کیا پھر جس عذاب سے آپ ان کو ڈراتے ہیں، اس عذاب کے جلدی نازل ہونے کی انہوں نے درخواست کی، اللہ تعالیٰ کی قسم میں تو ہرگز آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ آپ آسمان پر چڑھنے کے لیے ایک سیڑھی نہ بنائیں پھر آپ اس پر چڑھیں اور میں آپ کو خود دیکھوں اور جب آپ وہاں سے آئیں اور آپ کے ساتھ ایک تحریر ہو اور مزید یہ کہ آپ کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو آپ کے دعوے کی گواہی دیں کہ آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔

یہ سن کر رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہاں سے غمگین ہو کر چل دیئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو

عبداللہ بن ابی امیہ نے آپ سے کہا تھا، اسی کے قول کو براہ تردید آپ نازل کر دیا اور سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں (آیت) "وقالوا لن نؤمن لک"۔ کی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر کا قول روایت کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ عبداللہ بن ابی امیہ کے بارے نازل ہوئی ہے، امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح اور اس سے پہلے والی روایت کے لیے شاہد ہے اس کی سند میں جو ابہام ہے اس کا اس مرسل سے انجبار ہوگیا۔

فرمائشی معجزات نازل نہ کرنے کی وجوہات

علامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ ھ لکھتے ہیں:

نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کفار مکہ نے چند معجزات کا مطالبہ کیا کہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے پیچھے دھکیل دیا جائے اور آپ پر فرشتے نازل کیے جائیں وغیرہ وغیرہ اور یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے امتحان لینے کی حکمت سے جہالت تھی کہ اس کے بندے رسولوں کی تصدیق کریں اور دلائل میں غور وفکر کر کے ایمان لائیں اور اس وجہ سے ان کو ثواب ملے، اور اگر تمام حجابات اٹھا دیے جاتے اور ان کو رسولوں کی بعثت کا بداہتاً علم ہو جاتا تو پھر ثواب اور عذاب دینے کی حکمت ہی باطل ہو جاتی کیونکہ جس کام میں انسان کے غور وفکر کا کسب نہ ہو اس پر اس کو اجر نہیں دیا جاتا، اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت پر ایسے معجزات اور دلائل فراہم کیے جن میں انسان کے غور وفکر کا دخل ہو اور وہ ان دلائل میں غور وفکر کر کے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کرے تاکہ اس کو اجر کا مستحق قرار دیا جا سکے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ وہ انسانوں سے ایسا کلام کرتا جس کو وہ سن سکتے اور وہ اس سے مستغنی ہو جاتے کہ ان کی طرف کسی رسول کو بھیجا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اور دیگر امور غیبیہ کی تصدیق کی دو قسمیں کیں۔ دنیا میں نبی کی

تصڈیق کو دلائل کے ساتھ غور وفکر پر مبنی کیا کیونکہ دنیا دار تکلیف اور دار امتحان ہے اور یہاں نبی کی تصڈیق کرنے اور نہ کرنے کو ثواب اور عذاب پر مرتب کیا، اور آخرت میں نبی کی تصدیق اضطراری اور بدیہی طور پر ہو جائے گا کیونکہ جن چیزوں کی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دنیا میں خبر دی تھی ان سب کا مشاہدہ انسان کی آنکھ کرلے گی اور آخرت کی تصڈیق میں کوئی ثواب اور جزا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں انسان کے کسی امتحان اور کسی آزمائش کا دخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح کفار قریش نے جن معجزات کا مطالبہ کیا تھا کہ فرشتے آکر ان سے باتیں کریں، اور وہ اللہ اور فرشتوں کو بے حجاب دیکھیں اس سے اضطراری اور غیر اختیاری طور پر نبوت اور دیگر امور غیبیہ کی تصدیق ہو جاتی ہے اور ان کے امتحان اور آزمائش کا کوئی موقع نہ رہتا اور ثواب اور عذاب کا استحقاق بے معنی ہو جاتا اور نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے کی حکمت باطل ہو جاتی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے فرمائشی معجزات پورے کیے جیسے حضرت صالح کی قوم کے مطالبہ پر پتھر کی چٹان سے اونٹنی اور اس کے بچہ کو برآمد کیا لیکن ان کی قوم پھر بھی ایمان نہیں لائی اور حضرت صالح کی تکذیب کی اور وہ اونٹنی جو اللہ کی نشانی تھی اس کی بے حرمتی کی اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے، قرآن مجید میں ہے:

ومامنعنا ان نرسل بالایت الا ان کذب بھا الاولون۔ (بنی اسرائیل: ۵۹) اور ہمیں (فرمائشی) معجزات نازل کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ پچھلی امتوں کے لوگ ان کی تکذیب کر چکے تھے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کسی حقیقت تک پہنچنے کے لیے معجزات طلب نہیں کر رہے، نہ کسی

الجھن اور شک وشبہ کو دور کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ محض عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کے طور پر سوالا کر رہے ہیں اور اگر بالفرض ان کی فرمائش کو پورا کر بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کے یہ مطالبات صرف کٹ حجتی پر مبنی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات پورے نہیں کیے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کی فرمائش پر کوئی معجزہ نازل کیا جائے اور وہ قوم پھر بھی ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ وہ اس قوم پر عذاب نازل کر کے اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے:

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔ (الانفال: ۳۳) اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل فرمائے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ کسی انسان کے یقین اور اطمینان کے لیے جتنے معجزات کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نازل کر چکا تھا، اب مزید معجزات کی ضرورت نہ تھی۔ [1]

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا

۱۔ (الروض الانف ج ۲ ص ۴۹۔۴۷، ملخصا، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نَّقۡرَؤُهٗ ؕ قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾ ع

یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرا دیں جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آئیں۔ (۹۲) یا آپ کے لیے سونے کا کوئی گھر ہو یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتار لائیں جس کو ہم خود پڑھیں، آپ فرمائیے: میرا رب پاک ہے، میں تو صرف ایک بشر (اور اللہ کا) رسول ہوں۔ (۹۳)

یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ان نشا نخسف بهم الارض او نسقط عليهم كسفا من السماء (السبا رکوع 1)

یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے اگر کہہ دے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ نے قبیل کا ترجمہ کفیل کیا ہے یعنی اللہ اور ملائکہ کو اپنے دعوے (کی صداقت) کا ذمہ دار اور کفیل بنا کر پیش کرو جو شہادت دیں کہ تمہاری بات صحیح ہے اگر اس بات کو ماننے سے ماننے والوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار اللہ اور ملائکہ ہوں گے۔ قتادہ نے قبیلاً کا ترجمہ کیا مقابلاً آمنے سامنے یعنی ہمارے آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء نے کہا عرب بولتے ہیں لَقِيۡتُ فُلَانًا قِبِيۡلًا وَ قُبُلًا میں نے فلاں شخص سے دو در دو ملاقات کی۔ اس ترجمہ پر قبیلاً الملائکۃ سے حال ہوگا۔ مجاہد نے کہا قبیل

قبیلۃ کی جمع ہے قبیلاً سے مراد ہے قسم یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔

اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا : ارشاد فرمایا: (اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡهِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ)[سبا:۹] ”تو کیا انھوں نے اس کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان وزمین میں سے ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اگر ہم چاہیں انھیں زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دیں۔ یقیناً اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور ایک نشانی ہے۔“ کفار مکہ نے بھی کہا تھا: (اللّٰهُمَّ اِنۡ کَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ)[الانفال: ۳۲] ”اے اللہ! اگر صرف یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔“ اور فرمایا: (وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَآ اِلَیۡهِمُ الۡمَلٰٓئِکَةَ وَکَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰی وَحَشَرۡنَا عَلَیۡهِمۡ کُلَّ شَیۡءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡٓا اِلَّآ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَهُمۡ یَجۡهَلُوۡنَ)[الانعام:۱۱۱] ”اور اگر واقعی ہم ان کی طرف فرشتے اتار دیتے اور ان سے مردے گفتگو کرتے اور ہم ہر چیز ان کے پاس سامنے لا جمع کرتے تو بھی وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اور لیکن ان کے اکثر جہالت برتتے ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ میرے رب کے اندر تو ہر طرح کی طاقت ہے، وہ چاہے تو تمہارے مطالبے آن واحد میں لفظ 'کُنۡ' سے پورے فرما دے۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو (تمہاری طرح) ایک بشر ہوں۔ کیا کوئی بشر ان چیزوں پر قادر ہے؟ جو مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔ ہاں، اس کے ساتھ میں اللہ کا

رسول بھی ہوں۔لیکن رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اور وہ میں نے پہنچا دیا اور پہنچا رہا ہوں۔لوگوں کے مطالبات پر معجزات ظاہر کر کے دکھانا یہ رسالت کا حصہ نہیں ہے۔البتہ اگر اللہ چاہے تو صدق رسالت کے لیے ایک آدھا معجزہ دکھا دیا جاتا ہے لیکن لوگوں کی خواہشات پر اگر معجزے دکھانے شروع کر دیئے جائیں تو یہ سلسلہ کہیں بھی جا کر نہیں رک سکے گا ہر آدمی اپنی خواہش کے مطابق نیا معجزہ دیکھنے کا آرزومند ہوگا اور رسول پھر اسی کام پر لگا رہے گا تبلیغ ودعوت کا اصل کام ٹھپ ہو جائے گا اس لیے معجزات کا صدور صرف اللہ کی مشیت سے ہی ممکن ہے اور میں بھی اس کی مشیت میں دخل اندازی کا مجاز نہیں۔

﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾ ﴾

اور لوگوں کے پاس جب بھی کبھی ہدایت آئی تو ان کو اس پر ایمان لانے سے اس بات کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ کہتے تھے کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا

کر بھیجا ہے ۔(۹۴)(اے پیغبر) آپ فرما دیجیئے کہ :اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ان کے لیے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔(۹۵) آپ فرما دیجئے کہمیرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں سے با خبر ہے دیکھنے والا ہے۔(۹۶)

گزشتہ آیات کے تسلسل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کفار مکہ کو جس بات نے ایمان عمل صالح اور حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانے سے روک رکھا ہے ان کا یہ خیال ہے کہ اگر اللہ کو ہماری ہدایت کے لیے کسی کو بھیجنا تھا تو ایک بشر کو کیوں بھیجا کسی فرشتے کو کیوں نہ بھیج دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر روئے زمین پر فرشتے ہی ہوتے تو ممکن تھا ان کو اگر ہدایت کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی فرشتے کو ان کی اصلاح کے لیے بھیجتا۔ جب اس روئے زمین پر انسان رہتے ہیں تو ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اس میں نہ تو کسی تعجب اور حیرت کی ضرورت ہے اور نہ عقل سلیم ہی اس کی اجازت دیتی ہے۔ فرمایا گیا کہ اگر ہم انسانوں کی ہدایت کے لیے کسی فرشتے کو بھی بھیجتے تو وہ انسانی شکل ہی میں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ عمل کی راہوں سے بھاگتے ہیں ان کو باتیں بنانے کیلئے کسی موضوع کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ ان کفار و مشرکین کی عقل و سمجھ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اس لیے وہ فضول باتیں کر کے اپنے آپ کو مطمئن کرتے رہتے تھے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اعتراض کر کے اپنی قابلیت کا سکہ اپنے آس پاس کے لوگوں پر جمانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا کہ اے نبی! آپ ان لوگوں کے اعتراضات اور سوالات کے جواب میں صرف اتنا کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان صرف اللہ ہی گواہی کے لیے کافی ہے جس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے وہ اپنے بندوں کی ہر ایک حالت کی پوری طرح خبر رکھتا ہے۔ اگر اس قدر واضح اور سچی بات کے بعد بھی وہ لوگ اپنی ضد، ہٹ دھرمی پر جمے رہتے ہیں تو یہ ان کی بدنصیبی ہے۔

اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کے لیے ایک قسم کی دھمکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیجیے میں نے بحیثیت رسول اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ میری صداقت وامانت پر خود اللہ گواہ ہے جو اپنے بندوں کے تمام احوال سے باخبر ہے اور انھیں دیکھ رہا ہے اور جو قیامت کے دن ہر ایک کو اپنے عدل وانصاف کے ساتھ اس کے اعمال کا بدلہ چکائے گا۔ اس لیے اے کفار مکہ! تمہارے لیے خیر اسی میں ہے کہ میری نبوت پر ایمان لے آؤ اور دین اسلام قبول کرلو، ارشاد فرمایا: (هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا) [الفتح: ۲۸] "وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے اور اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے۔"

﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ

سَعِيْرًا ﴿٩٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا
كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٩٨﴾ اَوَلَمْ
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ
يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى
الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾

اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے، پس وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہی میں ڈال دے تو تم ان کے لیے اس کے سوا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے، اور ہم ان کو قیامت کے دن اکٹھا کریں گے، ان کے مونہوں کے بل، اندھے اور گونگے اور بہرے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے، جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی، ہم اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ (۹۷) یہ ان کا بدلہ ہوگا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کیا جس وقت ہم ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ازسرنو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔ (۹۸) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، وہ اس پر قادر ہے کہ ان کی مانند دوبارہ پیدا

کر دے اور اس نے ان کے لیے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے، اس میں کوئی شک نہیں تو ظالموں نے انکار کرنے کے سوا اسے قبول نہ کیا۔(۹۹)

رشد و ہدایت اور ضلالت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے، وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے وہی راہ راست پر آسکتا ہے۔ جسے خود اس کے غلط راہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے گمراہ کر دیتا ہے، اسے نہ کوئی راہ راست پر لاسکتا ہے اور نہ اس کے قہر و غضب سے بچا سکتا ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کافروں کو ہم ان کے چہروں کے بل گھسیٹیں گے۔ چونکہ وہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے راہ حق کو نہیں دیکھ پاتے تھے، اپنی زبانوں سے کلمہ حق ادا نہیں کرتے تھے اور کانوں سے حق بات سننا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اس لیے قیامت کے دن اندھے، گونگے اور بہرے اٹھائے جائیں گے، ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا، جس کی لپک اور تپش جب بھی کم ہوگی، اللہ اسے اور تیز کر دے گا۔ وَمَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ : ارشاد فرمایا : ﴿ وَاَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡ يُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ لَيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ﴾ [الأنعام:۵۱] ”اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرا جو خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف (لے جا کر) اکٹھے کیے جائیں گے، ان کے لیے اس کے سوا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، تاکہ وہ بچ جائیں۔“ اور فرمایا: ﴿يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ مَوۡلًى عَنۡ مَّوۡلًى شَيۡـًٔا وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۝41 اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ﴾ [الدخان:۴۱، ۴۲] ”جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ مگر جس پر اللہ نے رحم کیا، بیشک وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔“ وَنَحۡشُرُهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡيًا وَّبُكۡمًا وَّصُمًّا : ارشاد

فرمایا: (اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا) [الفرقان: ٣٤] "وہ لوگ جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے وہی ٹھکانے میں بدترین اور راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں۔" اور فرمایا: (وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ) [النمل: ٩٠] "اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کے چہرے آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے۔ تم بدلہ نہیں دیے جاؤ گے مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔" اور فرمایا: (اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ 47ۘ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ) [القمر: ٤٧، ٤٨] "یقیناً مجرم لوگ بڑی گمراہی اور دیوانگی میں ہیں۔ جس دن وہ آگ میں اپنے چہروں پر گھسیٹے جائیں گے، چکھو آگ کا چھونا۔" سیدنا انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! کافر کا حشر قیامت والے دن منہ کے بل کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "جس نے اس کو دونوں پاؤں پر دنیا میں چلایا کیا وہ اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے۔" [1]

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا: ارشاد فرمایا: (فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا) [النبا: ٣٠] "پس چکھو کہ ہم تمہیں عذاب کے سوا ہرگز کسی چیز میں زیادہ نہیں کریں گے۔" سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تمہاری یہ (دنیا کی) آگ جسے ابن آدم جلاتا ہے جہنم کی آگ کی گرمی کا سترواں حصہ ہے۔" صحابہ نے کہا، واللہ! یا رسول اللہ! (انسانوں کو جلانے کے لیے تو) یہی دنیا کی آگ کافی تھی؟ آپ نے فرمایا: "لیکن وہ تو دنیا کی آگ سے

١۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (الذین یحشرون علی وجوھھم إلٰی جہنم): ٤٧٦٠۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب یحشر الکافر علی وجھہ: ٢٨٠٦]

انہتر (٦٩) درجے زیادہ گرم ہے اور اس کا ہر حصہ اس دنیا کی آگ کے برابر گرم ہے۔“ [١]

اس سے پہلی آیتوں میں منکرین نبوت کے شبہات کے جواب دیئے تھے اور اس آیت میں حشر اور نشر کے منکرین کے شبہ کا جواب دیا ہے اور اس کی تقریر کئی بار گزر چکی ہے وہ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد جب ہمارا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو کر گل جائیں گی اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور مرور ایام سے ہمارے ذرات دوسرے ذرات میں خلط ملط ہو جائیں گے تو وہ ایک دوسرے سے کیسے ممتاز ہو کر مجتمع ہونگے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے اور عدم محض سے ان کو وجود میں لا چکا ہے اس کے لیے ان کی مثل کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں دوبارہ قبروں سے اٹھانے اور زندہ کرنے کی ایک مدت مقرر کر رکھی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ جب وہ گھڑی آجائے گی تو سارے لوگ زندہ ہو کر میدان محشر میں جمع ہو جائیں گے، لیکن جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں ان کا شیوہ کفر ہی ہوتا ہے۔ وہ تمام کھلی اور روشن نشانیوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔

فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا : سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! میں نے ظلم اپنی ذات پر حرام ٹھہرا لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، سو آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔“ [٢]

١۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب جھنم أعاذنا اللہ منھا: ٢٨٤٣]

٢۔ [مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ٢٥٧٧]

﴿ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۱۰۰ ﴾

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم ضرور خرچ ہو جانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے اور انسان خرچ کرنے میں بڑا تنگ دل ہے۔

حرص کی مذمت

کفار مکہ نے یہ کہا تھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نکال دیں (بنی اسرائیل: ۹۰) انہوں نے اپنے شہروں میں دریاؤں اور چشموں کا مطالبہ اس لیے کیا تھا تاکہ ان کے اموال زیادہ اور ان کی معیشت ان پر وسیع ہو جائے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ زمین کی پیداوار کا ان پر زیادہ ہو جانا اتنی بڑی چیز نہیں ہے، اگر وہ بالفرض اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے بھی مالک ہو جائیں پھر بھی ان کی حرص اور ان کا بخل کم نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل کے خزانے اور اس کی رحمتیں غیر متناہی ہیں بالفرض اگر وہ ان سب کے مالک ہو جائیں تب بھی ان کی طمع ختم نہیں ہوگی اور نہ ان کا بخل ختم ہوگا۔
حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو تلاش کرے اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور

جو شخص توبہ کر لے اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (۱)

بعض انسانوں کی سخاوت کے باوجود انسان کے بخیل ہونے کی توجیہ:

اس آیت میں فرمایا ہے: اور دراصل انسان ہے ہی بخیل اس پر یہ اعتراض ہے کہ بہت سارے انسان سخی ہوتے ہیں اور ساری عمر سخاوت کرتے رہتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی اصل میں بخل ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک شیر خوار بچے کی طرف آپ کوئی خوبصورت چیز بڑھائیں تو وہ لے لے گا اور اگر اسکے ہاتھ سے کوئی چیز لینا چاہیں تو وہ نہیں دے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو محتاج بنایا گیا ہے اور محتاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس اس چیز کو سنبھال کر رکھے جس کی اس کو ضرورت ہو البتہ بعض اوقات مختلف وجوہات کی بنا پر وہ سخاوت بھی کرتا ہے، اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے انسان کبھی دنیا میں تعریف اور تحسین کی بنا پر سخاوت کرتا ہے اور کبھی اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اخروی اجر و ثواب کے لیے سخاوت کرتا ہے تو اس کی سخاوت بھی کسی غرض یا کسی عوض کے لیے ہوتی ہے پس واضح ہو گیا کہ انسان اپنی اصل فطرت میں بخیل ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات اور دن کے مسلسل خرچ سے بھی اس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، مسلسل خرچ کیے جا رہا ہے، لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں آئی۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اگر بنی آدم کو

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٦٤٣٦، صحیح مسلم رقم الحدیث: ١٠٤٩)

۲۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (وکان عرشہ علی الماء): ٤٦٨٤۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی النفقۃ: ٩٩٣]

دو وادیاں مال و دولت سے بھری ہوئی مل جائیں تو یہ تیسری کی تلاش (وحرص) میں رہے گا اور اولاد آدم کا پیٹ تو مٹی ہی بھرتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر مہربان ہوتا ہے۔"[1]

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى
مَسْحُوْرًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ
مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ
مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿١٠٣﴾ ۙ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا
الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿١٠٤﴾ ؕ ﴾

اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطا فرمائی آپ خود بنی اسرائیل سے دریافت کرلو کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔(۱۰۱) (موسیٰ نے) کہا (اے

---

[1]۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقی من فتنۃ المال: ٦٤٣٦۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب لو أن لابن آدم وادیین لابتغی ثالثا: ١٠٤٩]

فرعون!) تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ان نشانیوں کو بصیرت اور نصیحت کے لیے
آسمانوں اور زمین کے رب نے نازل کیا ہے اور اے فرعون میرا خیال یہ ہے کہ تو
ہلاک و برباد ہو جانے والوں میں سے ہے۔(۱۰۲) پس فرعون نے بنی اسرائیل کو
سرزمین مصر سے نکال دینا چاہا تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ تمام فرعونیوں
کو سمندر میں غرق کر دیا۔(۱۰۳) اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم
اس ملک میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے
آئیں گے۔(۱۰۴)

موسیٰ علیہ السلام کو نو احکام دیئے گئے تھے یا نو معجزات

ان نو آیات کی تفسیر میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد نو احکام ہیں اور اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ س سے مراد نو معجزات ہیں۔

ان آیات سے بھی کفار مکہ کو ان کے فرمائشی معجزات کے مطالبہ کا جواب دینا ہے کہ ہم نے تمہارے فرمائشی معجزات سے بھی قوی معجزے قوم فرعون کے سامنے پیش کیے سو واضح ہو گیا کہ ایسے قوی معجزے نازل کرنا ہماری قدرت سے باہر نہیں ہے، سو اگر ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ تمہارے لیے بھی ان معجزات میں کوئی مصلحت ہے تو ہم تمہارے لیے بھی ایسے معجزات نازل کر دیتے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ بکثرت ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو اس نے حضرت موسیٰ پر نازل کیے تھے، ان

کی تفصیل یہ ہے:

ا۔حضرت موسیٰ کی زبان میں گرہ پڑگئی تھی جس کی وجہ سے وہ روانی سے بات نہیں کر سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ گرہ کھول دی اور وہ روانی سے بات کرنے لگے (۲) حضرت موسیٰ کی لاٹھی کو اللہ تعالیٰ اژدھا بنا دیتا تھا اور جب وہ اس پر ہاتھ ڈالتے تو وہ پھر لاٹھی بن جاتا تھا۔(۳) حضرت موسیٰ کا اژدھا فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔(۴) حضرت موسیٰ جب اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالتے تو وہ سفید اور روشن ہو جاتا تھا اور دوبارہ پھر اسی طرح ہو جاتا تھا۔(۵) قبطیوں پر طوفان کا آنا (۶) ان پر جوؤں کی کثرت (۷) ان پر مینڈکوں کی کثرت (۸) ان پر خون کی کثرت (۹) ان پر ٹڈیوں کی کثرت (۱۰) بنی اسرائیل کے سمندر کو چیر دینا، (البقرہ:۱۵۰) (۱۱) پتھر پر لاٹھی ماری تو اس سے چشمے پھوٹ نکلے، (الاعراف:۱۶۰) (۱۲) ان پر پہاڑ کو بطور سائبان کھڑا کر دیا (الاعراف:۱۷۱) (۱۳) حضرت موسیٰ اور ان کی قوم پر من وسلویٰ کو نازل کرنا (۱۴) آل فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کرنا (الاعراف:۱۳۰) (۱۵) فرعون اور اس کی قوم کے اموال اور طعام وغیرہ کو خراب اور برباد کر دینا (۱۶) بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت میں جن نو معجزات کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ معجزات ہیں:

ا۔عصا (۲) ید بیضا (۳) قبطیوں پر قحط (۴) سمندر کو چیرنا (۵) قبطیوں پر طوفان بھیجنا (۶) ان پر ٹڈیاں بھیجنا (۷) ان پر جوئیں بھیجنا (۸) ان پر مینڈک بھیجنا (۹) ان پر خون بھیجنا۔

محمد بن کعبؒ نے کہا پانچ معجزات تو وہ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے:

فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ایت مفصلت۔ (الاعراف:۱۳۳) پھر ہم نے

ان پر طوفان بھیج اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے۔
چھٹا وہ ہے جو حضرت موسیٰ نے ان کے خلاف دعا ضرر کی تھی ربنا اطمس علی اموالھم اے ہمارے رب ان کے اموال کو تباہ و برباد کردے، ساتواں ید بیضا ہے آٹھواں عصا اور نواں سمندر کو چیر دینا ہے۔
حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت ہے اور مجاہد، عکرمہ، شعبی اور قتادہؒ کا بھی قول ہے کہ وہ نو معجزات یہ ہیں:
۱۔ ید بیضا (۲) عصا (۳) قحط (٤) پھلوں کی کمی (٥) طوفان (٦) ٹڈیاں (۷) جوئیں (۸) مینڈک (۹) خون۔
حافظ ابن کثیرؒ نے کہا یہ قول ظاہر، جلی حسن اور قوی ہے۔ (۱)
یہ تمام اقوال اس بنا پر ہیں کہ نو آیات سے مراد نو معجزات ہوں لیکن حدیث میں ان نو آیات سے مراد نو احکام ہیں۔ حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر مفسرین نے ان اقوال کو ترجیح دی ہے لیکن ہمارے نزدیک نو آیات کی وہی تفسیر صحیح ہے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بیان فرمائی ہے وہ تفسیر یہ ہے:
صوان بن عسل بیان کرتے ہیں کہ دو یہودیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا چلو اس نبی کے پاس جا کر ان سے سوال کرتے ہیں، دوسرے نے کہا ان کو نبی نہ کہو اگر انہوں نے سن لیا کہ تم ان کو نبی کہتے ہو تو ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی، پھر وہ دونوں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے اور آپ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: ولقد اتینا موسیٰ تسع ایت بینت۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۱) تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا (وہ نو آیات یہ ہیں) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، جس

۱۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۷٤، ۷٥، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱٤۱۹ھ)

کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اس کے قتل کر دے، اور سود نہ کھاؤ اور کسی پاک دامن کو تہمت نہ لگاؤ اور میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ، اور خصوصاً تم اے یہود ہفتہ کے دن حد سے بڑھو، پھر ان دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں، آپ نے پوچھا پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہوئے، انہوں نے کہا حضرت داؤدؑ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت رہے ہمیں یہ خطرہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو یہود ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔ [1]

ان تمام نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی فرعون ایمان نہیں لایا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری عقل میں جادو کی وجہ سے خلل واقع ہو گیا ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰيٰتُنَا مُبۡصِرَةً قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝13 وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَيۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ)[النمل: ۱۳،۱۴] "تو جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آنکھیں کھول دینے والی پہنچیں تو انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کر چکے تھے، پس دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔"

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا، تمہیں معلوم ہے کہ یہ نشانیاں اس اللہ نے نازل کی ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور دل سے اللہ کی ہدایت طلب کرنے والوں کے لیے ان میں بڑی عبرتیں ہیں، لیکن تم اپنے کبر و عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہو اور انھیں جادو کا اثر بتا

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۴۴، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۹، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۷۰۵، المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۳۹۶، المستدرک ج ۱ ص ۹، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۹۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶، دلائل النبوت ج ۶ ص ۲۶۸)

رہے ہو۔ اے فرعون! میرا خیال ہے کہ تم اللہ کی رحمت سے دور کر دیے گئے ہو اور بالآخر تم ہلاک کر دیے جاؤ گے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کہ بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ جائیں اس لیے ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا کہ یہ مصر میں امن چین سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کر دیا۔

فرعون اور اس کی فوج کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا: اب تم مصر یا شام میں جہاں چاہو رہو۔ (تفسیر منیر) لیکن قیامت کے دن ہم تم سب کو خواہ ایمان دار ہوں یا کافر، نیک ہوں یا برے اکٹھا کر کے تمہارے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دیں گے۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کیلئے درس عبرت ہے کہ جس طرح فرعون اور اس کی فوج نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنا چاہا مگر بالآخر وہ خود مصر کی زمین سے نکال کر سمندر میں غرق کر دیئے گئے۔ اسی طرح اے مشرکین مکہ! تم نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ماننے والوں کو یہاں سے نکالنا چاہتے ہو اور اگر تم اس دشمنی سے باز نہ آئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ چند سالوں کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور مشرکین کو وہاں سے نکال دیا گیا۔

﴿ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝١٠٥ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ

وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا ۝١٠٦ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ
اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ يَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ
سُجَّدًا ۙ۝١٠٧ وَّيَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ كَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ۝١٠٨
وَيَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ يَبۡكُوۡنَ وَيَزِيۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ۩ ۝١٠٩

اور ہم نے قرآن کریم کو حق کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا اور ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔(۵) اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے (حسب موقع) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر سنائیں اور ہم نے اسے آہستہ آہستہ (بتدریج) نازل کیا۔(۶) (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن لوگوں کو پہلے سے علم دیا گیا ہے انہیں جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔(۷) اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بیشک ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔(۸) اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کے خشوع و خضوع کو اور بڑھا دیتا ہے۔ (۹)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ سراسر حق ہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔اس کی حقانیت پر وہ خود بھی شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں۔ جس طرح حق والے نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اسی طرح حق کے ساتھ یہ آپ تک پہنچا ہے۔ نہ راستے میں کوئی باطل اس میں شامل ہوا اور نہ باطل کی یہ شان کہ وہ اس کے ساتھ مخلوط ہو سکے۔ یہ کمی وبیشی سے بالکل محفوظ ہے اور پوری طاقت والے امانت دار فرشتے کی معرفت نازل ہوا ہے۔ جو آسمان میں عزت والا اور سردار ہے۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کا کام تو مومنوں کو خوشخبری سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے۔اس قرآن کو پہلے ہم نے لوح محفوظ سے بیت العزت پر نازل کیا جو پہلے آسمان میں ہے۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق تئیس سال میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قلب مبارک پر نازل ہوا کہ آپ سہولت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کو سنا دیں۔ ہم نے بھی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی نازل کیا ہے۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کافروں کو احساس دلائیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ان کا ایمان لانا کوئی بڑی اہم بات ہے اور نہ ان کے کفر وعناد سے کسی اور کو کوئی نقصان پہنچے گا۔اگر وہ اللہ پر ایمان نہیں لائیں گے اور قرآن کریم کو اس کی کتاب تسلیم نہیں کریں گے تو کیا ہوگا؟ ان سے بہت ہی اچھے لوگ، یعنی اہل کتاب کے نیک علماء مثلاً عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور نجاشی وغیرہم اس قرآن کو اللہ کی کتاب اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہی رسول مان چکے ہیں جن کی بشارت تورات وانجیل میں دی جا چکی ہے۔ان علمائے صالحین کا حال

یہ ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنی ٹھوڑیوں کے بل سربسجود ہو جاتے ہیں کہ اس اللہ نے ان پر یہ احسان کیا کہ انھوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا زمانہ پایا اور ان پر اور قرآن کریم پر ایمان لے آئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پاکی بیان کرتے ہیں کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دنیا والوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے رب کا ہر وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور وعظ و نصیحت سن کر شدت تاثیر سے اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر کر روتے ہیں اور اللہ کے لیے ان کی عاجزی اور انکسار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اہل کتاب کی اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ) [المائدة: ۸۳، ۸۴] ”اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول کی طرف نازل کیا گیا ہے تو تو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہوتی ہیں، اس وجہ سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، سو ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ (پر) اور اس چیز پر ایمان نہ لائیں جو حق میں سے ہمارے پاس آئی ہے اور یہ طمع نہ رکھیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل کر لے گا۔“ اور فرمایا: (اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ) [القصص: ۵۲ تا ۵۴] ”وہ لوگ

جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، یقیناً یہی ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بیشک ہم اس سے پہلے فرماں بردار تھے۔ یہ لوگ ہیں جنھیں ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا، اس کے بدلے کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو ہٹاتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جو اللہ کے ڈر سے رو دیا، یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس چلا جائے اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھے نہیں ہونگے۔" (۱)

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مرض الموت میں جب نماز کا وقت ہوا اور اذان دی گئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔" آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا گیا کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو روتے روتے وہ (قرآن) لوگوں کو سنا نہ سکیں گے۔ لیکن آپ نے پھر وہی حکم دیا۔ ---- (۲)

ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوفؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کے پاس (افطاری کے وقت) کھانا لایا گیا جب کہ آپ روزہ دار تھے، تو آپ نے فرمایا، مصعب بن عمیرؓ شہید کر دیے گئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے، ان کے کفن کے لیے صرف ایک چادر میسر آئی (جو اتنی چھوٹی تھی) کہ اس سے ان کا

۱۔[ترمذی، کتاب فضائل الجھاد، باب ماجاء فی فضل الغبار فی سبیل اللہ:۱۶۳۳]

۲۔[بخاری، کتاب الأذان، باب حد المریض أن یشھد الجماعۃ:۶۶٤۔ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استخلاف الإمام إذا عرض لہ عذر:۹۵/٤۱۸]

سر ڈھانپا جاتا تو ان کے پیر ننگے ہو جاتے اور پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھلا رہ جاتا۔ اس کے بعد ہم پر دنیا فراخ کردی گئی، جو تم دیکھ رہے ہو، یا (یہ فرمایا کہ) ہمیں دنیا اتنی عطا کردی گئی جو ظاہر ہے۔ ہم تو ڈر رہے ہیں کہ کہیں دنیا ہی میں ہمیں ہماری نیکیوں کا جلدی بدلہ تو نہیں دے دیا گیا؟ پھر رونے لگ گئے، یہاں تک کہ کھانا بھی چھوڑ دیا۔ [1]

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

آپ فرما دیجیے! تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو، اس کے سب اچھے نام ہیں اور اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ اسے بالکل آہستہ پڑھو، (بلکہ) اس کے بیچ کا (معتدل) راستہ اختیار کرو۔

شانِ نزول: (آیت) "قل ادعواللہ او ادعوالرحمن"۔ (الخ)

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ مکرمہ میں کھڑے ہو کر دعا کی اور اپنی دعا میں فرمایا، یا اللہ، یا رحمن، یہ سن کر مشرکین بولے کہ اس بے دین کو دیکھو ہمیں تو دو خداؤں کے پکارنے سے روکتا ہے اور خود دو خداؤں کو پکار رہا ہے

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ اُحد: ٤٠٤٥]

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی یعنی آپ فرمادیجیے، خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔

شانِ نزول: (آیت)"۔ولا تجھر بصلا تک"۔(الخ)

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمان خداوندی۔(آیت)"ولا تجھر بصلا تک"۔(الخ) کی تفسیر میں روروایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مکہ مکرمہ میں کفار کے ڈر سے چھپے رہتے، آپ جب اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن کریم نازل کیا ہے اور جو قرآن کریم لے کر آیا ہے سب کو برا کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ابن جریرؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے مگر پھر پہلی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے اور اسی طرح امام نووی نے بھی پہلی روایت ہی کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے کہ یہ آیت کریمہ اس دعا کے بارے میں بھی نازل ہوئی جو نماز کے اندر ہوتی ہے اور ابن مردویہ نے ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس وقت بیت اللہ کے قریب نماز پڑھتے تو بلند آواز سے دعا فرماتے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ابن جریرؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ تشہد کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ روایت حضرت عائشہؓ کی سابقہ روایت کی

تشریح کر رہی ہے، نیز ابن منیعہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ دعا زور سے مانگا کرتے تھے۔ ”اللھم ارحمنی“۔ (الخ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس بات کا حکم دیا گیا کہ نہ بہت زور سے دعا مانگیں اور نہ بہت آہستہ۔ (۱)

سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا مروان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب صلح نامہ حدیبیہ لکھا جا رہا تھا، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کاتب سے فرمایا: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔“ تو (کافروں کے نمائندہ) سہیل نے کہا، رحمن، اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا رحمٰن کون ہے، بلکہ آپ ”بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ “ لکھیں، جیسا کہ (پہلے) لکھا کرتے تھے۔ (۲)

فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى: اللہ تعالیٰ کے تمام نام اچھے ہی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انھی ناموں سے پکارا جائے جو اس نے اپنے لیے پسند فرمائے ہیں۔ ان غلط ناموں سے نہ پکارا جائے جو انسانوں نے خود رکھ دیے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)[الاعراف:۱۸۰] ”اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں، انھیں جلد ہی اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔“

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت: (وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ) کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ مکہ میں (کافروں

۱۔ (جامع البیان رقم الحدیث: ۱۷۲۱٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۵ھ)، (صحیح البخاری رقم الحدیث: ٤۷۲۲، صحیح مسلم رقم الحدیث: ٤٤٦، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱٤۵، مسند احمد ج۱ ص۲۱۵)، (الجامع الاحکام القرآن جز۱۰ ص۳۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱٤۱۵ھ)

۲۔ [بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲]

سے) چھپے رہتے تھے، تو اس زمانہ میں جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تو قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کرتے، جب مشرکین سنتے تو وہ قرآن کو گالی دیتے، ساتھ اس کے نازل کرنے والے اور اس کے لانے والے کو بھی گالی دیتے، تو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا: (وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ) یعنی قراءت اتنی بلند آواز سے نہ کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو گالیاں دیں اور (وَلَا تُخَافِتْ بِهَا) اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ اتنی آہستہ قراءت کرو کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں، بلکہ (وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا) اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرو۔ [۱]

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾﴾

اور کہہ دیجیے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے لیے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو، اور اس کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

شانِ نزول: (آیت) "وقل الحمد للہ الذی" ۔ (الخ)

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ سے سے روایت کیا ہے کہ یہود اور عیسائی اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے عرب حج میں یہ کہتے تھے۔ لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک "۔ (الخ) یعنی

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا): ٤٧٢٢۔ مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التوسط فی القراءۃ۔۔ الخ: ٤٤٦]

نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہراتے تھے اور ستاروں کے پجاری اور آتش پرست کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے مددگار نہ ہوتے تو معاذ باللہ اللہ تعالیٰ کمزور ہوجاتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اور کہہ دیجیے کہ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار رہے۔

اتمام حجت اور اعلان حق

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ باہر نکلا، اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہاتھ میں تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ میں تمہیں چند کلمات بتاتا ہوں، وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی۔ وہ کلمات یہ تھے، تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اِلٰی آخر الآیہ۔

یہ آخری آیت ایک طرح سے مشرکین پر اتمام حجت بھی ہے اور ان کے تمام عقائد باطلہ کے مقابلے میں اعلان حق بھی، کہ مشرکین کچھ بھی کہتے رہیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ اعلان کردیں کہ میں تمہارے سامنے توحید کامل کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اس میں اس بات کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے، کیونکہ اولاد کی ضرورت زوال پذیر شخصیتوں کو ہوتی ہے جو اس بات کا اندیشہ رکھیں کہ بڑھاپے میں ہمیں کون سنبھالے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر

طرح کی احتیاج سے پاک ہے، اس کی ذات کے لیے کبھی زوال نہیں۔ وہ حیی اور قیوم ہے، اس کی بادشاہی میں کوئی ساجھی اور شریک نہیں، پوری کائنات کا نظام اس کے احکام سے چل رہا ہے، کائنات کا ایک ایک ذرہ اس سے زندگی اور زندگی کے قیام کی بھیک مانگتا ہے۔ اسے شریک کی ضرورت تب ہو سکتی ہے جب اسے کائنات کے کسی گوشے میں اپنی حکومت اور نگرانی میں کمزوری کا اندیشہ ہو۔ وہ ایسے ہر اندیشے سے پاک ہے۔ کائنات کی ہر مخلوق اس کے خوان نعمت سے فیض پا رہی ہے۔ اس کے سامنے کائنات کا بڑے سے بڑا اکڑ ہ کمزوروں کی طرح تعمیل احکام کر رہا ہے۔ انسانوں اور باقی مخلوقات کی بڑائی اسی میں ہے کہ تم سب مل کر اس کی کبریائی کے نغمے گاؤ اور اپنے قلب و دماغ میں اس کی کبریائی کو راسخ کر لو اور دنیا کے علم و دانش پر یہ بات واضح کر دو کہ دنیا کی تمام ابتری کا علاج صرف اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اس کی کبریائی کو تسلیم کیا جائے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کو بنیادی اصول تسلیم کر کے زندگی کی تعمیر کی جائے۔

سیدنا سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو کلام میں سب سے زیادہ محبوب چار کلمات ہیں: (سُبْحَانَ اللّٰہِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاللّٰہُ اَکْبَرُ) ان میں سے جس سے بھی شروع کر لو تمہیں کوئی نقصان نہیں۔"[۱]

۱۔ [مسلم، کتاب الآداب، باب کراہۃ التسمیۃ بالآسماء: ۲۱۳۷]

سورہ الکہف

یہ سورت مکی ہے اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں اس سورت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا ہے اس لیے سورہ کہف کے نام سے موسوم اور مشہور ہے کہف غار کو کہتے ہیں کچھ اہل ایمان اپنے زمانہ کے اہل کفر کے خوف سے غار میں چھپ گئے تھے اس لیے انہیں اصحاب کہف کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں ایک قصہ حضرت موسیٰ اور خضر (علیہ السلام) کی ملاقات کا اور دوسرا قصہ ذوالقرنین کے مشرق اور مغرب کی طرف سفر کرنے اور یاجوج ماجوج کے فساد سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لیے ایک مضبوط دیوار بنانے کا بھی مذکور ہے۔

یہ سورت مسلمانوں کے حبشہ کے طرف ہجرت کرنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ جب سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو کافر مکہ نے آپ کی دعوت کا مذاق اڑایا ان کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی اچھی خاصی جماعت بن جائے گی، لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دن بہ دن اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو پھر انہوں نے مزاحمت کی اور مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے جن کی بناء پر مسلمانوں نے کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا، مدینہ منورہ میں بھی اسلام

کی خبر پہنچ چکی تھی اور یہود و نصاریٰ کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس دین کے اثرات مدینہ منورہ میں بھی پہنچ جائیں اور مسلمانوں کی یہاں بھی کوئی بڑی جماعت بن جائے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس دعوت کو مکہ میں ہی ختم کر دیا جائے اس لیے وہ کفار مکہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ کفار مکہ ان پڑھ لوگ تھے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فصیح و بلیغ کلام سے جو علمی مضامین بیان فرماتے تھے، ان کا معارضہ کرنے سے عاجز تھے اور وہ دلی طور پر قرآن کریم سے بہت مرعوب تھے اور مدینہ میں یہود و نصاریٰ پڑھے لکھے لوگ تھے اور اہل کتاب تھے، اس لیے کفار مکہ نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت کو علمی طور پر ناکام کرنے کے لیے مدینہ کے یہود و نصاریٰ سے مدد چاہی۔

سورہ الکہف کا سبب نزول

امام عبد الملک بن ہشام معافری المتوفی 318ھ لکھتے ہیں:

کفار مکہ نے نضر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ میں علماء یہود کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ تم ان کے سامنے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ذکر کرو اور ان کے سامنے آپ کے دعویٰ کو بیان کرو۔ وہ لوگ اہل کتاب ہیں اور ان کو انبیاء (علیہم السلام) کے متعلق ایسی معلومات ہیں جو ہم کو نہیں ہیں۔ تب علماء یہود نے کہا تم ان سے تین باتوں کے متعلق سوال کرو اگر انہوں نے ان کا جواب دے دیا تو وہ واقعی نبی مرسل ہیں اور اگر وہ ان کے متعلق نہیں بتا سکے تو پھر وہ جھوٹے شخص ہیں پھر تم ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔ تم ان سے ان نوجوانوں کے متعلق پوچھو جو پہلے زمانے میں نکلے تھے، ان کا کیا ہوا؟ ان کا بہت تعجب خیز واقعہ ہے اور ان سے اس شخص کے متعلق پوچھو جس نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کا سفر کیا تھا، اس کی کیا خبر ہے اور ان سے روح کے متعلق سوال کرو، اس کی کیا حقیقت ہے؟

انہوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوالات کئے۔آپ کو یہ اعتماد تھا کہ آپ کے پاس آج وحی آجائے گی تو آپ ان کو کل بتادیں گے۔آپ نے فرمایا میں کل تمہارے سوالات کا جواب دے دوں گا۔لیکن آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پندرہ دن تک انتظار فرماتے رہے اور وحی نہیں آئی اور نہ آپ کے پاس حضرت جبرائیل آئے اور اہل مکہ نے آپ کے متعلق بری باتیں کہنا شروع کردیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی باتیں سن سن کر غم گین ہوئے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں (اصحاب کہف) اور اس شخص کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل کیں جس نے زمین کے مشارق ومغارب کا سفر کیا تھا (ذوالقرنین) اور روح کے متعلق اس سے متصل پہلی سورت (بنی اسرائیل) میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمادیں تھیں۔ [۱]

فضائل

دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔

اور ایک روایت میں، جس کو احمد، مسلم، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا، ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جس نے سوہ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

مسند احمد، مسلم، مستدرک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان میں حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورہ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

۱۔(السیرۃ النبویۃ ج ۱ ص 337–338، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، 1415ھ)

مسند احمد میں معاذ بن انس الجھنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورہ کہف کا اول اور آخر پڑھ لے اس کے لیے اس کے پاؤں سے سر تک نور ہوگا اور جو اس ساری سورت کو پڑھے اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے گا۔

مستدرک حاکم میں مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھی اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان تک نور کی روشنی رہتی ہے۔

سیدنا براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی (اسید بن حضیر ؓ نے (نماز میں) سورہ کہف کی تلاوت شروع کی، ان کے گھر میں ایک گھوڑا تھا، جس نے اچھلنا کودنا اور بدکنا شروع کر دیا۔ صحابی ؓ نے جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ سائبان کی طرح بادل کا ایک ٹکڑا ہے، جس نے ان پر سایہ کر رکھا تھا۔ انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے فلاں! (کاش) تو پڑھتا رہتا، یہ تو وہ سکینت ہے جو (اللہ کی طرف سے) قرآن کی تلاوت پر نازل ہوتی ہے۔“ [۱]

سیدنا ابو درداء ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جس شخص نے سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ کر لیں، وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔“ [۲]

حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے سورہ الکہف کو اس طرح پڑھا جس طرح وہ

۱۔[بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام: ۳۶۱۴۔ مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب نزول السکینۃ لقراءۃ القرآن: ۷۹۵/۲۴۱۔ مسند أحمد: ۲۸۱/۴، ح: ۱۸۵۰۳]

۲۔[مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی: ۸۰۹۔ مسند أحمد: ۱۹۶/۵، ح: ۲۱۷۷۰]

نازل ہوئی ہے، وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہو جائے گی۔ [1]

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: قرآن کی فضیلت اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی دی گئی۔ پھر اصحاب کہف کے واقعہ کا اجمالی بیان ہے۔

رکوع 2: اصحاب کہف کا مفصل واقعہ اور غار کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

رکوع 3: اصحاب کہف کی ظاہری حالت اور جاگنے کے بعد ان کا آپس میں گفتگو کرنا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اہل شہر کو اصحاب کہف کے حال پر آگاہ کرنا اور اصحاب کہف کی تعداد مذکور ہے۔

رکوع 4: انشاء اللہ کہنے کی اہمیت۔ واقعہ کہف کا تتمہ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تلاوت قرآن کا حکم مذکور ہے، پھر سرداران کفر کی مذمت اور ظالموں کا انجام اور مومنین صالحین کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع 5: ایک مالدار شخص کا حال، مومن مفلس کا جواب اور باغ کی تباہی کا حال مذکور ہے۔

رکوع 6: حیات دنیا کی بے ثباتی اور قیامت کے روز پہاڑوں اور زمین کا چلنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع 7: غرور کا انجام۔ کافروں کی سرکشی اور ان کے دلوں پر پردوں کا پڑنا مذکور ہے۔

رکوع 8: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر (علیہما السلام) کے واقعے کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کی درخواست مذکور ہے۔

رکوع 9: کشتی کا واقعہ۔ ایک لڑکے کا قتل اور ایک بستی کا واقعہ مذکور ہے۔ پھر تینوں واقعات کی حقیقت بتائی گئی ہے۔

۱۔ (المستدرک ج ۱ ص 511، کنز العمال رقم الحدیث: 2610، الدر المنثور ج ۵ ص 355)

رکوع 10: ذوالقرنین کا واقعہ اور یاجوج وماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یاجوج وماجوج کے نکلنے کا وقت بتایا گیا ہے۔

رکوع 11: سب سے زیادہ خسارے والے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر نیک لوگوں کے انعامات اور اللہ تعالیٰ کے بیشمار کلمات کا بیان۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ﴿۱﴾ ﴾

تمام تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں (کسی طرح کی) کجی نہیں رکھی۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سی سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں اپنی تعریف بیان کی ہے، اس اسلوب کلام سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ ہر حال میں لائق حمد وثنا ہے۔ بندوں کو یہ تعلیم دینا بھی مقصود ہے کہ ہر اہم چیز کی ابتدا اور انتہا اللہ ہی کی حمد وثنا سے ہونی چاہیے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑائی اس بات پر بیان کی ہے کہ اس نے بندوں کی ہدایت کے لیے قرآن کریم نازل فرمایا، جو اس کی عظیم ترین نعمت ہے، جبکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو صفت عبدیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کی اور قرآن کریم کی عظمت ظاہر ہو۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور یہی آپ کا اعلیٰ مقام ہے۔

قرآن مجید میں کجی نہ ہونے کا معنی

قرآن کریم میں کجی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی آیات میں کوئی تناقض اور تضاد نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (النساء: 82)

اور اگر (یہ قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو توحید، رسالت، قضاء وقدر اور احکام شرعیہ بیان کئے گئے ہیں، یہ سب صحیح اور صادق ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی طریق مستقیم سے منحرف نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ گویا کہ انسان عالم غیب سے عالم آخرت کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دنیا ایک سرائے کی طرح ہے، انسان جب اس سرائے میں آیا تو وہ ان کاموں میں مشغول ہو گیا جن کی اس سفر میں ضرورت پڑتی ہے، پھر وہ عالم آخرت کی طرف متوجہ ہوا۔ پس ہر وہ چیز جو اس کو دنیا سے آخرت کی طرف راجع کرتی ہے اور جسمانیات سے روحانیات کی طرف اور خلق سے حق کی طرف اور شہوانی لذات سے عبادات کے نور کی طرف متوجہ کرتی ہے، وہ کجی، انحراف اور باطل سے مبرا اور منزہ ہے۔

﴿ قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۝٢ مَّاكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۝٣ ﴾

بالکلسیدھی اتاری تا کہ وہ (کفار و مشرکین کو) اس سخت عذاب سے ڈرائے جو منجانب اللہ (ان پر) ہوگا اور اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے جو نیکیاں کرتے ہیں کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ہے۔ (۲) جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ (۳)

"ولم یجعل لہ عوجا"۔ یعنی اس کتاب میں ذرا بھی کسی قسم کی کجی نہیں رکھی گئی۔ یہ تو اس کتاب کی کمال ذاتی کی طرف اشارہ تھا۔ دوسرا وصف ان آیات میں فرمایا "قیما" یعنی یہ کتاب قیم بھی ہے۔ یعنی بنی آدم کی سعادت دارین کی کسوٹی اور راہ راست اور ان کے تمام دنیوی و اخروی مصالح کی متکلف ہے۔ قیم اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی مصالح کا متکلف ہو۔ اس قیم کے لیے دو باتیں ضروری ہیں اول یہ کہ جس کا یہ قیم ہو اس کو پیش آنے والی ہلاکتوں سے مطلع کرے اور خوف دلا وے دوسرے یہ کہ تدابیر حسنہ اور اعمال صالحہ کا م آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دہ وخوشخبری بھی دے۔ تا کہ بری باتوں سے نفرت اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت ہو اسی طرح قرآن پاک کی صفت قیم فرمائی یعنی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے برے اعمال پر جو ہلاکتیں اور عذاب پیش آتے ہیں خواہ دنیا میں خواہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں ان سب سے بندوں کو متنبہ کرتا ہے اور مومنین کا وصف ذکر فرمایا گیا کہ مومنین کون ہیں؟۔ "الذین یعملون الصلحت"۔ جو عمل صالح کرتے ہیں تو ظاہر ہوا کہ قرآن پاک ان مومنین کو خوشخبری دیتا ہے جو کہ نیک کام کرنے والے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سعادت اخروی کے لیے محض ایمان لانا کافی نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے تو سعادت اخروی کے لیے دو چیزیں لازم

ہوئیں۔ ایمان اور عمل صالح پھر ان دو چیزوں پر دو ہی وعدہ فرمائے جاتے ہیں۔ ایک "اجراحسنا" یعنی ان کے لیے اچھا بدلہ ملے گا یعنی حیات ابدی اور نعمائے جنت۔ دوسرے "ماکثین فیہ ابدا"۔ کہ وہ اس اجر یعنی بہشت میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ نہیں کہ وہ چندروزہ ہو پھر خوف دلانا ایک تو عام لوگوں کو عام باتوں پر ہوتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص جنت میں جائے گا، وہ (ہمیشہ) راحت وآرام میں رہے گا، کبھی کسی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوگا اور اس کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور نہ اس کی جوانی کبھی ختم ہوگی۔" (۱)

سیدنا ابوسعید خدری اور ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(قیامت کے دن) ایک پکارنے والا پکارے گا، (اے جنت کے لوگو!) تم ہمیشہ تندرست رہو گے، کبھی بیمار نہیں ہو گے، تم ہمیشہ زندہ رہو گے، تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم ہمیشہ خوشی ومسرت اور سکون میں رہو گے، کبھی مصیبت زدہ نہ ہو گے۔" (۲)

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جنت والوں کو جنت میں اور دوزخ والوں کو دوزخ میں داخل کرے گا، پھر ایک پکارنے والا ان کے درمیان کھڑا ہوگا اور کہے گا، اے جنت والو! اب موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! اب موت نہیں آئے گی، ہر ایک اپنے مقام پر ہمیشہ رہے گا۔ جنت والوں کو یہ سن کر خوشی پر خوشی حاصل ہوگی اور دوزخ

۱۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فی دوام نعیم أہل الجنۃ۔۔ الخ: ۲۸۳۶]

۲۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فی دوام نعیم أہل الجنۃ: ۲۸۳۷]

والوں کو رنج پر رنج پہنچے گا۔" (۱)

﴿ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵ ﴾

اور وہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے۔ (۴) نہ ان کو اس بات کا علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ سراسر جھوٹ ہے۔ (۵)

اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کو تنبیہ

خدا کے لیے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے۔ تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیر (علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا، یا بعض مشرکین جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل ہو گئے۔ گویا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کو بالخصوص اور نصاریٰ کو اخص خصوص کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔

اللہ کو صاحب اولاد قرار دینا شدید ترین کفر ہے اسی شدت کفر کو ظاہر کرنے کے لیے خصوصیت کے ساتھ

۱۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون ۔۔ الخ: ۲۸۵۰]

ان لوگوں کوڈرانے کا ذکر کیا جو کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔
جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿88﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿89﴾ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ
وَلَدًا ﴿91﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿92﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿93﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿94﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فَرْدًا) [مریم: ۸۸ تا ۹۵] "اور انھوں نے کہا رحمٰن نے کوئی اولاد بنالی ہے۔ بلاشبہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کو آئے ہو۔ آسمان قریب ہیں کہ اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں۔ کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ رحمٰن کے پاس غلام بن کر آنے والا ہے۔ بلاشبہ یقیناً اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح گن کر شمار کر رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔"

جو لوگ اپنے باپ دادا کی تقلید میں اللہ کے لیے اولاد مانتے ہیں جیسے یہود عزیر (علیہ السلام) کو نصاری عیسیٰ (علیہ السلام) کو کفار عرب فرشتوں کو اور ہندو اپنے اوتار کو اللہ کی یہ بھگوان کی اولاد مانتے ہیں نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھی وہ بلا دلیل اپنے منہ سے اللہ کی شان میں بہت بڑی گستاخی بکتے ہیں قرآن میں ہے قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑے اس دہشت سے کہ وہ اللہ کے لیے اولاد مانتے ہیں (مریم)۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا ایسی جھوٹی بات ہے جس کی بنیاد جہالت، تو ہم پرستی اور باپ دادا کی

اندھی تقلید پر ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی انتہا درجہ کی برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اللہ رب العالمین کے خلاف اپنے منہ سے ایسی غلط بات نکالی ہے جس کا حقیقت و واقعہ سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں ہے، یہ محض افترا پردازی ہے۔

﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝٦ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝٨ ﴾

(اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر یہ اس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے غم کر کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔(٦) بیشک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں ان میں سے کون اچھا عمل کرنے والا ہے۔(٧) اور بیشک ہم تمام چیزوں کو جو اس (روئے زمین) پر ہیں (نابود کر کے) صاف چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔(٨)

مشرکین آپ سے اعراض کرتے تھے اور ایمان نہ لاتے تھے۔اس پر آپ کو رنج و افسوس ہوتا تھا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی کے لیے فرمایا کہ اگر یہ کافر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو آپ اپنے آپ کو

ان کے غم میں نہ گھلا یئے بلکہ آپ تو دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کرتے رہیئے۔کوئی نہ مانے تو اس پر آپ کو غم گین ہونے کی ضرورت نہیں۔دعوت وتبلیغ اور شفقت و ہمدردی کے جو کام آپ کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔اگر یہ بدبخت آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو اس میں ان ہی کا نقصان ہے۔

پھر فرمایا کہ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو دنیا کی زینت کے لیے بنایا ہے۔دنیا فانی ہے، بہت جلد اجڑنے اور غارت ہونے والی ہے۔اس کی زینت زائل ہونے والی ہے جبکہ آخرت اور اس کی نعمت دوامی ہے۔اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس فانی دنیا اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوتا ہے اور کون ہمیشہ رہنے والی آخرت کو اختیار کرتا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا : ارشاد فرمایا: (زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ)[آل عمران: ۱۴] ”لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزین کی گئی ہے، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔“

سیدنا عمرو بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقیری کا ڈر نہیں، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ ہوجائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی، پھر تم دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے جیسے اگلے لوگ دنیا میں ایک دوسرے

سے آگے بڑھنے لگے اور وہ دنیا تمہیں ہلاک کر دے جیسے اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔۔۔۔" (١)

سیدنا ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دنیا (ظاہر میں) میٹھی اور سبز ہے (جیسے تازہ میوہ) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ پس دنیا سے بچو (کہ کہیں وہ تمہیں یادِ الٰہی سے غافل کر دے) اور عورتوں سے بچو، اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔" (٢)

سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن گیہوں کی روٹی جیسی سفید اور سرخی آمیز زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا۔" سیدنا سہلؓ یا کوئی دوسرے راوی کہتے ہیں کہ اس زمین پر کسی قسم کا کوئی نشان (یعنی کوئی عمارت یا پہاڑ وغیرہ) نہیں ہوگا۔" (٣)

سیدنا ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اسے اس طرح (ہاتھوں پر) الٹے گا، جیسے تم میں سے کوئی شخص سفر میں اپنی روٹی ہاتھوں پر الٹتا ہے (بیلن سے نہیں بیلتا) اور یہ اہل جنت کو بطور مہمانی پیش کی جائے گی۔" (٤)

١۔ [مسلم، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر: ٢٩٦١]

٢۔ [مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب أکثر أہل الجنة الفقراء۔۔۔ الخ: ٢٧٤٢۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ما أخبر النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) أصحابہ۔۔۔ الخ: ٢١٩١]

٣۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب یقبض اللہ الأرض یوم القیامة: ٦٥٢١]

٤۔ [بخاری، کتاب الرقاق، باب قبض اللہ الأرض یوم القیامة: ٦٥٢٠]

﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ
اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا
مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝١٠ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى
اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝١١ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝١٢ ﴾

کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ بیشک اصحاب کہف اور رقیم والے ہماری آیتوں میں سے عجیب تھے ۔(۹) جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی، پھر انھوں نے کہا کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے معاملہ میں درستگی کا سامان عطا فرما۔(۱۰) پھر ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔(۱۱) پھر ہم نے ان کو اٹھا کھڑا کیا تا کہ ہم معلوم کرلیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون وہ مدت زیادہ یادرکھنے والا ہے جو وہ ٹھہرے رہے۔(۱۲)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑ والے ہماری عجائبات

قدرت چاند، سورج آسمان وزمین ستارے اور سمندر وغیرہ میں سے کوئی تعجب کی چیز ہیں۔

کہف اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار تھا اور رقیم وہ پیتل کی تختی ہے جس پر ان نوجوانوں کے نام اور ان کا واقعہ مرقوم تھا یا یہ کہ اس وادی کا نام ہے جس میں کہف پہاڑ تھا یا یہ کہ رقیم ایک شہر کا نام ہے۔

شان نزول

اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آزمائش کے لیے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور ذوالقرنین کی سرگزشت کیا تھی؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انھوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لیے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں جیسے تم سمجھتے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر عجیب وغریب نشانات قدرت موجود ہیں۔

رقیم کا معنی

رقیم پہاڑی کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی مرقوم بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ مسند عبد بن حُمید کی ایک روایت میں جسے حافظ نے علیٰ شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس سے رقیم کے دوسرے معنی منقول ہیں۔ یعنی اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کی وجہ سے اصحاب کہف کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام وصفت وغیرہ کی تختی لکھ کر رکھ دی گئی تھی، اس لیے اصحاب رقیم کہلائے۔ مگر مترجم محقق ؒ نے پہلے معنی لیے ہیں اور بہرصورت اصحاب کہف واصحاب رقیم کو ایک ہی قرار دیا ہے۔

اصحاب رقیم

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اصحاب رقیم کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا، محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا حوالہ دے دیا گیا۔اور فی الحقیقت اصحاب رقیم (کھوہ والے) وہ تین شخص ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے،اوپر سے ایک بڑا پتھر آپڑا،جس نے غار کا منہ بند کر دیا اس وقت ان میں سے ہر شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دے کر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔امام بخاری نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کر کے شاید اسی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اصحاب رقیم یہ لوگ ہیں۔طبرانی اور بزار نے باسناد حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رقیم کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا۔واللہ اعلم۔

سعیدؒ کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا۔عبدالرحمن کہتے ہیں قرآن میں ہے کتاب مرقوم پس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہیں اور یہی امام ابن جریرؒ کا مختار قول ہے کہ رقیم فعیل کے زون پر مرقوم کے معنی میں ہے جیسے مقتول قتیل اور مجروح جریح واللہ اعلم۔

اصحاب کہف کا اجمالی قصہ

اصحابِ کہف کا قصہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروؤں سے تعلق رکھتا تھا لیکن یہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ

اہل مکہ بھی جاننے لگے تھے اور اس کو ایک عجیب و غریب واقعہ خیال کرتے تھے۔ چونکہ یہ واقعہ انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کی ایک نمایاں مثال ہے اس لیے قرآن نے اس کے ضروری پہلو اجاگر کیئے۔ اس ہی عربوں سے خطاب کر کے قرآن نے سوال قائم کیا کہ کیا تم اصحاب کہف کے واقعہ کو عجیب خیال کرتے ہو حالانکہ یہ واقعہ قدرت الٰہی کی بہت سی نشانیوں میں سے ایک نشانی کا ظہور تھا جو انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے پر دلالت کرتا ہے۔ تم واقعہ کے ظاہری پہلو کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے مگر اس کے اندر دوسری زندگی کے وقوع پر دلالت کرنے والی جو رہنمائی تھی اس سے تم نے آنکھیں بند کر لیں۔

کہف کے معنیٰ عربی میں وسیع غار کے ہیں اور رقیم کے معنیٰ تحریر کے ہیں اس مناسبت سے الرقیم سے مراد مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک کتبہ ہے جو ان کے بقول اصحاب کہف کی یادگار کے طور پر غار پر لگایا گیا تھا۔ اور جس شہر میں یہ واقعہ پیش آیا اس کا نام اِفسس (Ephesus) بتلایا جاتا ہے جو رومیوں کا ایک بڑا شہر تھا اور موجودہ ترکی میں واقع تھا۔ جس ظالم حکمراں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اصحاب کہف نے پناہ لی تھی اس کا نام دقیانوس بتلایا جاتا ہے جس کا زمانہ تیسری صدی عیسوی تھا۔ موجودہ دور کے ایک مفسر نے الرقیم سے نبطیوں کا مشہور تاریخی شہر پٹیرا (بطرا) مراد لیا ہے لیکن یہ تمام تفصیلات عیسائیوں کی روایات سے ماخوذ ہیں جن میں قصہ گوئی اور قیاس آرائی کا بہت زیادہ دخل ہے۔ اسی لیے قرآن نے آیت ۲۲ میں یہ واضح حکم دیا تھا کہ اصحاب کہف کے بارے میں ان لوگوں سے (خواہ مشرک ہوں یا نصاریٰ) کچھ نہ پوچھا جائے۔ البتہ ایک جدید تحقیق جو استاد محمد تیسیر ظبیان نے اردن کے دائرۃ الآثار العامۃ کے تعاون سے پیش کی ہے وہ بڑی حد تک اس غار پر منطبق ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔ فاضل محقق نے اپنی کتاب "اہل الکہف" میں اس پر محققانہ بحث کی ہے اور یہ کتاب جو عربی میں

ہے دارالاعتصام مصر سے شائع ہوئی ہے۔اس تحقیق کی رو سے یہ غار (اردن کے دارالحکومت) سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر الرجیب میں واقع ہے اور یہ الرجیب ہی الرقیم کی بدلی ہوئی شکل ہے۔حکومت اردن کے دائرآ ثار عامہ نے کھدائی وغیرہ کا جو کام کیا اس کے بعد حقائق بالکل ابھر کر سامنے آ گئے ہیں جو مختصراً درج ذیل ہیں:

۱)یہ غار جنوب شمال جہت واقع ہے اور سورج مشرق اور مغرب کی سمت میں غار سے کترا کر نکل جاتا ہے۔

۲)غار اندر سے کشادہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے وہم فی فجوۃ منہ۔

۳)غار کے اندر آٹھ قبریں ہیں۔

۴)غار کے اوپر مسجد کے کھنڈر ہیں مسجد کا ذکر آیت ۲۱ میں ہوا ہے۔اس مسجد کے سات ستون ہیں جو غالباً اصحاب کہف کی تعداد کی مناسبت سے قائم کئے گئے تھے۔

۵)شمالی دیوار پر ایک جانور کی تصویر بنی ہوئی ہے جس کے بارے میں ماہرین آثار کا کہنا ہے کہ یہ کتے کی تصویر ہے علاوہ ازیں دیوار پر فینقی اور قدیم یونانی خط میں کچھ باتیں کندہ ہیں۔

۶)اصحاب کہف کے غار میں پناہ لینے کا واقعہ دقیانوس کے زمانہ کا نہیں بلکہ تراجان کے زمانہ کا ہے جس نے ۹۸ء تا ۱۱۷ء میں حکومت کی اور ۱۰۹ء میں اس نے شرق اردن فتح کر لیا تھا۔یہ حکمراں بڑا ظالم تھا اور جو شخص بھی بت پرستی سے اور بتوں کے آگے قربانیاں پیش کرنے سے انکار کرتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا تھا اس کے زمانہ میں عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروؤں پر سخت مظالم ڈھائے گئے۔اس کے عہد کے بیزنطینی سکے بھی اس غار میں ملے ہیں۔

۷) مسلم مورخین کے اقوال سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ غار عمان کے قریب واقع ہے چنانچہ مقدسی کی کتاب احسن التقاسیم میں ہے الرقیم شرق اردن میں عمان سے قریب ایک شہر ہے اور یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں عمان شام کے اطراف میں ایک شہر ہے اور یہ سرزمین بلقاء کا بڑا شہر رہا ہے اس کے قریب ہی کہف اور الرقیم واقع ہیں۔ [1]

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۖ ﴿۱۳﴾﴾

هم آپ سے ان کا واقعہ ٹھیک بیان کرتے ہیں، وہ کئی جوان تھے، جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔ اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی۔

فِتْيَةٌ کے معنی

چونکہ اس سے پہلے فرمایا تھا، ان کے غار میں قیام کی مدت کے متعلق دو جماعتوں کے مختلف قول تھے، اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ علم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم آپ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

پھر ان کے متعلق فرمایا کہ وہ چند نوجوان تھے جو از خود ایمان لے آئے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کسی واسطہ کے بغیر ایمان ڈال دیا تھا۔ اس آیت میں ان کے لیے فتیۃ کا لفظ استعمال فرمایا

۱۔ (ان تمام تفصیلات کے لیے دیکھئے محمد تیسیر ظبیان کی کتاب اہل الکہف)۔

ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

فنی کا معنی ہے: تازہ نوجوان لڑکا یا لڑکی۔ فتیا اور فتویٰ کا معنی ہے کسی مشکل سوال کا جواب۔ ①

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی 668 لکھتے ہیں:

اہل زبان نے کہا ہے کہ فتوت کی بلندی ایمان ہے اور جنید بغدادی نے کہا ہے کہ بھلائی کو خرچ کرنا اور برائی سے اپنے آپ کو روکنا اور شکایت کو ترک کرنا فتوت ہے یعنی مردانگی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ حرام چیزوں کو ترک کرنا اور نیکی میں جلدی کرنا فتوت ہے۔ ②

اِنَّھُمۡ فِتۡیَۃٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّھِمۡ وَزِدۡنٰھُمۡ ھُدًی: اس آیت کریمہ اور اس مفہوم کی دیگر آیات سے امام بخاریؒ اور دیگر کئی لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَھُمۡ ھُدًی وَّاٰتٰىھُمۡ تَقۡوٰىھُمۡ)[محمد: ١٧] ”اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت قبول کی اس نے انھیں ہدایت میں بڑھا دیا اور انھیں ان کا تقویٰ عطا کر دیا۔“ اور فرمایا: (فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡھُمۡ اِیۡمَانًا وَّھُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ)[التوبۃ: ١٢٤] ”پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔“ اور فرمایا: (لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِھِمۡ)[الفتح: ٤] ”تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔“

اصحاب کہف کا تفصیلی قصہ

۱۔(المفردات ج ۲ ص 682 مطبوعہ مکتبہ نزگار مصطفیٰ مکہ مکرمہ 1418ھ)

۲۔(الجامع الاحکام القرآن ج 10 ص 327، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

اکثر مفسرین کے نزدیک اصحاب کہف رضی اللہ عنہم کا واقعہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد رونما ہوا اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ واقعہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے کا ہے اور اس کا ذکر اہل کتاب کی مذہبی کتابوں میں موجود ہے اور اسی وجہ سے یہودیوں نے بڑی توجہ کے ساتھ ان کے حالات محفوظ رکھے۔ بہر حال یہ واقعہ کس زمانے میں رونما ہوا اس کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ ہم یہاں معتبر مفسرین کی طرف سے بیان کردہ اس واقعے کی بعض تفصیلات کا خلاصہ ذکر کرتے ہیں، چنانچہ مفسرین کے بیان کے مطابق اصحاب کہف افسس نامی ایک شہر کے شرفاء ومعززین میں سے ایماندار لوگ تھے۔ ان کے زمانے میں دقیانوس نامی ایک بڑا جابر بادشاہ تھا جو لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا اور جو شخص بھی بت پرستی پر راضی نہ ہوتا اسے قتل کر ڈالتا تھا۔ دقیانوس بادشاہ کے جبر وظلم سے اپنا ایمان بچانے کے لیے اصحاب کہف بھاگے اور قریب کے پہاڑ میں غار کے اندر پناہ گزین ہوئے، وہاں سو گئے اور تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک اسی حال میں رہے۔ بادشاہ کو جستجو سے معلوم ہوا کہ وہ ایک غار کے اندر ہیں تو اس نے حکم دیا کہ غار کو ایک سنگین دیوار کھینچ کر بند کر دیا جائے تاکہ وہ اس میں مر کر رہ جائیں اور وہ ان کی قبر ہو جائے، یہی ان کی سزا ہے۔ حکومتی عملے میں سے یہ کام جس کے سپرد کیا گیا وہ نیک آدمی تھا، اس نے ان اصحاب کے نام، تعداد اور پورا واقعہ رانگ کی تختی پر کندہ کرا کر تانبے کے صندوق میں دیوار کی بنیاد کے اندر محفوظ کر دیا اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسی طرح ایک تختی شاہی خزانہ میں بھی محفوظ کرا دی گئی۔ کچھ عرصہ بعد دقیانوس ہلاک ہوا، زمانے گزرے، سلطنتیں بدلیں یہاں تک کہ ایک نیک بادشاہ فرمانروا ہوا جس کا نام بیدروس تھا اور اس نے 68 سال حکومت کی۔ اس کے دور حکومت میں ملک میں فرقہ بندی پیدا ہوئی اور بعض لوگ مرنے کے بعد

دوبارہ اٹھنے اور قیامت آنے کے منکر ہو گئے۔ بادشاہ ایک تنہا مکان میں بند ہو گیا اور اس نے گریہ وزاری سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یارب! کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما جس سے مخلوق کو مردوں کے اٹھنے اور قیامت آنے کا یقین حاصل ہو جائے۔ اسی زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بکریاں کے لیے آرام کی جگہ حاصل کرنے کے واسطے اسی غار کو تجویز کیا اور (کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر) دیوار کو گرا دیا۔ دیوار گرنے کے بعد کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ گرانے والے بھاگ گئے۔ اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرحاں وشاداں اٹھے، چہرے شگفتہ، طبیعتیں خوش، زندگی کی تروتازگی موجود۔ ایک نے دوسرے کو سلام کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، نماز سے فارغ ہو کر یملیخا سے کہا کہ آپ جایئے اور بازار سے کچھ کھانے کو بھی لایئے اور یہ بھی خبر لایئے کہ دقیانوس بادشاہ کا ہم لوگوں کے بارے میں کیا ارادہ ہے۔ وہ بازار گئے تو انہوں نے شہر پناہ کے دروازے پر اسلامی علامت دیکھی اور وہاں نئے نئے لوگ پائے، یہ دیکھ کر انہیں تعجب ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کل تک تو کوئی شخص اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتا تھا جبکہ آج اسلامی علامتیں شہر پناہ ظاہر ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد آپ تندور والے کی دوکان پر گئے اور کھانا خریدنے کے لیے اسے دقیانوسی سکے کا روپیہ دیا جس کا رواج صدیوں سے ختم ہو گیا تھا اور اسے دیکھنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا تھا۔ بازار والوں نے خیال کیا کہ کوئی پرانا خزانہ ان کے ہاتھ آ گیا ہے، چنانچہ وہ انہیں پکڑ کر حاکم کے پاس لے گئے، وہ نیک شخص تھا، اس نے بھی ان سے دریافت کیا کہ خزانہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا خزانہ کہیں نہیں ہے۔ یہ روپیہ ہمارا اپنا ہے۔ حاکم نے کہا: یہ بات کسی طرح قابل یقین نہیں، کیونکہ اس میں جو سال لکھا ہوا ہے وہ تین سو برس سے زیادہ کا ہے اور آپ نوجوان ہیں، ہم لوگ بوڑھے ہیں، ہم نے تو کبھی یہ سکہ دیکھا ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں جو دریافت کروں وہ ٹھیک بتاؤ تو

عقدہ حل ہوجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ دقیانوس بادشاہ کس حال وخیال میں ہے؟ حاکم نے کہا، آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں، سینکڑوں برس پہلے ایک بے ایمان بادشاہ اس نام کا گزار ہے۔ آپ نے فرمایا: کل ہی تو ہم اس کے خوف سے جان بچا کر بھاگے ہیں اور میرے ساتھی قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزین ہیں، چلو میں تمہیں ان سے ملا دوں، حاکم اور شہر کے سردار اور ایک کثیر مخلوق ان کے ہمراہ غار کے کنارے پہنچ گئے۔ اصحاب کہف یملیخا کے انتظار میں تھے، جب انہوں نے کثیر لوگوں کے آنے کی آواز سنی تو سمجھے کہ یملیخا پکڑے گئے اور دقیانوسی فوج ہماری جستجو میں آرہی ہے۔ چنانچہ وہ اللہ عزوجل کی حمد میں مشغول ہوگئے، اتنے میں شہر کے لوگ پہنچ گئے اور یملیخا نے بقیہ حضرات کو تمام قصہ سنایا، ان حضرات نے سمجھ لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اتنا طویل زمانہ سوئے رہے اور اب اس لیے اٹھائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لیے موت کے بعد زندہ کئے جانے کی دلیل اور نشانی بنیں۔ جب حاکم شہر غار کے کنارے پہنچا تو اس نے تانبے کا صندوق دیکھا، اس کو کھلوایا تو تختی برآمد ہوئی، اس تختی میں ان اصحاب کے اسماء اور ان کے کتے کا نام لکھا تھا یہ بھی لکھا تھا کہ یہ جماعت اپنے دین کی حفاظت کے لیے دقیانوس کے ڈر سے اس غار میں پناہ گزین ہوئی، دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے انہیں غار میں بند کردینے کا حکم دیا، ہم یہ حال اس لیے لکھتے ہیں تا کہ جب کبھی یہ غار کھلے تو لوگ ان کے حال پر مطلع ہوجائیں۔ یہ تختی پڑھ کر سب کو تعجب ہوا اور لوگ اللہ عزوجل کی حمد ثناء بجالائے کہ اس نے ایسی نشانی ظاہر فرمادی جس سے موت کے بعد اٹھنے کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ حاکم شہر نے اپنے بادشاہ بیدروس کو واقعہ کی اطلاع دی، چنانچہ بادشاہ بھی بقیہ معززین اور سرداروں کو لے کر حاضر ہوا اور شکر الٰہی کا سجدہ بجالایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی۔ اصحابہ کہف نے بادشاہ سے معانقہ کیا اور فرمایا ہم تمہیں

اللہ عزوجل کے سپرد کرتے ہیں۔ والسلام علیک ورحمہ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت فرمائے اور جن وانس کے شر سے بچائے۔ بادشاہ کھڑا ہی تھا کہ وہ حضرات اپنے خواب گاہوں کی طرف واپس ہوکر مصروف خواب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دیدی۔اس کے بعد لوگوں نے ان کے غار کے اوپر ایک مسجد بنادی۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کردیا جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے۔اگر ایسا کیا تو ضرور ہم نے حد سے گزری ہوئی بات کہی۔

یہ ان کی اس وقت کی حالت کا بیان ہے جب وہ اپنی قوم اور اپنی حکومت کے خلاف توحید الٰہی کا درس لے کر اٹھے تھے فرمایا (آیت) "وربطنا علی قلوبھم"۔ربط کے معنی باندھنے کے ہیں اور دلوں پر ربط سے مراد وہی ہے جو سکینت کے نازل کرنے اور روح القدس سے تائید حاصل کرنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں کو اور بھی مضبوط کردیا۔(شططا) شطط کے معنی بہت ہی زیادہ دوری کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ایسا قول یا ایسی بات جو حق سے بہت ہی دور ہو ظاہر ہے کہ جب خالق کو مخلوق کے

ساتھ ملا کر مخلوق کے سپرد خالق کے کام لگائے جائیں اور خالق کے لیے اولاد قرار دی جائے اور اسی طرح خالق حقیقی کو محتاج بنا کر رکھ دیا جائے تو اس سے زیادہ حق سے دوری اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہی بات انہوں نے کہی تھی کہ "ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود بنا کر پکارنے والے نہیں اگر ہم اس کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں تو یہ بڑی ہی بیجا بات ہوگی۔" پھر جان بوجھ کر ایک بیجا بات اللہ کے حق میں کہیں تو ایسی زندگی پر ہم موت کو ہزار بار ترجیح دیں گے اور ہمارا مر جانا زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔

﴿ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝١٥ ؕ﴾

یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لیے ہیں، یہ لوگ) ان (کے معبود ہونے) کی کوئی واضح دلیل کیوں نہیں پیش کرتے؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے۔

گزشتہ آیت اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف اپنے مؤقف اور اپنے رویئے میں بالکل یکسو تھے۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی سوچنے کو تیار نہ تھے کہ وہ اپنے مؤقف پر نظر ثانی کر لیں۔ وہ دل کے پورے یقین کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کو ماننا اور اس کی بندگی بجا لانا بالخصوص بتوں کی پوجا کرنا ایک ایسی بے ہودہ حرکت ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ رہے یہ لوگ جو ہماری قوم میں سر برآوردہ ہیں یا وہ لوگ جو اقتدار پر فائز ہیں اور وہ زبردستی اور طاقت سے ہمیں

بت پرستی پر مجبور کرنا چاہتے ہیں یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان سے بحث کی جائے۔ کیونکہ اگر ان کے پاس علم ہوتا تو یہ آج تک اپنے نقطہ نگاہ پر کوئی واضح دلیل پیش کرتے۔ اس طرح کی باتیں کہنا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پر پایا ہے ان کے پاس یقیناً کوئی الٰہی سند موجود ہوگی۔ یہ محض جھوٹی عقیدت کے سہارے ہیں اور بلا دلیل اور بغیر کسی سند کے ایک خیالی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے بڑی زیادتی کا ارتکاب کر رہے ہیں کیونکہ کسی شخص کی طرف بھی کسی جھوٹی بات کو منسوب کرنا اور پھر اس سے دلیل پکڑنا بجائے خود اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ لیکن اگر وہ ذات جس کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کیا جا رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو پھر تو بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔

﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾﴾

"اور جب تم ان سے اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں سب سے الگ ہو گئے ہیں تو غار میں جا کر پناہ لے لو کہ تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت وسیع کرے گا اور تمہارے لیے تمہارے کام میں کوئی سہولت مہیا کر دے گا۔

علامہ ابن عطیہؒ نے کہا یہ بات ان کے رئیس نے کہی، جس کا نام یملیخا تھا اور غزنوی نے کہا ان کے رئیس کا

نام مکسلمینا تھا۔اس نے کہا جب تم دقیانوس کی قوم اوران کے معبودوں کوترک کر چکے ہوتو پھرکسی غار میں پناہ لےلو۔

ان نوجوانوں نے جب اپنے بادشاہ کواللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تواس نے نہ صرف انکار کردیا، بلکہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی اور دھمکیاں دیں اور حکم دیا کہ اس فاخرانہ لباس کوان کے جسموں سے اتاردیا جائے جوانھوں نے زیب تن کررکھا تھا۔بادشاہ نے اپنے موقف پرنظرثانی کرنے کے لیے انھیں مہلت دے دی کہ شاید یہ اپنے سابقہ دین کی طرف لوٹ آئیں،مگر یہ مہلت ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا سبب بن گئی۔انھوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اوراپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے وہاں سے بھاگ نکلے، پھرآپس میں مشورہ کیا کہ چونکہ ہم لوگوں نے بت پرستوں اور ان کے جھوٹے معبودوں سے اعلان برأت کردیا ہےاوردین وایمان کی حفاظت کے لیےاپنا گھربارچھوڑ دیا ہے،اس لیے ہمارے لیےمناسب یہ ہے کہ ہم غارمیں چھپ جائیں،تاکہ ہم پکڑ نہ لیے جائیں۔اس بات کاتو ہمیں یقین ہے کہ ہمارارب ہمیں ضائع نہیں کرے گا،وہ اپنی رحمتوں کےسائے تلے ہمیں ڈھانپ لے گا، ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کرے گا اور دشمنوں سے نجات دے گا۔جب لوگ فتنوں میں مبتلا ہوں توحکم شریعت یہی ہے کہ انسان اپنے دین کو بچانے کے لیےایسے ظالموں سے بھاگ جائے،جیسا کہ حدیث میں بھی ہے،سیدنا ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:”وہ وقت قریب ہے جب مسلمان کا عمدہ مال (اس کی) بکریاں ہوں گی،جنھیں وہ لےکر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائے گا، یا برساتی وادیوں میں چلا جائے گا،اس طرح وہ اپنے دین کوفتنوں سے بچانے

کے لیے بھاگتا پھرے گا۔“ (١)

وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا : یعنی تمہارا کام آسان کر دے گا، تو اس کے بعد وہ بھاگ کر غار میں چلے گئے۔ قوم کے لوگوں نے انھیں گم پایا، بادشاہ نے بھی ان کی تلاش میں لوگوں کو ادھر ادھر دوڑایا، مگر وہ انھیں تلاش نہ کر سکے اور ان کی تلاش میں اندھے ہو گئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے ساتھی صدیق اکبرؓ سے کافروں کو اندھا کر دیا تھا، جب انھوں نے ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لی تھی، حالانکہ مشرکین مکہ ان کی تلاش میں وہاں تک پہنچ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) [التوبۃ: ٤٠] ”جب اسے ان لوگوں نے نکال دیا جنھوں نے کفر کیا، جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کر، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اس پر اتار دی اور اسے ان لشکروں کے ساتھ قوت دی جو تم نے نہیں دیکھے اور ان لوگوں کی بات نیچی کر دی جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ سیدنا ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کہا اور اس وقت میں غار میں تھا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے قدموں کے نیچے نگاہ کر لے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا، اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے ابوبکر! تمہارا ان دو

١۔ [بخاری، کتاب الایمان، باب من الدین الفرار من الفتن: ١٩]

آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟"[1]

﴿ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزٰوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾ ﴾

اور آپ دیکھیں گے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ غار کی کھلی جگہ میں ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، جسے ہدایت دے اللہ، سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی مددگار راہ

۱۔[بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب مناقب المہاجرین و فضلھم:۳۶۵۳]

بتانے والا نہ پاؤ گے۔(۱۷)اور آپ گمان کرتے کہ وہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سو رہے تھے اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹیں دلواتے رہتے تھے اور ان کا کتّا (غار کے) دہانے پر ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔ اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور آپ کے اندر ان کی دہشت سما جائے گی۔(۱۸)

یہ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ دھوپ صبح وشام اس غار میں داخل ہوتی تھی، لیکن ان کے جسموں پر نہیں پڑتی تھی۔ اس لیے کہ اس کا دروازہ شمال کی جانب کھلتا تھا۔ جب آفتاب اوپر چڑھتا تھا تو دھوپ دائیں جانب ہو جاتی تھی اور غروب کے وقت بائیں طرف ہو جاتی تھی اور ان کے اجسام غار کے کشادہ حصے میں آفتاب کی شعاعوں سے مامون ومحفوظ تھے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے انھیں اس غار میں پناہ دے کر ان کو دشمنوں سے بھی بچالیا اور ان کے جسموں کو سردی اور گرمی سے متاثر ہونے سے بھی محفوظ رکھا۔ یقیناً ان صالحین کا یہ حال اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہے۔

اصحاب کہف کے جسموں کو دھوپ سے محفوظ رکھنے کی دو تفسیریں

اس آیت میں فرمایا ہے: اے مخاطب! جب سورج نکلتا ہے تو تو دیکھے گا کہ دھوپ ان کے غار سے دائیں طرف جھکی رہتی ہے، اس آیت سے یہ مراد نہیں ہے کہ واقع میں کوئی شخص ان کے غار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور وہ سورج کے طلوع وغروب کے وقت دیکھ رہا تھا کہ دھوپ غار میں داخل ہوتی ہے یا نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بالفرض اگر کوئی شخص غار کے پاس کھڑا ہو تو وہ اس طرح دیکھے گا۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا، پس جب سورج طلوع ہوتا

تو وہ غار کی دائیں جانب ہوتا اور جب سورج غروب ہوتا تو وہ غار کی بائیں جانب ہوتا۔ پس سورج کی دھوپ غار کے اندر نہیں پہنچ سکتی تھی اور خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا غار کے اندر پہنچ جاتی تھی، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اس سے محفوظ رکھا تھا کہ ان کے اوپر سورج کی دھوپ پڑے ورنہ ان کے اجسام میں تعفن اور فساد پیدا ہو جاتا اور ان کے جسم گل سڑ جاتے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس سے روک دیا کہ اس کی دھوپ طلوع یا غروب کے وقت ان کے جسموں پر پڑے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل خلاف عادت ہے اور اصحاب کہف کی کرامت ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے اور اس نے اس قول پر اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: یہ اللہ کی آیتوں میں سے ہے، اور اگر پہلے قول کے موافق ان پر دھوپ نہ پڑتی تو پھر یہ امر معمول کے موافق اور عادت کے مطابق ہوتا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت اور نشانی نہ ہوتی، اور اگر اس آیت کی ہماری قول کے موافق تفسیر کی جائے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب آیت اور نشانی اور اصحاف کہف کی کرامت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ زجاج کی تفسیر کے مطابق تو اس نشانی کا ہونا واضح ہے یعنی طلوع اور غروب کے وقت اللہ تعالیٰ نے سورج کی دھوپ کو غار میں پہنچنے نہیں دیا اور پہلے قول کے مطابق نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت طویلہ تک ان کو غار میں محفوظ رکھا کہ اصحاب کہف اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے اتنے عرصہ تک مرض اور موت اور مرور ایام کے اثرات سے محفوظ رہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ ابتداء میں ان کو کفر سے ایمان کی طرف لایا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انتہا میں بھی ان کے اجسام کو گردش ایام کے اثرات سے سلامت رکھا۔ اسی لیے فرمایا: جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو تو

اس کے لیے کوئی مددگار رہدایت دینے والا نہیں پائے گا۔

ان کے دائیں اور بائیں کروٹیں بدلنے کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ ہر سال دو مرتبہ کروٹیں بدلتے تھے، چھ ماہ ایک جانب اور چھ ماہ دوسری جانب تا کہ زمین ان کا گوشت نہ کھا سکے، اور مجاہد نے کہا وہ تین سو سال تک ایک کروٹ پر لیٹے رہے پھر نو سال بعد ان کو دوسری کروٹ پر لٹایا گیا۔ قرآن مجید میں کروٹیں تبدیل کرنے کی مدت کو بیان نہیں کیا گیا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی مدت اور تعداد کا بیان ہے اور نہ اس تعداد کے ساتھ کوئی دینی غرض وابستہ ہے۔

ان کی کروٹیں تبدیل کرانے کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرت کاملہ سے ان کی کروٹیں تبدیل کراتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے ان کی کروٹیں تبدیل کراتے تھے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس طرح زندگی میں سویا ہوا شخص نیند میں خود بخود کروٹیں بدلتا رہتا ہے اور اس کو شعور نہیں ہوتا، اسی طرح وہ بھی نیند میں خود بخود کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ: کتوں کی عادت ہے کہ وہ دروازے پر بیٹھ کر پہرا دیتے ہیں، ان کا کتا دروازے کے باہر بیٹھا تھا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔ اس طرح فرشتے اس گھر میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو، لیکن کھیتی وغیرہ کی حفاظت اور شکار کے لیے کتا رکھنا جائز ہے، شوقیہ پالنا حرام ہے۔ سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "فرشتے کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ ایسے گھر میں جس میں تصویریں ہوں۔" (۱)

۱۔ [بخاری، کتاب اللباس، باب التصاویر: ۵۹۴۹۔ مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان: ۲۱۰۶]

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبرائیل (علیہ السلام) نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آنے کا وعدہ کیا، مگر بہت دیر لگ گئی اور وہ نہ آئے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس سے پریشانی ہوئی اور آپ گھر سے نکلے تو ان سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے ان سے شکایت کی تو انھوں نے کہا: "ہم کسی ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔" [۱]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص کتا پالتا ہے تو ہر روز اس کی نیکیوں میں سے ایک قیراط کم ہوتا ہے، سوائے بکریوں یا کھیتی کے لیے رکھے کتے یا شکاری کتے کے۔" [۲]

سیدنا ابوثعلبہ خشنیؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت کیا، اے اللہ کے نبی! ہم ایسی زمین میں رہتے ہیں جہاں شکار بہت ہوتا ہے اور میں تیر کمان سے شکار کرتا ہوں اور اپنے اس کتے سے بھی جو سکھایا ہوا نہیں ہے اور اس کتے سے بھی جو سکھایا ہوا ہے، تو اس میں کس کا کھانا میرے لیے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: "جو شکار تم اپنے تیر کمان سے کرو اور (تیر پھینکتے وقت) اللہ کا نام لیا ہو تو (اس کا شکار) کھا سکتے ہو اور جو شکار تم نے سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے سے کیا ہو اور اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو اسے بھی کھا سکتے ہو اور جسے تم اپنے غیر سدھائے ہوئے کتے کے ذریعے سے شکار کرو اور پھر اسے ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو اسے بھی کھا سکتے ہو۔" [۳]

۱۔[بخاری، کتاب اللباس، باب لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صورۃ: ۵۹۶۰]

۲۔[بخاری، کتاب المزارعۃ، باب اقتناء الکلب للحرث: ۲۳۲۲]

۳۔[بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب صید القوس: ۵۴۷۸۔ مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمۃ: ۱۹۳۰]

﴿ وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ
كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى
الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا
عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا
اَبَدًا ﴿٢٠﴾ ﴾

اوراسی طرح ہم نے ان کواٹھایا تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں، ان میں سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہو، وہ بولے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے ہوں گئے۔ بولے تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے، جتنی دیر تم ٹھہرے ہو، پس تم اپنے میں سے کسی کواپنا یہ چاندی کا سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو کہ وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے تاکہ وہ اس میں سے تمہارے کھانے کے لیے لے آئے اور چاہیے کہ وہ خاموشی کے ساتھ کام کر لے، اور کسی کو

تمہاری خبر نہ ہونے دے۔(۱۹) بیشک اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا وہ واپس تم کو اپنے دین میں لے آئیں گے تب تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔

(۲۰)

جس طرح ہم نے انہیں طویل عرصہ کے لیے سلادیا تھا اسی طرح ہم نے انہیں بیدار کر دیا یعنی اتنی طویل مدت سوئے رہنا اور پھر صحیح وسلامت اٹھ کھڑے ہونا، یہ دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، بیدار ہونے کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں، اس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں؟ ایک نے کہا: پورا دن سوئے رہے ہیں۔ دوسرے نے کہا: دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں، پھر کہنے لگے: اس بے فائدہ بحث کو چھوڑو، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر سوئے رہے ہو۔ اب تم ایک ساتھی کو شہر کی طرف بھیجو تا کہ وہ کھانا خرید لائے لیکن ایک تو وہ حلال اور پاکیزہ کھانا تلاش کرے اور دوسرا وہ احتیاط سے جائے اور کسی سے سخت کلامی نہ کرے تاکہ کسی کو تمہاری خبر نہ ہو، کیونکہ اگر اس ظالم بادشاہ کے سپاہیوں کو تمہارا علم ہو گیا تو وہ تمہیں پکڑ کر سنگسار کر دیں گے یا تمہیں کفر وشرک کی طرف لوٹا دیں گے اور اگر وہ تمہیں کفر وشرک کی طرف لوٹانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر تمہاری اس ہجرت کا مقصد فوت ہو جائے گا اور تم کبھی بھی فلاح نہ پاسکو گے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ
الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اوراس طرح ہم نے (لوگوں) کوان (کے حال) سے باخبر کردیا تاکہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شک نہیں وہ وقت بھی یاد کرو جب وہ آپس میں ان کے معاملے میں جھگڑرہے تھے،سوان لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں (کے غار) پر کوئی عمارت بنادو۔ان کا پروردگاران کے حال سے خوب واقف ہے جولوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے کہنے لگے ہم ضروران (کے غار) پر مسجد بنائیں گے۔

اوراسی طرح ہم نے اپنی قدرت وحکمت سے افسوس شہر کے مسلمانوں اور کافروں کوان کی حالت سے مطلع کردیااوراس وقت جوحکمران اس شہر پرحکومت کررہاتھاوہ ایک صالح آدمی تھا،اس کا نام بیدوسیس تھا۔بادشاہبید وسیس مسلمان شخص تھااور دقیانوس مجوسی بادشاہ اس سے قبل مرچکا تھا مگراس کے بعث بعدالموت میں تسلی نہیں ہوئی تھی تاکہ اب اس شہر کے مسلمان اور کافر بھی اس بات کا یقین کرلیں کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونا یقینی ہےاور یہ کہ قیامت کے قائم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اوروہ وقت بھی قابل ذکر جب کہ اس زمانہ کےلوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑا رہے تھے کافر کہنے لگے کہ ان کے پاس کوئی گرجا یا عمارت بنادو کیونکہ یہ ہمارے دین پر تھے بالآخر جولوگ اپنے کام پر

غالب تھے یعنی کہ مسلمان (اہل حکومت) انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے کیونکہ یہ ہمارے دین پر تھے۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا ایک ساتھی شہر میں کھانا خریدنے گیا اور اس نے کھانے کی قیمت ادا کرنے کے لیے چاندی کا پرانا سکہ نکالا تو دکان دار نے کہا یہ سکہ اب نہیں چلتا یہ تو بہت پہلے زمانے کا سکہ ہے۔لگتا ہے تم کو کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ یہ بات پھیل گئی اور لوگ اس شخص کو پکڑ کر حکمران کے پاس لے گئے۔اس نے پوچھا تم کو یہ سکہ کہاں سے ملا؟ اس شخص نے کہا کل میں نے کچھ کھجوریں فروخت کرکے یہ سکہ لیا ہے۔ پھر ہم دقیانوس بادشاہ کے خوف سے بھاگ کر ایک غار میں چلے گئے تھے، تب اس حکمران نے جان لیا کہ ان کو کوئی خزانہ نہیں ملا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کردیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ ان کو یقین ہوجائے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے۔یعنی ہم نے ان لوگوں کو اصحاب کہف کے احوال پر اس لیے مطلع کیا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کی روح قبض کرنے کے بعد ان کو پھر زندہ کرے گا اس کا یہ وعدہ برحق ہے، کیونکہ روایت ہے کہ اس وقت کا بادشاہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا اعتقاد نہیں رکھتا تھا لیکن وہ اپنے کفر کے باوجود منصف مزاج تھا تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ کو اس بادشاہ اور اس کے ہم مشرب لوگوں کے لیے دلیل بنادیا لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کا اس معاملہ میں اختلاف تھا بعض کہتے تھے کہ جسم اور روح دونوں کو اٹھایا جائے گا اور دوسرے یہ کہتے تھے کہ صرف روح کو اٹھایا جائے گا، رہا جسم تو اس کو زمین کھا جائے گی، وہ بادشاہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر

دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی نشانی ظاہر فرمائے جس سے اس مسئلہ میں جو حق ہے اس پر استدلال کیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے اصحاب کہف کا معاملہ ظاہر کیا۔ اس واقعہ سے اس بادشاہ نے یہ استدلال کیا کہ اجسام پر موت طاری ہونے کے بعد ان کو پھر زندہ کیا جائے گا، کیونکہ اتنی طویل نیند کے بعد ان کا پھر بیدار ہونا، موت کے بعد پھر زندہ ہونے کے مشابہ ہے۔ لوگوں نے کہا جب اللہ اس پر قادر ہے کہ تین سو نو سال تک ان کے اجسام کو محفوظ اور سلامت رکھے تو وہ اجسام پر موت آنے کے بعد ان کو زندہ کرنے اور میدان حشر میں ان کو جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ (۱)

﴿ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ ﴾

بعض لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا

---

۱ (تفسیر کبیر ج ۷ ص 447، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1415ھ)

تھا۔(اے پیغمبر، ان لوگوں سے) کہو کہ میرا رب ہی ان کا شمار خوب جانتا ہے۔ان (کی صحیح تعداد) کو کم ہی لوگ جانتے ہیں۔لہٰذا آپ ان کے بارے میں سرسری بات کے سوا زیادہ بحث نہ کریں اور نہ ان میں سے کسی سے ان (اصحاب کہف) کے بارے میں دریافت کریں۔

اور یہ لوگ انکی تعداد میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے، چنانچہ نجران کے عیسائیوں میں سید اور اس کے ساتھی یعنی نسطوریہ کہہ رہے تھے کہ وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے اور عاقب اور اس کے ساتھی یعنی ماریعقوبیہ کہہ رہے تھے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ لوگ بے تحقیق باتیں کر رہے تھے اور اصحاب ملک یعنی ملکانیہ کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ سات تھے آٹھواں ان کا قطمیر کتا تھا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان مخاطبین سے فرما دیجیے کہ میرا پروردگار ان کا شمار خوب صحیح جانتا ہے اور ان کے شمار کو صحیح طور پر بہت تھوڑے لوگ جانتے ہیں جو کہ ان میں مسلمان تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان تھوڑے لوگوں میں سے ہوں وہ کتے سمیت آٹھ تھے لہٰذا آپ ان مخاطبین سے بھی اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں کوئی بحث نہ کیجیے، بس ان کو آیات قرآنیہ پڑھ کر سنا دیجیے اور ان کی تعداد کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی کچھ نہ پوچھیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے بیان فرما دیا وہ ہی آپ کے لیے کافی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: چند لوگوں میں سے میں بھی ہوں، ان کے نام یہ ہیں: مکسلمینا، یملیخا، یہ وہی ہے جو چاندی کے سکے لے کر شہر گیا تھا اور مشلینا، مرنوش، دبرنوش، شاذنوش اور کعسططیونس

یہ چراہا تھا۔اوران کے کتے کا نام قطمیر تھا۔۔۔ [1]

﴿ وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاۡیۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ۝٢٣ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫ وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا ۝٢٤ ﴾

اورآپ کسی چیز کے بارے میں ہرگز یوں نہ کہیں کہ اسے کل ضرور کروں گا ۔(۲۳) مگر یہ کہ اللہ چاہے،اور جب بھی آپ بھول جائیں تو (یاد آنے پر) فوراً اپنے رب کو یاد کیجئے اور کہئے امید ہے کہ میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے بھی قریب راہ دکھادے گا۔(۲۴)

ان شاء اللہ کہنے کے ترک کی ممانعت

ابوصالح ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ ان آیتوں کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روح اور اصحاب کہف کے متعلق سوال کیا۔آپ نے اس اعتماد سے کہ آپ پر آج وحی نازل ہوجائے گی،فرمایا: میں تمہیں کل بتادوں گا اور آپ انشاءاللہ کہنا بھول گئے۔پس حضرت جبرائیلؑ نے پندرہ دن تاخیر کردی کیونکہ آپ نے انشاءاللہ نہیں فرمایا تھا اور اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ یوں ہرگز نہ کہیں کہ میں کل فلاں کام کروں گا بلکہ یوں کہیں کہ انشاءاللہ میں کل

۱۔(المعجم الاوسط رقم الحدیث:61-09 مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض)

فلاں کام کروں گا۔

مفسرین نے ان آیتوں کے تین معانی ذکر کئے ہیں:

(۱) جب آپ انشاء اللہ کہنا بھول جائیں پھر آپ کو بعد میں یاد آئے تو آپ انشاء اللہ کہہ لیں، یہ جمہور کا قول ہے۔

(۲) اذا نسیت کا معنی ہے، اذا غضبت یعنی جب آپ غضب ناک ہوں تو انشاء اللہ کہیں کیونکہ غضب کی وجہ سے نسیان ہوتا ہے۔ یہ عکرمہ اور ماوردی کا قول ہے۔

(۳) جب آپ کسی چیز کو بھول جائیں تو یاد کریں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ چیز یاد دلا دے۔ [۱]

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سیدنا سلیمان بن داؤد (علیہ السلام) نے یوں کہا کہ آج رات میں اپنی سو (یا فرمایا ننانوے) بیویوں کے پاس ضرور گھوم آؤں گا (یعنی سب سے صحبت کروں گا) اور ہر عورت ایک بیٹا پیدا کرے گی، جو جہاد فی سبیل اللہ کا شہسوار ہوگا۔ ان کے ایک رفیق نے کہا، انشاء اللہ کہیے! لیکن سلیمان (علیہ السلام) نے انشاء اللہ نہ کہا۔ پھر ان عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو حمل ٹھہرا اور وہ بھی ادھورا بیٹا ہوا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو سب عورتوں سے بیٹے ہوتے جو شہسوار ہوتے اور سب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے۔" [۲]

۱۔(زاد المسیر ج ۵ ص 127–128 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1408ھ)

۲۔[بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من طلب الولد للجهاد: ۲۸۱۹]

﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾﴾

اور اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس رہے اور مزید نو سال رہے ۔(۲۵)(اے پیغمبر، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ جتنی مدت ٹھہرے رہے، آسمانوں اور زمین کا غیب اسی کے لیے ہے، وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے، اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں ہے، اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔(۲۶)

شان نزول: (آیت) ”والبثوا فی کہفہم“۔ (الخ)

ابن مردویہ ؒ نے ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (آیت) ”ولبثوا فی کہفہم ثلث مائۃ“۔ تو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے تین سو سال مراد ہیں یا تین سو مہینے پھر اس پر یہ جملہ نازل ہوا۔ (آیت) ”سنین وازدادوا تسعا“۔ یعنی تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر اور ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے یہ کہا کہ یہ ان کے غار میں قیام کی مدت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق پچھلی آیت سے ہے۔ یعنی عنقریب لوگ یہ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ (الکھف: 23) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے، وہ کتنا عرصہ ٹھہرے تھے۔ پس واضح ہوگیا کہ یہ لوگوں کا بیان ہے کہ اصحاب کہف تین سو نو سال غار میں ٹھہرے تھے اور واقع میں اصحاب کہف کتنی مدت غار میں ٹھہرے تھے، اس کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں۔ ①

لہٰذا قتادہ اور مطرف بن عبداللہ اور ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہاں 300 سال یا 309 سال لوگوں کے قول کی حکایت ہے نہ کہ خدا کی طرف سے خبر۔ عبداللہ بن مسعود کی قراءت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اس زمانہ کے اہل کتاب غیر مستند قصوں کی بنیاد پر یہ سمجھتے تھے کہ غار میں اصحاب کہف کے قیام کی مدت شمسی کیلنڈر کے لحاظ سے 300 سال ہے اور قمری کیلنڈر کے لحاظ سے 309 سال قرآن نے لوگوں کے اس خیال کو نقل کیا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ کہہ کر اس کو بے بنیاد قرار دے دیا کہ قل اللہ اعلم بما لبثوا (کہو کہ اللہ زیادہ جانتا ہے کہ وہ غار میں کتنا ٹھہرے)۔

موجودہ زمانہ کے محققین نے دریافت کیا ہے کہ یہ مدت شمسی کیلنڈر کے لحاظ سے 196 سال تھی۔ یہ تحقیق اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے جو تمام اگلی پچھلی باتوں سے باخبر ہے۔ اور اسی علم کی بنا پر اس نے مذکورہ قول کو قبول نہیں کیا۔ قرآن اگر کوئی انسانی کلام ہوتا تو یقیناً وہ اپنے زمانہ کے مشہور قول کو لے لیتا جو بالآخر بعد کی تحقیق سے ٹکرا جاتا۔

۱۔ (زاد المسیر ج ۵ ص 130، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1407ھ)

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور آپ اس وحی کی تلاوت کیجیے جو آپ کے رب کی طرف وحی کی گئی ہے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔

پہلے اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا (فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا) مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ الجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہیے۔ یعنی جو جامع و مانع اور کافی وشافی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی اسے پڑھ کر سناتے رہیے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کیے کوئی طاقت نہیں جو انھیں بدل یا ٹال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہوگا یا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کے لیے کہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کے لیے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو اصحاب کہف کو جو خدا کی باتوں پر جمے رہے کیسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ

الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو اور آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں کہ آپ دنیوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں۔ نہ ہی آپ ایسے شخص کی باتیں مانیے جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے، وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

شانِ نزول: (آیت) "۔ ولا تطع من اغفلنا"۔ (الخ)

ابن مردویہؒ نے جریرؒ اور ضحاکؒ کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے، کہ یہ آیت امیہ بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اس نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک ایسی چیز کی درخواست کی تھی جو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمائی وہ یہ کہ مسلمان مساکین کو اپنے پاس سے ہٹا دیجیے اور مکہ کے رؤسا کو اپنے پاس بٹھائیے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور ابن ابی حاتمؒ نے ربیع سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے امیہ بن خلف کی بات کا اثر لیا تھا اور آپ سے جو کہا گیا تھا آپ اس سے بے خبر اور غافل تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، نیز ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ عیینہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی

خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کے پاس حضرت سلمان فارسی ؓ بیٹھے ہوئے تھے تو عیینہ کہنے لگا جس وقت ہم آپ کے پاس آیا کریں تو انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیا کیجیے اور ہمیں بٹھا لیا کیجیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ①

سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھ آدمی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھے، مشرکوں نے آپ سے کہا، ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجیے کہ یہ لوگ ہم پر جرات نہ کیا کریں (یعنی جب ہم آئیں تو یہ نہ آیا کریں) ان لوگوں میں میں تھا، ابن مسعود تھے اور ایک شخص ہذیل قبیلے کا تھا اور بلال اور دو شخص اور تھے جن کا میں نام نہیں لیتا۔ آپ کے دل میں جو اللہ نے چاہا وہ آیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دل ہی دل میں سوچتے رہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ)[الانعام:٥٢] ”اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں۔“ ②

سیدنا حارثہ بن وہب ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ (پھر آپ نے خود ہی جواب دیا) ہر کمزور و تواضع کرنے والا، اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اسے پورا کر دے اور کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ (پھر جواب دیا) ہر تند خو، سرکش، بخیل (یا اترا کر چلنے والا) اور متکبر شخص۔“ ③

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قیامت والے دن

١۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 17348، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

٢۔ [مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص (رض): ٤٦/ ٢٤١٣]

٣۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (عتل بعد ذلک زنیم): ٤٩١٨۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔۔ الخ: ٢٨٥٣]

ایک بڑا موٹا تازہ آدمی آئے گا، حالانکہ اللہ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔"[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت یا کوئی نوجوان مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا، ایک دن اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے گم پایا تو اس کی بابت پوچھا، لوگوں نے بتلایا کہ وہ تو فوت ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "تو تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہ دی؟" گویا لوگوں نے اس (کی وفات) کے معاملے کو معمولی جانا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "مجھے اس کی قبر بتلاؤ؟" چنانچہ لوگوں نے آپ کو اس کی قبر بتلائی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر نماز (جنازہ) پڑھی، پھر فرمایا: "بیشک یہ قبریں، قبروں والوں پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں اور میرے ان پر نماز پڑھنے سے یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں ان کے لیے روشن فرما دیتا ہے۔"[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، آؤ ہم سیدہ ام ایمن کے پاس چلیں، ہم ان کی زیارت کریں جس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ جب یہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں۔ انھوں نے کہا، تم کیوں روتی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے (دنیا سے) زیادہ بہتر ہے؟ انھوں نے جواب دیا، میں اس لیے نہیں روتی کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے زیادہ بہتر ہے، بلکہ میں تو اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ پس سیدہ ام ایمن نے

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (أولئک الذین کفروا بآیات ربھم): ٤٧٢٩۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفة القیامة والجنة والنار: ٢٧٨٥]

۲۔[مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر: ٩٥٦۔ بخاری، کتاب الصلاة، باب کنس المساجد: ٤٥٨]

(اپنی اس بات سے) ان دونوں کو بھی رونے پر مجبور کر دیا اور وہ بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔ ①

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کے لیے گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا، جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا، تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا، اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے، اس کے پاس جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا، کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے، جس کی وجہ سے تم (یہ تکلیف اٹھا رہے ہو اور اس کا بدلہ اتارنے) جا رہے ہو؟ اس نے کہا، نہیں! صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا، میں تیری طرف اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ بتانے کے لیے آیا ہوں) کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتا ہے، جیسے تو اس سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔" ②

سیدنا ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں، بیشک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری اٹھانے والا اور آگ کی بھٹی دھونکنے والا۔ پس کستوری اٹھانے والا یا تو تجھے (کستوری) عطیہ دے دے گا، یا تو خود اس سے خرید لے گا، (یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تب بھی) ایسا تو ضرور ہے کہ تو اس سے خوشبو پائے گا اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا، یا تو اس سے بدبو پائے گا۔" ③

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "آدمی اپنے دوست کے دین

۱۔[مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل أم أیمن (رض): ۲٤٥٤]
۲۔[مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الحب فی اللہ: ۲٥٦٧]
۳۔[بخاری، کتاب الذبائح، باب المسک: ٥٥٣٤۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحین: ۲٦۲۸]

پر ہوتا ہے، پس تمہارا ہر آدمی یہ ضرور دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے۔“ [۱]

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا، قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: ”تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟“ اس نے کہا، اللہ اور اس کے رسول سے محبت۔ آپ نے فرمایا: ”تو انھی کے ساتھ ہوگا جن سے تو نے محبت رکھی۔“ [۲]

﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ ﴾

اور آپ فرما دیجیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے، بیشک ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا، کیا ہی برا پانی ہوگا اور کیا ہی برا ٹھکانا ہوگا۔

۱۔ [أبو داؤد، کتاب الأدب، باب من یؤمر أن یجالس: ٤٨٣٣۔ ترمذی، کتاب الزھد، باب حدیث الرجل علی دین خلیلہ: ٢٣٧٨]

۲۔ [مسلم، کتاب البر والصلة، باب المرء مع من أحب: ٢٦٣٩]

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ تمہارے رب کا دین برحق آ چکا ہے، جس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اب کسی کے لیے عذر باقی نہیں رہا۔ اب ہر آدمی کو اختیار ہے، چاہے تو ایمان لے آئے اور بہانے نہ بنائے اور چاہے تو اس کا انکار کر دے اور اس کا انجام بھگتنے کے لیے تیار رہے۔ مزید دھمکی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹ انھیں گھیرے گی اور جب اپنے جلتے ہوئے دل کی آگ بجھانے کے لیے پانی مانگیں گے تو انھیں پگھلے ہوئے تانبے کی مانند پانی دیا جائے گا، جو منہ کے قریب ہوتے ہی ان کے چہروں کو جھلسا دے گا، وہ بڑا ہی برا پانی ہوگا اور جہنم بڑی ہی بری جگہ ہوگی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوزخ کے سرادق چار موٹی دیواریں ہیں ہر دیوار (کی موٹائی) چالیس سال کی مسافت ہے۔ (۱)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ: ارشاد فرمایا: (اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا)[الدھر: ۳] ”بلاشبہ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے اور خواہ ناشکرا۔“ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا: ارشاد فرمایا: (ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝51 لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝52 فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝53 فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ)[الواقعۃ: ۵۱ تا ۵۴] ”پھر بیشک تم اے گمراہو! جھٹلانے والو! یقیناً تھوہر کے پودے میں سے کھانے والے ہو۔ پھر اس سے پیٹ بھرنے والے ہو۔ پھر اس پر کھولتے پانی سے پینے والے

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 2584، مسند احمد ج ۳ ص 29 مسند ابویعلیٰ رقم الحدیث: 1389 المستدرک ج ٤ ص 160)

ہو۔"اور فرمایا: (اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ 43○ طَعَامُ الْاَثِيْمِ 44○ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ 45○ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ 46○ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ 47○ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ)[الدخان: ٤٣ تا ٤٨] "بیشک زقوم کا درخت۔ گناہ گار کا کھانا ہے۔ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح، پیٹوں میں کھولتا ہے۔ گرم پانی کے کھولنے کی طرح۔ اسے پکڑو، پھر اسے بھڑکتی آگ کے درمیان تک دھکیل کر لے جاؤ۔ پھر کھولتے پانی کا کچھ عذاب اس کے سر پر انڈیلو۔" اور فرمایا: (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ)[یونس: ٤] "اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے نہایت گرم پانی سے پینا ہے اور دردناک عذاب ہے، اس کے بدلے جو وہ کفر کیا کرتے تھے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۚ ۝ ٣٠ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ ٣١

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یقیناً ہم اس شخص کا اجر ضائع

نہیں کرتے جس نے نیک عمل کیا ہو۔(۳۰) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنیں گے،وہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے (بیٹھے) ہونگے۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔(۳۱)

اللہ تعالیٰ نے بدبخت لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مند لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے،جنھوں نے انبیاء (علیہ السلام) کی تصدیق کی اور وہ ان اعمال صالحہ کو بجالاتے رہے جن کا انبیاء نے انھیں حکم دیا۔اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع نہیں کرے گا اور انھیں جنت دے گا،جیسا کہ ارشاد فرمایا:(فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝11 وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝12 مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَاۗىِٕكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝13 وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا)[الدھر:۱۱ تا ۱۴]"پس اللہ نے انھیں اس دن کی مصیبت سے بچالیا اور انھیں انوکھی تازگی اور خوشی عطا فرمائی۔اور انھیں ان کے صبر کرنے کے عوض جنت اور ریشم کا بدلہ عطا فرمایا۔وہ اس میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہونگے،نہ اس میں سخت دھوپ دیکھیں گے اور نہ سخت سردی۔اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے خوشے تابع کردیے جائیں گے،خوب تابع کیا جانا۔"

سیدنا سہل بن سعد الساعدی ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایک مجلس

میں حاضر تھا، اس میں آپ نے جنت کا حال بیان کیا، یہاں تک کہ بہت زیادہ تعریف فرمائی، آخر میں فرمایا: ”جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، نہ کسی کان نے (ان کے بارے) سنا ہے اور نہ ان کا تصور کسی آدمی کے دل میں پیدا ہوا ہے۔“ (۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح، یا ایک شام گزارنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کے لیے جنت میں ایک ہاتھ جگہ یا ایک کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اگر جنت کی کوئی عورت زمین پر جھانک دے تو زمین و آسمان کا درمیان روشن ہو جائے اور خوشبو سے بھر جائے اور اس کے سر کا دوپٹا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“ (۲)

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ: ” اَلْاِتِّكَاءُ “ کے معنی لیٹنے کے ہیں اور ایک قول کے مطابق آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے ہیں اور یہاں یہی معنی قرین صواب معلوم ہوتے ہیں، سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔“ (۳)

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۟ؕ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا

۱۔ [مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب صفۃ الجنۃ: ۲۸۲۵]

۲۔ [بخاری، کتاب الجھاد، باب الحور العین و صفتھن: ۲۷۹۶۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ: ۱۸۸۰]

۳۔ [بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب الأکل متکئا: ۵۳۹۸۔ ترمذی، کتاب الأطعمۃ، باب ما جاء فی کراھیۃ الأکل متکئا: ۱۸۳۰]

نَهَرًا ﴿٣٣﴾

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ
مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ
اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ
رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾

اور آپ ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجیے، جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ عطا کئے تھے اور ان کو ہم نے کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی اگا دی تھی۔ (۳۲) دونوں باغ خوب پھل لائے اور پیداوار میں کوئی کمی نہیں کی اور ہم نے ان کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی۔ (۳۳) اور اس شخص کے پاس بہت پھل تھے، تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے بولا، میں مال میں تجھ سے زیادہ تر ہوں، اور آدمیوں (جتھے) کے لحاظ سے زیادہ باعزت ہوں۔ (۳۴) اور (ایک دن) وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور اپنی جان پر ظلم کرتے ہوئے کہنے لگا: میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا۔

(۳۵) اور نہ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹا ہی دیا گیا تو یقینا میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

(۳۶)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی 450ھ اس کے شان نزول میں لکھتے ہیں:

اس کے شان نزول میں دو قول ہیں:

(۱) مقاتل بن سلیمانؒ نے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی خبر دی جو اپنے باپ کی طرف سے مال کثیر کے وارث ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بتایا کہ وہ آٹھ ہزار دینار کے وارث ہوئے تھے۔ میں سے ایک مومن تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا تقریب حاصل کرنے کے لیے اس کی راہ میں خرچ کر دیا۔ دوسرا بھائی کافر تھا اس نے اپنا حق وصول کیا اور اس سے دو باغ بنا لیے اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کچھ خرچ نہیں کیا پھر بعد میں ان دونوں بھائیوں کو جا حال ہوا، اس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مثال دی ہے اور پچھلی امت کے کسی شخص کے حال کی خبر نہیں دی تا کہ آپ کی امت دنیا میں بے رغبتی کرے اور آخرت میں رغبت کرے اور ان آیتوں کو بہ طور نصیحت بین فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آیات بالا میں جن دو شخصوں کا ذکر فرمایا ہے یہ بنی اسرائیل میں سے ایک بادشاہ کے بیٹے تھے، ایک نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور دوسرے شخص نے کفر اختیار کیا اور وہ دنیا کی زینت میں مشغول ہو گیا اور مال کو بڑھانے میں لگ گیا

واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے خوب مال دیا اس کے انگور کے دو باغ تھے اور ان دونوں باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے درخت تھے۔ جنہوں نے باڑ کی طرح سے ان دونوں باغوں کو گھیر رکھا تھا۔ ان دونوں باغوں میں کھیتی بھی تھی، درختوں کے پھلوں اور کھیتی کی پیداوار سے وہ بڑا مالدار بنا ہوا تھا ان باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی دونوں باغ بھرپور پھل دیتے تھے ذرا سی بھی کمی نہ ہوتی تھی۔

یہ تو باغ والے کا حال تھا (جو اوپر مذکور ہوا) اس کے احوال کے برخلاف ایک دوسرا شخص تھا، وہ مال اور آل واولاد کے اعتبار سے زیادہ حیثیت والا نہ تھا، جس شخص کے باغ تھے اسے بڑا غرور تھا اس نے اپنے اس کم حیثیت والے ساتھی سے کہا کہ میں مال کے اعتبار سے تجھ سے زیادہ ہوں اور افراد کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہوں کیونکہ میری جماعت زبردست ہے، اول تو اس نے اس کم حیثیت والے ساتھی سے تکبر اور تفاخر سے خطاب کیا اور دوسرا کام یہ کیا کہ وہ اپنے باغ میں اپنے نفس پر ظلم کرنے کی حالت میں یعنی کفر پر قائم ہوتے ہوئے داخل ہوا وہاں بھی اس نے وہی کفر کیا اور کفران نعمت کی باتیں کیں کہنے لگا کہ میں تو یہ نہیں سمجھتا کہ میرا یہ باغ کبھی بھی برباد ہوگا اور یہ جو قیامت قائم ہونے والی باتیں کرتے ہو یہ یوں ہی کہنے کی باتیں ہیں میرے خیال میں تو قیامت قائم ہونے والی نہیں۔ فرض کرو کہ اگر قیامت آ ہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو اس دنیا میں جو میرا باغ ہے مجھے وہاں اس سے بڑھ کر بہت زیادہ اچھی جگہ ملے گی۔ دنیا والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کافر اور فاجر ہوتے ہوئے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں جب اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے تو وہاں بھی ہمیں خوب زیادہ نعمت و دولت ملے گی، یہ لوگ قیامت کو مانتے تو نہیں ہیں لیکن اہل ایمان سے قیامت کی باتیں سن کر یوں کہہ

دیتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو وہاں بھی ہماری نوازش میں کوئی کمی نہ ہوگی یہ نہیں جانتے کہ وہاں جو کچھ ملے گا ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملے گا چونکہ حضرات انبیاء کرام (علیہ السلام) کی تعلیم اور تبلیغ کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اس لیے روز جزاء میں جو نعمتیں ملیں گی، ان نعمتوں کے ملنے کے قانون سے واقف نہیں ہوتے اور بہت سی مرتبہ حقیقت جانتے ہوئے بھی اہل ایمان کے سامنے منہ زوری کرکے اپنے آپ کو دونوں جہانوں میں برتر اور بہتر بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خود ہی خیال جما لیتے ہیں کہ ہم یہاں بھی بہتر ہیں وہاں بھی بہتر ہونگے۔

﴿ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ
وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا
شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا
وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ
عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ
يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ ﴾

اس کے ساتھی نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا، کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا

جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا۔(۳۷) مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔(۳۸) اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے یہ کیوں نہ کہا" جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی قوت کے مقابلے میں کوئی قوت نہیں ہے ، اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم تر ہوں۔(۳۹) تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر (باغ) دے اور تیرے باغ پر آسمان سے عذاب بھیج دے اور وہ صبح کو چٹیل میدان رہ جائے۔(۴۰) یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور پھر تم اسے کسی طرح تلاش نہ کر سکو۔(۴۱)

وہ جو اس کا ساتھی تھا جس سے اس نے فخر اور تمکنت کی باتیں کی تھیں اور اسے اپنے سے گھٹیا بتایا تھا اس نے اول تو اسے عار دلائی اور ایک اچھے انداز میں اس کی نادانی اور بے وقوفی پر متنبہ کیا اور کہا کہ جس ذات پاک نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرمایا پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا یعنی تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، چونکہ حضرت آدم (علیہ السلام) مٹی سے پیدا ہوئے جو ہر انسان کے باپ ہیں اور پھر ہر انسان مادہ قریبہ یعنی نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جو رحم مادر میں جاتا ہے اس لیے مادہ بعیدہ اور قریبیہ دونوں کو ذکر کر دیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ دیکھ رحم مادر میں نطفہ پہنچ کر جو بچہ بن کر باہر آتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ ٹھیک ہو اور اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں تجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا

فرمایا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تیرے اعضاء کو صحیح سالم بنایا اور مزید کرم یہ فرمایا کہ تجھے مرد بنایا، بجائے مومن بندہ بننے کے تو کافر ہو گیا۔ تف ہے ایسی سمجھ پر اس کے بعد اس مومن بندہ نے اپنا عقیدہ بتایا اور یوں کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس میں اپنے دین و عقیدہ کا اعلان بھی ہے اور مخاطب پر تعریض بھی ہے کہ تو مشرک ہے اور مشرک ہونا بدترین چیز ہے، اس کے بعد اس مومن موحد نے اپنے مخاطب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے باغ کی نعمت دی ہے تجھے اس نعمت پر شکرگزار ہونا چاہیے باغ میں جاکر تو نے یوں کہا کہ میرے خیال میں یہ باغ کبھی برباد نہ ہو گا اور تو قیامت آنے کا بھی منکر ہو گیا اس کے بجائے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (یعنی اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں) یہ باغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وجود میں آیا ہے اسی نے تجھے اس پر قبضہ دیا ہے جب وہ چاہے گا اسے برباد کر دے گا اور تو دیکھتا رہ جائے گا، رہی یہ بات کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں تو یہ بات میرے لیے کوئی غم گین اور متفکر ہونے کی نہیں ہے مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عنقریب تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرمادے گا دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں میں، اور وہ وقت بھی دور نہیں معلوم ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے اور تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے، یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تو اس پانی کو طلب کرنے کی کوشش بھی نہ کر سکے، مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میرا باغ ہمیشہ رہے گا یہ اس لیے کہتا ہے کہ اسباب ظاہرہ موجود ہیں سیراب کرنے کے لیے پانی ہے باغ کی سینچائی کے لیے آدمی موجود ہیں۔ یہ تیری بھول ہے جس ذات پاک نے تجھے یہ باغ دیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے اس پر کوئی آفت بھیج دے۔ پھر نہ کوئی درخت رہے نہ ٹہنی نہ برگ رہے نہ بار، اسے اس

بات پر بھی قدرت ہے کہ جس پانی پر تجھے گھمنڈ ہے وہ اس پانی کو اندر زمین سے دور پہنچا دے اور یہ پانی اتنی دور چلا جائے کہ تو اسے محنت اور کوشش کر کے دوبارہ اپنی کھیتی کی سطح تک لانے کی ہمت نہ کر سکے۔ مومن و موحد بندہ نے جو کافر و مشرک ناشکرے کو شرک چھوڑنے اور توحید اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ماننے اور اس کی گرفت سے بچنے کی تلقین کی تھی اس پر اس کافر نے دھیان نہ دیا عذاب آ ہی گیا۔ اور اس کے پاس جو مال تھا اور مالدار بننے کے جو اسباب تھے ان سب کو ایک آفت نے گھیر لیا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ایک آگ تھی جس نے اس کی مالیت کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اب تو یہ شخص حیران کھڑا رہ گیا اور اپنے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا اس پر اپنے ہاتھ کو الٹتا پلٹتا رہ گیا اس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا (یعنی جن ٹٹیوں پر انگور وغیرہ کی بیلیں چڑھاتے ہیں وہ جل کر گر گئی تھیں پھر اوپر سے پورا باغ ہی جل کر ان ٹٹیوں پر گر گیا) وہ شخص افسوس کر رہا تھا، کبھی یوں ہاتھ پیٹتا تھا اور کبھی یوں، اور کہتا تھا کہ ہائے افسوس میں اس باغ پر مال خرچ نہ کرتا جیسا تھا ویسے ہی بڑھتا رہتا۔ اگر اس پر مال نہ خرچ کرتا تو باغ جل جاتا مگر مال تو رہ جاتا، باغ بھی ہلاک ہوا اور جو کچھ اس پر لگایا تھا وہ بھی گیا اب اسے اپنے مومن ساتھی کی نصیحت یاد آئی اور کہنے لگا (يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا) (ہائے کاش کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔)

اس قصے سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوئے:

1 باغوں کا اگانا اور انھیں پھل اور پھول سے بار آور کرنا یہ سب اللہ تعالیٰ کے کام ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

(وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝62 اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝63 ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝64 لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ

65○ اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ 66○ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ)[الواقعۃ:٦٣ تا ٦٧] ”پھر کیا تم نے دیکھا جو کچھ تم بوتے ہو؟ کیا تم اسے اگاتے ہو، یا ہم ہی اگانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیں، پھر تم تعجب سے باتیں بناتے رہ جاؤ۔ کہ بیشک ہم تو تاوان ڈال دیے گئے ہیں۔ بلکہ ہم بے نصیب ہیں۔“ اور فرمایا: (وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَةَ الۡاُوۡلٰى فَلَوۡلَا تَذَكَّرُوۡنَ 62○ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ 63○ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ 64○ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطٰمًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَ 65○ اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ 66○ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ)[الانعام:١٤١] ”اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور نہ چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی، جن کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ اس کے پھل میں سے کھاؤ، جب وہ پھل لائے اور اس کا حق اس کی کٹائی کے دن ادا کرو اور حد سے نہ گزرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔“ اور فرمایا: (وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ 18○ فَاَنۡشَاۡنَا لَـكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ‌ۘ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ 19○ وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ)[المؤمنون:١٨ تا ٢٠] ”اور ہم نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ کچھ پانی اتارا، پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور یقیناً ہم اسے کسی بھی طرح لے جانے پر ضرور قادر ہیں۔ پھر ہم نے تمھارے لیے اس کے ساتھ کھجوروں اور انگوروں کے کئی باغ پیدا کیے، تمھارے لیے ان میں بہت سے لذیذ پھل ہیں اور انھی سے تم کھاتے ہو۔ اور وہ درخت بھی جو طور سینا سے نکلتا ہے، تیل لے کر اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی۔“

2 بھروسا اللہ تعالیٰ پر رکھنا چاہیے نہ کہ مال و دولت پر۔ مادہ پرستی کے بجائے اللہ پر کامل ایمان رکھنا چاہیے۔ دنیا تو محض دھوکے کی متاع ہے، اس پر فخر و ناز کیا معنی رکھتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾[الحدید:۲۰] ”جان لو کہ بیشک دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل ہے اور دل لگی ہے اور بناؤ سنگار ہے اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر بڑائی جتانا ہے اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے، اس بارش کی طرح جس سے اگنے والی کھیتی نے کاشتکاروں کو خوش کر دیا، پھر وہ پک جاتی ہے، پھر تو اسے دیکھتا ہے کہ زرد ہے، پھر وہ چورا بن جاتی ہے اور آخرت میں بہت سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے بڑی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“

3 غریب کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ تکبر ذلت خواری کا سبب ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور اور تکبر ہو۔“ ایک شخص نے کہا، ہر آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ نے فرمایا: ”اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔“ (۱)

۱۔ [مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ:۹۱]

مَا شَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ: سیدنا ابوموسیٰ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ سکھلاؤں، جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟“ میں نے عرض کیا، وہ کیا ہے؟ فرمایا: ”وہ خزانہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ کہنا ہے۔“ [۱]

﴿ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ ﴾

اور اس کے پھلوں کو آفت سے گھیر دیا گیا تو اس نے اس حال میں صبح کی کہ اپنی ہتھیلیاں ملتا تھا اس پر جو اس میں خرچ کیا تھا اور حال یہ تھا کہ اس کا باغ اپنی چھتریوں پر گرا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہائے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔ (۴۲) اور اللہ کے سوا کوئی جماعت ایسی نہ ہوئی جو اس کی مدد

۱۔ [بخاری، کتاب القدر، باب (لاحول ولاقوۃ إلا باللہ): ۶۶۱۰۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر: ۲۷۰۴]

کرتی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔(۴۳) یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اختیارات اللہ برحق ہی کے پاس ہیں، وہی بہتر ثواب اور بہتر بدلا دینے والا ہے۔(۴۴)

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے رفیق کی مخلصانہ پند و موعظت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ حسب سابق شرک و نافرمانی کی روش پر چلتا رہا یہاں تک کہ مہلت کی وہ گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ جو ہر عصیان شعار اور غلط کار کو سنبھلنے کے لیے مرحمت فرمائی جاتی ہیں۔ تو وہ عذاب آیا۔ جس نے اس کی خوابوں کی دنیا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے اجڑے ہوئے اور اکھڑے ہوئے باغ کو دیکھ کر کف افسوس ملنے لگا۔ علامہ قرطبی نے احبط بثمرہ کا معنیٰ کیا ہے ای اہلک مالہ کلہ کہ اس کا سب مال و متاع برباد ہو گیا۔

فرمایا اس طرح اس کا سارا نشہ کافور ہو گیا اور جن جن چیزوں پر اس نے زندگی میں انحصار کیا تھا ان میں سے ایک ایسی نہ تھی جو اس کے کچھ کام آتی، معلوم ہوا کہ ہر آدمی اپنی غرض کے لیے دوسروں کا ساتھ دیتا ہے، جب اس کی غرض کو ٹھیس پہنچے تو گزرا ہوا وقت اس کو کبھی یاد نہیں رہا عوام تو عوام تاج و تخت کے ایوانوں تک کا یہی حال ہے کہ جب مشکل وقت آ جائے تو انسان تو انسان در و دیوار بھی انسان کو کھاتے نظر آتے ہیں اور ہر وہ چیز جو اس کے سکون کا باعث تھی اس کی بے آرامی اور وبال جان بن کر رہ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس حالت سے ہر فرد و بشر کو بچائے کہ اس کے اعوان و انصار ہی اٹھ کر اس پر کوڑے برسانے لگیں اور اس کے محافظ و خدام ہی کے ہاتھوں میں کڑیاں ہوں کہ اس کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیں۔

ایسے ہی حالات و واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، کیونکہ جب اس کی طرف سے گرفت آتی ہے تو سارے سامان' سارا اقتدار دھرے کا دھرا رہ جاتا

ہے اور جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے، فرعون کے پاس کس چیز کی کمی تھی؟ لیکن جب اللہ کی پکڑ آئی تو اس کے کام کوئی چیز آئی؟ اس طرح آج اگر مکہ والے سمجھتے ہیں کہ اقتدار، عزت اور مال واولادان کے پاس ہے اس لیے ان کا جتھا بہت مضبوط ہے تو سنت اللہ بھی یہی چلی آرہی ہے کہ جب کوئی اپنے جتھے کو مضبوط سمجھ کر حدود سے متجاوز ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے پکڑتا ہے کہ تجاوز کرنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا ہے اور قانون الٰہی اپنا کام کر جاتا ہے۔ (الولایۃ) بالفتح کے معنی کارسازی وانصرام امور کے ہیں اور (ولایہ) بالکسر کے معنی مدد ونصرت کے ہیں اس جگہ (الولایۃ) بالفتح ہی ہے گویا مطلب یہ ہے کہ کارسازی اور انتظام امور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور وہ اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے چھوٹ دیتا رہتا ہے اور اگر بندہ اس قدر تجاوز کر جائے کہ وہ خود ہی سب کچھ بن بیٹھے تو پھر گرفت اس پر لازم ہو جاتی ہے اور یہی مقام ہے جہاں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے کہ نصرت اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے کیونکہ دنیادار طاقتور آخر اپنی طاقت کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتا اور نہ ہی اپنی ہلاکت کو طاقت سے بچا سکتا اور نہ ہی اپنی ہلاکت کو طاقت سے بچا سکتا ہے اور اس طرح بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہی ولایت اور دوستی کا تعلق کام آتا ہے، جس طرح اس دونوں باغ کے مالک کی مثال سے واضح کیا گیا کہ جب تک اللہ نے چاہا کہ وہ بناتا رہے جو وہ بنانی چاہتا ہے تو وہ طرح طرح کی باتیں بناتا رہا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ آگئی تو وہ سب کچھ برباد ہو کر رہ گیا جس پر وہ نازاں تھا۔

﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ

الرِّیٰحُ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ
زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

اوران سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کردو، وہ ایسی ہے، جیسے پانی۔ جسے ہم نے آسمان سے نازل کیااس کے ساتھ زمین کی انگوری خوب مل جل گئی پھر وہ چور، چور ہوگئی، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (۴۵) مال اور بیٹے تو محض دنیا کی زندگی کی زینت ہیں، اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے پاس بہ اعتبار ثواب اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں (۴۶)۔

گزشتہ آیات میں ایک مثال کے ذریعہ سے مال وجاہ اور دنیا کا فانی اور حقیر ہونا اور اعمال عقبی کا باقی ہونا ذکر فرمایا گیا تھا اسی طرح ان آیات میں بھی دنیوی زندگی کی ایک اور مثال دی جارہی ہے جس سے دنیا کا سریع الزوال ہونا اور اعمال صالحہ کا باقی رہنا اور آخرت کا قابل اہتمام ہونا بیان فرمایا جارہا ہے۔ قرآن مجید انسان کی توجہ دنیا کی بے ثباتی کی طرف بار بار دلاتا ہے۔ توحید و رسالت کے بعد یہ اس کا خاص موضوع ہے اور اس حقیقت کو متعدد جگہ عبارتیں بدل بدل کر انسان کے ذہن نشین کیا گیا ہے کہ دنیا کی

زندگی سے دل لگانے کا نتیجہ اور انجام برا ہوتا ہے۔ ان آیات میں بھی دنیا کی زندگی کی حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا جارہا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ دنیا کی عارضی بہار فانی اور ایک دن ختم ہوجانے والی ہے اور اس کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا اور وہ یک بیک جی اٹھی۔ ہر طرف سبزہ لہلہانے لگا طرح طرح کے پودے اور پھل و پھول نظر آنے لگے۔ ہری بھری کھیتیاں آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگیں مگر تھوڑے ہی دنوں بعد وہ لہلہاتی کھیتی زرد ہوکر سوکھنا شروع ہوجاتی ہے آخر ایک وقت آتا ہے کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کردی جاتی ہے اور چورہ چورہ ہوکر ہوا میں اڑائی جاتی ہے۔ اور ہوا اسے تتر بتر کردیتی ہے۔ نہ اس میں گزشتہ شادابی رہتی ہے۔ نہ وہ سبزی۔ نہ پھل نہ پھول۔ اسی طرح انسان کی حالت ہے۔ غیبی فیضان سے رحم مادر کی زمین میں اس کا تخم بویا جاتا ہے۔ وقت خاص پر پیدا ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ بڑھتا۔ ترقی کرتا اور جوان ہوتا ہے۔ جوانی۔ رعنائی حسن۔ طاقت۔ صحت سب ہی کچھ حاصل ہوتا ہے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد بڑھاپا آتا ہے اور وہ حسن و جمال اور قوت و طاقت سب معدوم ہوجاتی ہے اور بالآخر مر کر خاک کے ساتھ خاک ہوجاتا ہے۔

سیدنا عمرو بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقیری کا ڈر نہیں، بلکہ مجھے اس کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ ہوجائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی، پھر تم دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے، جیسے اگلے لوگ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے اور وہ دنیا تمہیں ہلاک کردے جیسے اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔"[۱]

سیدنا ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "دنیا (ظاہر میں)

۱۔[مسلم، کتاب الزہد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنۃ للکافر: ۲۹۶۱]

میٹھی اور سبز ہے (جیسے تازہ میوہ) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ پس دنیا سے بچو (کہ کہیں وہ تمہیں یاد الٰہی سے غافل کر دے) اور عورتوں سے بچو، اس لیے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔“[۱]

ہاں اگر کوئی چیز باقی رہنے والی اور آخرت میں کام آنے والی ہے تو وہ اعمال صالحہ ہیں۔ انہیں کی وجہ سے فرحت دائمی کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر وہاں کی کامیابی اور آسائش کوئی چاہتا ہے تو دنیا میں ایسے نیک کام کرے۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کو باقی رہنے والے ہیں۔ اللہ عزوجل ایسے کاموں کا اچھا بدلہ عنایت فرمائے گا۔ تو یہ باقیات صالحات دنیا کے ساز و سامان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جزا کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی یعنی اعمال صالحہ پر جو امیدیں وابستہ ہوتی ہیں وہ آخرت میں پوری ہوں گی اور اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب ملے گا بخلاف متاع دنیا کے کہ اس سے خود دنیا ہی میں امیدیں پوری نہیں ہوتیں اور آخرت میں تو احتمال ہی نہیں۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا: سیدنا عثمان ؓ کے غلام حارث بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان ؓ یک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ موذن آیا تو آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، جو تقریباً تین پاؤ ہوگا۔ آپ نے وضو کیا اور کہا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی طرح وضو کیا، پھر فرمایا: ”جو میرے اس وضو جیسا وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو اس کے صبح سے لے کر ظہر تک کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر اس نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اس ظہر سے عصر تک کے گناہ معاف، پھر مغرب کی نماز پڑھی تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف،

۱۔[مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب أکثر أہل الجنۃ الفقراء۔۔۔الخ:۲۷۴۲۔ ترمذی، کتاب الفتن، باب ما أخبر النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) أصحابہ۔۔۔الخ:۲۱۹۱]

پھر عشاء کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف، پھر رات کو وہ سو یا رہا اور صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشاء سے فجر تک کے گناہ معاف۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔" لوگوں نے پوچھا، یہ تو ہوئیں نیکیاں، اب اے عثمان! آپ بتلائیے، باقیات صالحات کیا ہیں؟ تو عثمانؓ نے فرمایا، وہ یہ ہیں: (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَ سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ)۔ [1]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، لیکن تین چیزیں باقی رہتی ہیں، ایک صدقہ جاریہ، دوسری چیز وہ علم جس سے فائدہ حاصل ہو اور تیسری نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔" [2]

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۗ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

۱۔ [مسند أحمد: ۷۱/۱، ح: ۵۱۵]

۲۔ [مسلم، کتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته: ۱۶۳۱]

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا
حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ ایک کھلا ہوا میدان ہے اور ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے۔(۴۷) اور سب تیرے رب کے حضور صف در صف پیش کئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) آخر تم ہمارے پاس اسی طرح آ گئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اور تم تو یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم تمہارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔(۴۸) اور اعمال کی کتاب کھول کر رکھ دی جائے گی تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے شامت! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو، کوئی بات بھی نہیں مگر اسے لکھ رکھا ہے، اور جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔(۴۹)

ان آیتوں میں قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائے گا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے

اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی اور اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گا۔ پھر ساری مخلوق کو اللہ کے سامنے جمع کر دیا جائے گا۔ اس دن کہیں کوئی جائے پناہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ ہوگی۔ تمام لوگ اللہ کے سامنے صف بستہ ہوں گے۔ روح اور فرشتے صفیں باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے کسی کو بات کرنے کی تاب نہ ہوگی۔ سوائے ان لوگوں کو جن کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے اور وہ بات بھی معقول کہیں۔

لَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ: ارشاد فرمایا: (وَهُوَ الَّذِىۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ‌ وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ)[الروم:۲۷] ”اور وہی ہے جو خلق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ اسے زیادہ آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی شان اسی کی ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”(قیامت کے دن) لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بن ختنہ اکٹھے کیے جائیں گے۔“ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس طرح تو مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ”وہ وقت اتنا سخت ہوگا کہ ان باتوں کی کسی کو ہوش ہی نہیں ہوگی۔“ [۱]

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوسری بار پیدا کر کے تمہیں اپنے سامنے لا کھڑا کیا حالانکہ تم اس کو مانتے ہی نہ تھے۔ پھر ہر ایک کا نامہ اعمال اس کے سامنے

۱۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر:٦٥٢٧]

رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا، بڑا اور ظاہر و پوشیدہ عمل لکھا ہوا ہوگا۔ گناہ گار اپنی بداعمالیوں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائیں گے اور افسوس و رنج سے کہیں گے کہ ہم تمام عمر بدکرداریوں میں لگے رہے اور اب دیکھو تو اس کتاب (اعمال نامہ) نے ایک معاملہ بھی ایسا نہ چھوڑا جسے لکھا نہ ہو۔ جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا ہوگا وہ سب کچھ اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے۔ [۱]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں اس آدمی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا۔ وہ آدمی کہ قیامت کے دن اسے لایا جائے گا اور کہا جائے گا، اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو، لیکن بڑے گناہ پیش نہ کرنا، چنانچہ اسے اس کے چھوٹے گناہ دکھائے جائیں گے اور اس سے پوچھا جائے گا، فلاں روز تم نے یہ اور یہ گناہ کیے تھے؟ فلاں دن تم نے یہ اور یہ گناہ کیے تھے؟ وہ آدمی عرض کرے گا، ہاں! کیے تھے۔ وہ انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکے گا اور (دل ہی دل میں) اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ اب وہ اس کے سامنے لائے جائیں گے۔ تو اسے کہا جائے گا، تجھے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی جاتی ہے۔ بندہ عرض کرے گا، اے میرے رب! میں نے کچھ اور بھی گناہ کیے تھے، جنھیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ "میں نے دیکھا کہ یہ فرما کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنا ہنسے کہ آپ کی داڑھ مبارک نظر آنے لگی۔ [۲]

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا : اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام اعمال کا فیصلہ فرمائے گا، مگر اپنی مخلوق میں

۱۔(ابن کثیر 87، 88 / 3)

۲۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أہل الجنة منزلة فیها: ۱۹۰]

سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا، بلکہ معاف فرمائے گا، درگزر کرے گا اور رحم فرمائے گا۔ اپنی قدرت و حکمت اور عدل کے مطابق جسے چاہے گا عذاب بھی دے گا، کفار اور گناہ گاروں سے جہنم کو بھر دے گا۔ پھر گناہ گاروں کو بھی جہنم سے نجات دے دے گا اور کافروں کو اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رکھے گا۔ وہ ایسا حاکم ہے جو کسی پر قطعاً ظلم و زیادتی نہیں کرتا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا) [النساء: ٤٠] ”بیشک اللہ ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔“ اور فرمایا: (وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ) [الانبیاء: ٤٧] ”اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہونگے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! بیشک میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تم پر بھی حرام کیا ہے، پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔“ [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قیامت کے دن بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا۔“ [2]

١۔ [مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ٢٥٧٧]

٢۔ [مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٢۔ مسند أحمد: ٢/ ٢٣٥، ح: ٧٢٢٣]

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ
اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ
بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ ﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا وہ جنات میں سے تھا سو وہ اپنے رب کی فرماں برداری سے نکل گیا، کیا تم پھر بھی مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، (شیطان) ظالموں کے لیے (اللہ کا) بڑا برا بدل ہے۔

ابلیس کی ذریت کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں

حسن اور قتادہؒ نے کہا اس کی ذریت اس کی اولاد ہے، اور شیطانوں کی بھی اس طرح اولاد ہوتی ہے جس طرح بنو آدم کی اولاد ہوتی ہے اور مجاہد نے کہا اس کی ذریت سے مراد شیاطین ہیں، اس کی ذریت میں ذلنبور ہے جو ہر بازار میں شیطان کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوتا ہے اور شر ہے جو مصائب کا سبب ہے اور اعور ہے جو ریا کاری کا سبب ہے اور مسوط ہے جو لوگوں میں جھوٹی باتیں پھیلاتا ہے اور داسم ہے جو اس آدمی کا ساتھی ہے جو گھر میں بغیر سلام کئے داخل ہو اور جو بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا کھائے، وہ اس کے

ساتھ کھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔ (۱)

بعض شیطانوں کے خصوصی نام احادیث میں بھی ہیں:

حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: وضو کے شیطان کو ولہان کہا جاتا ہے، تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔ (۲)

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان حائل ہوجاتا ہے اور وہ مجھ پر قرأت مشتبہ کردیتا ہے تو رسول اللہ نے فرمایا: یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے، جب تم اس کو محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دو۔ انہوں نے کہا میں نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کو مجھ سے دور کردیا۔ (۳)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اس کے نزدیک وہ شیطان سب سے بڑے درجہ کا ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ ڈالتا ہے۔ ان میں سے ایک آکر کہتا ہے میں نے فلاں فلاں کام کیا ہے۔ وہ کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا، پھر ان میں سے ایک اور آکر کہتا ہے میں نے فلاں شخص کو اس وقت چھوڑا جب اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ کرادیا تو وہ اس کو اپنے قریب کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے کام کیا ہے۔

۱۔(زادالمسیر ج ۵ ص 154، مطبوعہ دارالمکتب الاسلامی بیروت، 1407ھ)

۲۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: 57، مسند احمد ج ۵ ص 136 سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 421، المسند الجامع ج ۱ ص 20)

۳۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: 2203، مسند احمد ج ۴ ص 216، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث 381)

اعمش نے کہا وہ اس سے بغل گیر ہوتا ہے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان کو مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی مگر اللہ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہوگیا اور مجھ کو نیک کام کے سوا کوئی مشورہ نہیں دیتا۔ (۲)

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ابلیس ابوالجن ہے جیسا کہ حضرت آدم ابوالانس ہیں اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا میں جتنی آدم کی ذریت بناؤں گا، اتنی ہی تمہاری ذریت بناؤں گا۔ اسی وجہ سے آدم کی ہر اولاد کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہوتا ہے۔ (۳)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ : فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ 11 ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ) [الاعراف:۱۱، ۱۲] "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمہارا خاکہ بنایا، پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، وہ سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا۔ فرمایا تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہیں کرتا، جب میں نے

۱۔ (صحیح مسلم رقم احلدیث: 2813 رقم المسلسل 6973، مسند احمد ج ۳ ص 314، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: 1033)

۲۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 2814، مسند احمد ج ۱ ص 385، سنن الداری رقم الحدیث: 2737، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: 658)

۳۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 7437، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

تجھے حکم دیا؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔" ابلیس نے آدم (علیہ السلام) سے حسد کیا اور ان سے اور ان کی اولاد سے دشمنی ٹھان لی، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝16 ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭوَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ) [الاعراف:١٦، ١٧] "اس نے کہا پھر اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں ضرور ہی ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرفوں سے اور ان کی بائیں طرفوں سے آؤں گا اور تو ان کے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔"

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں، جن آگ کے شعلے سے پیدا کیے گئے اور آدم (علیہ السلام) اس چیز (یعنی مٹی) سے پیدا کیے گئے، جو تمہیں بتادی گئی ہے۔"[1]

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا: یہ مقام اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰس میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں اور سعادت مند و بد بخت لوگوں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: (اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝60 وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ڼ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝61 وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝62 هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ

۱۔ [مسلم، کتاب الزہد، باب فی أحادیث متفرقۃ:۲۹۹۶]

تُوۡعَدُوۡنَ ﴿63﴾ اِصۡلَوۡهَا الۡيَوۡمَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ)[يٰسٓ: ٦٠ تا ٦٤] ”کیا میں نے تمہیں تاکید نہ کی تھی اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور بلا شبہ یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے تھے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔“

﴿ مَآ اَشۡهَدۡتُّهُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ
اَنۡفُسِهِمۡ ۖ وَمَا كُنۡتُ مُتَّخِذَ الۡمُضِلِّيۡنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوۡمَ
يَقُوۡلُ نَادُوۡا شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ
يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَهُمۡ وَجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّوۡبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ
النَّارَ فَظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مُّوَاقِعُوۡهَا وَلَمۡ يَجِدُوۡا عَنۡهَا مَصۡرِفًا ﴿۵۳﴾ ﴾

میں نے انہیں نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت، اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنانے والا تھا۔ (۵۱) اور جس دن اللہ فرمائے گا: بلاؤ میرے ان شریکوں کو جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے پس وہ پکاریں گے پس وہ ان کو جواب نہیں دیں گے اور ہم

ان کے درمیان ہلاکت کا ایک گڑھا بنا دیں گے۔(۵۲) اور مجرم لوگ آگ (دوزخ) کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔(۵۳)

ابلیس اور اس کی ذریت کو جو تم میری عبادت اور اطاعت میں شریک بناتے ہو تو کیا زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں یا خود ان کی اپنی پیدائش میں میں نے ان کو شریک کیا تھا؟ یا اس کے بارے میں ان سے کوئی مشورہ لیا تھا؟ ہرگز نہیں، میں نے ایسا نہیں کیا۔ اول تو مجھے کسی معاون یا مشیر کی ضرورت ہی نہیں اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو میں ان ناپاک فطرت شیطانوں کو جن کا کام ہی میری مخلوق کو سیدھی راہ سے بھٹکانا ہے کبھی اپنا معاون و مددگار نہ بناتا۔ جب یہ شیاطین میرے کاموں میں اور میرے اختیارات و تصرفات میں میرے شریک نہیں تو میری عبادت اور اطاعت میں میرے شریک کس طرح بن سکتے ہیں ؟ بلکہ جس طرح تم میری عاجز مخلوق اسی طرح یہ بھی میری عاجز و بے بس مخلوق ہیں اور ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ ھؤلاء الذین اتخذتموھم اولیاء من دونی عبید امثالکم۔ [1]

اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان بتوں کے پجاریوں سے کہے گا کہ اپنے ان معبودوں کو یاد کرو جن کی تم عبادت کرتے اور میرا شریک ٹھہراتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ تمہیں میرے عذاب سے نجات دلا دیں گے سو وہ ان معبودوں کو پکاریں مگر یہ ان کو جواب نہ دیں گے اور ہم ان عابد و معبود کے درمیان دوزخ میں وادی حائل کردیں گے۔

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ

۱۔(ابن کثیر ج3 ص89)

تَزْعُمُوْنَ ﴾[الانعام:٩٤] "اور بلاشبہ یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو، جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو کچھ ہم نے تمھیں دیا تھا اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے وہ سفارش کرنے والے نہیں دیکھتے جنھیں تم نے گمان کیا تھا کہ بیشک وہ تم میں حصے دار ہیں۔ بلاشبہ یقیناً تمھارا آپس کا رشتہ کٹ گیا اور تم سے گم ہو گیا، جو کچھ تم گمان کیا کرتے تھے۔"

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ : ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ﴾[الاحقاف:٥،٦] "اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔ اور جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہونگے۔" اور فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝81 كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾[مریم:٨١،٨٢] "اور انھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے، تاکہ وہ ان کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا، عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے خلاف مدمقابل ہونگے۔"

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے کفر اور شرک کا جرم کرنے والے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کو دیکھ رہے ہوں گے اور وہ خیال کر رہے ہوں گے کہ اس آگ میں یقیناً انھیں کو ڈالا جائے گا اور اب ہمارا انجام اس آگ میں جلنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس وقت ان کی جو کیفیت ہوگی آج اس کا تصور بھی انسان کے لیے ممکن نہیں کیونکہ دنیا میں بڑے سے بڑا ہولناک تصور بھی قیامت کے تصور کی مثل نہیں ہوسکتا۔ تو

اپنی آنکھوں سے اپنا انجام دیکھ کر بھی اس بات پر قادر نہیں ہوں گے کہ وہ یہاں سے بھاگ نکلیں۔کوئی پناہ گاہ انھیں اپنی پناہ میں لے لے۔ان کی بے بسی ایسی ہوگی کہ جس کا دنیا میں تصور کرنا محال ہے۔کس قدر بے بس ہے وہ شخص جو اپنے سامنے اپنے انجام کو دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ میرے لیے نا قابل برداشت ہے۔لیکن اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، بلکہ اس کی بے بسی اس کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝۵۴ ﴾

اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لیے طرح طرح کی مثالیں بیان کی ہیں۔لیکن انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے قرآن کریم میں بہت سی مثالیں، گزشتہ قوموں کے واقعات اور توحید باری تعالیٰ کے دلائل بیان کیے ہیں۔مقصود یہ ہے کہ آدمی غور و فکر کر کے اللہ پر ایمان لے آئے اور سیدھی راہ اختیار کرے،لیکن انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ہمیشہ باطل دلائل کے ذریعے سے حق کا انکار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔البتہ ان لوگوں کا طرز عمل مختلف ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اور راہ نجات کی بصیرت سے نواز دے۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا : سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں ایک بار ایسا ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رات کو میرے اور فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”تم (تہجد کی) نماز نہیں

پڑھتے؟" میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب چاہتا ہے ہم کو جگا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ بات کہی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واپس تشریف لے گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن جب آپ واپس جا رہے تھے تو میں نے سنا، آپ اپنی ران پر ہاتھ مارتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے: (وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا) [الکہف: ٥٤] "اور انسان ہمیشہ سے سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔"[١]

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا ﴿٥٦﴾﴾

اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آ چکی تو انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت مانگنے سے کسی بات نے نہیں روکا ہے، مگر اس بات نے کہ ان کو پہلے لوگوں جیسا معاملہ پیش آ جائے یا ان پر عذاب نازل ہو۔ (۵۵) اور ہم رسولوں کو

١۔[بخاری، کتاب التہجد، باب تحریض النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی قیام اللیل: ١١٢٧۔ مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب الحث علی صلاۃ اللیل وإن قلت: ٧٧٥]

صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کے بھیجتے ہیں اور وہ باطل کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے حق کو مٹا دیں اور انھوں نے میری آیات کو اور اس چیز کو جس سے وہ ڈرائے گئے تھے مذاق بنالیا ہے۔(۵۶)

یعنی لوگوں کو ایمان لانے سے کس چیز نے منع کیا ہے حالانکہ ہدایت جس سے راہ راست اور گمراہی، حق اور باطل کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے ان تک پہنچ چکی ہے اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے۔۔ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ بھی نہیں کہ حق واضح نہیں ہوا بلکہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ ظلم وتعدی ہے۔ پس اب کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ سنت الٰہی کے مطابق وہی عذاب آجائے جو پہلی قوموں پر آیا تھا؟ جب وہ ایمان نہ لاتے تو ان پر عذاب بھیج دیا جاتا یا عذاب ان کے سامنے آجاتا اور وہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیتے۔۔مطلب یہ ہے کہ پس انہیں ڈرنا چاہیے اور اپنے کفر سے توبہ کر لینی چاہیے قبل اس کے کہ ان پر عذاب ٹوٹ پڑے جسے روکا نہیں جا سکتا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰى وَيَسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ: ارشاد فرمایا: (وَكَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ ○ فَمَا كَانَ دَعۡوٰٮهُمۡ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ) [الاعراف: ۴، ۵] ”اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا، تو ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آیا، یا جب کہ وہ دوپہر کو آرام کرنے والے تھے۔ پھر ان کی پکار، جب ان پر ہمارا عذاب آیا، اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انھوں نے کہا یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔“ اور فرمایا: (وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِىۡ قَرۡيَةٍ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّاۤ اَخَذۡنَاۤ اَهۡلَهَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ يَضَّرَّعُوۡنَ ○۹۴ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ

الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ)[الاعراف:٩٤،٩٥] ”اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والوں کو تنگی اور تکلیف کے ساتھ پکڑا، تاکہ وہ گڑ گڑائیں۔ پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل کر دے دی، یہاں تک کہ وہ خوب بڑھ گئے اور انھوں نے کہا یہ تکلیف اور خوشی تو ہمارے باپ دادا کو (بھی) پہنچی تھی۔ تو ہم نے انھیں اچانک اس حال میں پکڑ لیا کہ وہ سوچتے نہ تھے۔“ اور فرمایا: (فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ)[الانعام:٤٤] ”پھر جب وہ اس کو بھول گئے جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں کے ساتھ خوش ہو گئے جو انھیں دی گئی تھیں، ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا تو اچانک وہ نا امید تھے۔“

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا: ارشاد فرمایا: (فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ 24 ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ)[الأحقاف:٢٤،٢٥] ”تو جب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جو تم نے جلدی مانگا تھا، آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے۔ جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی، پس وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے رہنے کی جگہوں کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی، اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں۔“

حضور رحمت کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کفار کے انکار سے بہت کبیدہ خاطر و پریشان ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس پر فرمایا کہ ہم رسولوں کے ذمہ صرف یہ کام لگاتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں کو بشارت دی اور منکروں کو عذاب جہنم سے ڈرائیں جب انھوں نے یہ ذمہ داری پوری کردی تو سرخرو ہو گئے رہا کسی کو ہدایت دینا تو یہ اللہ کا کام ہے لہذا کفار کے انکار سے پریشان نہیں ہونا چاہیے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کفار باطل کے ذریعے حق کو پھسلانا اور اسکا مذاق اڑانا چاہتے ہیں مثلا کفار کہتے تھے کہ اللہ نے ایک بشر کو رسول بنایا ہے یہ کیسے ممکن ہے وہ کہتے تھے یہ قرآن دو بستیوں مکہ و طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یوں ہی وہ کہتے تھے اے محمد ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین سے چشمہ نہ نکالو یا تمہارے لئے انگور اور کھجور کے باغات نہ ہو الغرض اسی طرح کے ڈھکوسلوں سے وہ دعوت توحید و رسالت کا مقابلہ کر رہے تھے مگر آخر حق غالب آیا اور باطل مٹ گیا ۔اس جگہ واتخذ وا ایتی ورسلی هزوا۔ سے معلوم ہوا کسی آیت سے خداوندی یا کسی رسول کا مذاق اڑانا کفر ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا

لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ

مَوْىِٕلًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹ ع

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی اس نے ان سے اعراض کیا اور اسے بھول گیا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دیا ہے اور اگر آپ انھیں ہدایت کی طرف بلائیں تو وہ ہرگز ہدایت نہیں پائیں گے۔(۵۷) اور آپ کا رب تو بہت بخشنے والا، بہت رحمت والا ہے، اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کا مواخذہ کرتا تو ضرور ان پر جلدی عذاب بھیج دیتا لیکن ان کے لیے (عذاب کا) ایک وقت مقرر ہے، (جب وہ وقت آجائے گا تو وہ) اللہ کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ (۵۸) اور یہ ساری بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا جبکہ ان کے لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کیا۔

(۵۹)

جن برے کاموں کی وجہ سے کفار پر عذاب نازل کیا گیا

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار محض ضد اور عناد سے بحث کرتے ہیں۔اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ اوصاف بیان کئے جو ذلت اور رسوائی کے موجب ہیں۔ان صفات میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ اس سے بڑا اور کون ظالم ہے جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے دلائل پیش کئے جائیں تو وہ ان سے اعراض کرے،اور ان آیات اور دلائل سے اعراض کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ان برے کاموں کو بھول جائے جو وہ پہلے کر چکا ہے۔ان برے کاموں سے مراد اس کا کفر اور شرک ہے۔دوسری صفت یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈل دیئے ہیں تا کہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر آپ انہیں صحیح راستہ کی طرف بلائیں تو وہ کبھی ہرگز اس راستہ پر نہیں آئیں گے۔

کفار کی اس صفت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی تو پھر وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہوئے تو اب ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ایسی شدید گستاخی کی کہ اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے گئے اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی گئی۔جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے۔

بل طبع اللہ علیھا بکفرھم (النساء:155) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور ان کے دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ حسی طور پر ان

کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی گئی تھی اور ان کے کانوں پر پردے ڈال دیئے گئے تھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر اور معصیت کو اچھا جاننے اور ایمان اور اطاعت کو برا سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے اور اللہ کی آیات سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان کی گمراہی اس قدر پختہ ہو چکی تھی کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی اور ان کی اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر پردے ڈالنے اور کانوں میں گرانی پیدا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ کا رب بہت بخشنے والا، رحمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش کو مبالغہ کے صیغے کے ساتھ فرمایا ہے یعنی بہت بخشنے والا اور رحمت کو مبالغہ کے ساتھ نہیں تعبیر فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بخشنے کا معنی یہ ہے کہ کسی سزا اور عذاب کو ترک کر دینا اور سزا اور عذاب دینے کی غیر متناہی صورتیں ہیں اور غیر متناہی چیزوں کو ترک کرنا ممکن ہے اور رحم فرمانے کا معنی ہے انعام اور اکرام دینا اور کسی ایک چیز کو عطا کرنے سے یہ معنی حاصل ہو جاتا ہے اس معنی کے حصول کے لیے غیر متناعی چیزوں کا دینا ضروری نہیں ہے اور جب کسی کو بخش دیا تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو جتنی سزائیں دی جاسکتی ہیں ان سب کو ترک کر دیا۔ اس لیے بخشنے کو مبالغہ کے صیغے کے ساتھ تعبیر فرمایا اور رحمت کو مبالغہ کے ساتھ نہیں تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے بہت بخشنے کی دلیل یہ ہے کہ اہل مکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہت عناد رکھتے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ کرنے میں جلدی نہیں کی بلکہ فرمایا ان سے مواخذہ کرنے کا ایک وقت مقرر ہے، اس سے مراد یا تو آخرت ہے اور یا دنیا میں غزوہ بدر کے موقع پر اور مسلمانوں کی فتح کے دیگر مواقع پر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست کی ذلت سے دوچار

کیا۔

اس کے بعد فرمایا: یہ بستیاں ہیں جب ان بستیوں والوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اس سے مراد پہلے لوگوں کی بستیاں ہیں یعنی ثمود اور قوم لوط کی بستیاں۔ اس سے مراد بستیوں والے ہیں جب ان لوگوں نے اہل مکہ کی طرح ظلم کیا تو ہم نے ان کو ایک وقت معین کی مہلت دی اور جب وہ ایک وقت معین تک اپنے کفر اور ظلم سے تائب نہیں ہوئے تو پھر ہمارے عذاب نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب ان کی گرفت فرماتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔“ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ) [ھود: ۱۰۲] ”اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے، اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں، بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک، بہت سخت ہے۔“ [1]

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝٦٠﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم (یوشع) سے کہا کہ میں نہ ہٹوں گا جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں یا میں مدتوں چلتا رہوں

۱۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب (وکذلک أخذ ربک إذا أخذ القری۔۔ الخ): ٤٦٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم: ٢٥٨٣]

گا۔

حضرت یوشع بن نون کا تعارف

حافظ ابن کثیر و مشقی متوفی 774ھ لکھتے ہیں، حضرت یوشع بن نون کا نسب یہ ہے۔ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل علیہم السلام۔ قرآن مجید میں ان کا کئی جگہ ذکر ہے: اذ قال موسیٰ لفتہ (الکھف: 60) فلما جاوزا قال فتہ (الکھف: 62) جب ان دونوں نے اس جگہ سے تجاوز کیا تو موسیٰ نے اپنے فتی (شاگرد) سے کہا ان دونوں آیتوں میں فتی سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے کہ یوشع بن نون کی نبوت پر تمام اہل کتاب کا اتفاق ہے کیونکہ ان کی ایک جماعت جس کا نام السامرہ ہے وہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد یوشع بن نون کے سوا کسی نبی کی نبوت کا اقرار نہیں کرتی، کیونکہ ان کی نبوت کی تورات میں تصریح ہے۔ وہ ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کی نبوت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے رب کی جانب سے برحق نبی ہیں۔ سو قیامت تک ان پر مسلسل لعنت ہوتی رہے گی۔ [1]

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کو جانے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ وہ شخص نہ جائے جس کی ابھی شادی ہوئی ہو اور وہ شب زفاف گزارنا چاہتا ہو اور نہ وہ شخص جائے جو مکان بنا رہا ہو اور ابھی اس نے مکان کی چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس کی بکریاں ہوں یا حاملہ اونٹنیاں ہوں اور وہ ان کے بچے پیدا ہونے

1۔ (البدایہ والنہایۃ: ج 1 ص 421) (مسند احمد رقم الحدیث: 10904 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کا منتظر ہو، پھر وہ جہاد کے لیے گئے۔ نماز عصر کے وقت وہ بستی کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم کے پابند ہو اور میں بھی حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ! تو سورج کو تھوڑی دیر روک لے سو، سورج کو روک لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کر دی۔ الحدیث۔ ①

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کے لیے گئے اس سے مراد حضرت یوشع بن نون ہیں۔

ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے ردِ شمس کی حدیث پر حافظ ابن حجر کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ نبی یوشع بن نون ہیں جیسا کہ امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ سورج کو صرف حضرت یوشع بن نون کے لیے روکا گیا تھا جن راتوں میں انہوں نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔ ②

حضرت یوشع بن النون کو فتیٰ فرمانے کی توجیہ

اس آیت میں فرمایا ہے جب موسیٰ نے اپنے فتیٰ سے کہا، ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فتیٰ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اس لفظ کا معنی ہے نوجوان لڑکا یا لڑکی، غلام اور باندی کو

۱۔(صحیح مسلم رقم الحدیث: 1747، صحیح البخاری رقم الحدیث: 3144)

۲۔(مسند احمد رقم الحدیث: 8322، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بھی فتیٰ کہا جاتا ہے۔[1]

علماء کے اس کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) حضرت یوشع حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے اور کلام عرب میں فتیٰ جوان آدمی کو کہتے ہیں اور چونکہ عام طور پر خدمت جوان آدمی کرتے ہیں اس لیے بہ طور ادب خادم کو فتیٰ کہتے ہیں۔ شریعت میں بھی خادم پر فتیٰ کا اطلاق مستحب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص میرا بندہ یا میری بندی! نہ کہے تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، لیکن تمہیں کہنا چاہیے میرا غلام یا میری کنیز یا میرا فتی یا میری فتاۃ (میرا خادم بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، لیکن تمہیں کہنا چاہیے میرا غلام یا میری کنیز، یا میرا فتی یا میری فتاۃ (میرا خادم یا میری خادمہ)۔[2]

(۲) حضرت یوشع کو حضرت موسیٰ کا فتیٰ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں لازماً حاضر رہتے تھے۔ ہر چند کہ وہ اصل میں آزاد تھے۔

(۳) ان کو فتیٰ اس لیے فرمایا کہ وہ غلام کے قائم مقام تھے قرآن مجید میں ہے:

وقال لفتینہ اجعلوا بضاعتھم فی رحالھم (یوسف 62) اور یوسف نے اپنے نوکروں سے فرمایا ان کی پونجی ان کی بوریوں میں رکھ دو۔

حضرت خضر کا نام، لقب اور کنیت

۱۔ (المفردات ج ۲ ص 482، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ 1418ھ)

۲۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: 2249، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 4975)

ابن قتیبہ نے معارف میں وہب بن منبہ کی روایت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت خضر کا نام بلیا ہے۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا ہے کہ ان کا نام خضرون ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ارمیاہ ہے۔ مقاتل نے کہا ان کا نام الیسع ہے کیونکہ حضرت خضر کا علم سات آسمانوں اور سات زمینوں کو محیط ہے، لیکن پہلا قول مشہور ہے۔ یہ لفظ خضر اور خضر دونوں طرح پڑھنا صحیح ہے۔ ان کو جو خضر کا لقب دیا گیا ہے اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ جب یہ زمین پر بیٹھتے تو اس زمین پر سبزہ اگ جاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے بیٹھنے سے خشک گھاس ہری ہو جاتی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب یہ نماز پڑھتے تو اردگرد سبز ہو جاتا تھا۔ ان کی کنیت ابو العباس ہے۔

حضرت خضر کا نسب یہ ہے: بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام)۔

مجمع البحرین کا مصداق

اس آیت میں فرمایا ہے حضرت موسیٰ نے کہا میں مسلسل چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مجمع البحرین (دو سمندروں کے ملنے کی جگہ) پہنچ جاؤں۔ مجمع البحرین کے متعلق مفسرین کی حسب ذیل آراء ہیں:

امام ابن جریر طبری متوفی 310ھ نے لکھا ہے کہ قتادہ اور مجاہد سے مروی ہے یہ دو سمندر ہیں بحر فارس اور بحر روم۔ بحر روم مغرب کے قریب ہے اور بحر فارس مشرق کے قریب ہے۔ [1]

امام رازی نے لکھا ہے مجمع البحرین، بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ ہے اور بعض علماء نے کہا ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے ملنے کی جگہ ہے کیونکہ حضرت موسیٰ بحر شریعت تھے اور حضرت

ا۔ (جامع البیان رقم الحدیث: 17462، 17461، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1315ھ)

خضر بحر طریقت تھے اور مجمع البحرین ان دونوں کے ملنے کی جگہ تھی۔ (۱)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس مقام کی تعین کسی یقینی ذریعہ سے نہیں ہو سکی تاہم قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے مراد صحرائے سینا کا وہ جنوبی راس ہے جہاں خلیج عقبہ اور خلیج سویس دونوں آ کر ملتے ہیں اور بحر احمر میں ضم ہو جاتے ہیں۔

حقبا کے معنی

علامہ حسن بن محمد راغب اصفہانی متوفی 502ھ لکھتے ہیں:

حقبا کا معنی ہے دہر ایک قول یہ ہے کہ حقب اسی (80) سال کو کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ زمانہ کی غیر معینہ مدت کو حقب کہتے ہیں۔ (۲)

اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک میں مجمع البحرین نہیں پہنچ جاؤں گا چلتا ہی رہوں گا اور اپنا سفر جاری رکھوں گا خواہ کتنا ہی عرصہ کیوں نہ لگ جائے۔

مجمع البحرین کی طرف سفر کا سبب اور حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی تعین

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کی اور حر بن قیس فزاری کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ کس سے ملنے گئے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا وہ خضر تھے۔ ان کے پاس سے حضرت ابی بن کعب گزرے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا میری اور میرے اس ساتھی کی اس میں بحث ہوئی کہ حضرت موسیٰ کا وہ کون صاحب تھا جس سے ملاقات کا انہوں نے سوال کیا تھا، کیا آپ نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ ہاں میں نے

۱۔(تفسیر کبیر ج ۷ ص 479 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، 1415ھ)

۲۔(المفردات ج ۱ ص 166، مطبوعہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ مکرمہ، 1418ھ)

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل میں تھے تو ایک شخص نے سوال کیا، کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو؟ حضرت موسیٰ نے اللہ سے ان کی ملاقات کی سبیل کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مچھلی کو نشانی بنا دیا اور فرمایا جب تم سے مچھلی گم ہو جائے تو تم لوٹ آنا وہیں تمہاری خضر سے ملاقات ہوگی۔ حضرت موسیٰ سمندر میں مچھلی کے نشان ڈھونڈتے رہے پھر حضرت موسیٰؑ سے ان کے شاگرد نے کہا: بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آ کر ٹھہرے تھے تو بیشک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جسے ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے (الکھف: 63-64) پھر ان دونوں نے خضرؑ کو پالیا۔ پھر ان دونوں کا وہی قصہ ہے جس کو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ [1]

سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ نوف البکالی کا یہ زعم ہے کہ حضرت خضر کے ساتھ جس موسیٰ کا قصہ ہے یہ بنو اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے یہ اور موسیٰ تھے۔ حضرت ابن عباس نے کہا وہ اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے۔ ہمیں حضرت ابی بن کعبؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے تھے تو ان سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا میں سب سے بڑا عالم ہوں، تب اللہ عزوجل نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف علم کو

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 74، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 4707، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3149، صحیح مسلم رقم الحدیث: 2380، مسند احمد رقم الحدیث: 21426، عالم الکتب)

نہیں لوٹایا، تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں وہ تم سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! میری ان سے کیسے ملاقات ہوگی؟ فرمایا ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لو پس جب وہ مچھلی گم ہوگی وہیں وہ بندہ ہوگا۔ حضرت موسیٰ اور ان کا شاگرد یوشع بن نون دونوں چل پڑے اور انہوں نے ایک ٹوکری میں مچھلی رکھ لی تھی حتی کہ ان دونوں نے ایک چٹان پر سر رکھا اور وہ دونوں سو گئے۔ وہ مچھلی ٹوکری سے نکلی اور سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی چلی گئی اور یہ صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں اس سفر سے تھکاوٹ پہنچی ہے۔ (الکھف: 62) اس نے کہا بھلا دیکھیے جب ہم اس چٹان کے پاس آکر ٹھہرے تھے تو بیشک میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور اس مچھلی کا ذکر کرنا مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا (الکھف: 63) اور اس مچھلی نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے تو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے پیچھے لوٹے (الکھف: 64) جب وہ دونوں اس چٹان پر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے موجود ہے۔

حضرت موسیٰ ؑ نے اس کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا تمہاری زمین میں سلامتی کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا بنو اسرائیل کے موسیٰ ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، حضرت موسیٰ نے کہا آیا میں آپ کی اشرط پر پیروی کروں کہ آپ کو جو رشد و ہدایت کا علم دیا گیا ہے آپ اس علم کی مجھے بھی تعلیم دیں۔ حضرت خضر نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے (الکھف: 66-67) اے موسیٰ میرے پاس اللہ کے علم سے ایسا علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے وہ آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ

مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا (الکھف: 69) پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے چلنے لگے ان کے پاس کشتی نہیں تھی۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری انہوں نے ان سے کہا کہ وہ ان کو سوار کر کے لے جائیں۔ انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کرلیا، پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے بیٹھ گئی اور اس نے سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں۔ پس خضر نے کہا مجھے اور تمہیں علم دینے سے اللہ کے علم میں سے صرف اتنی کمی ہوتی ہے جتنی اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے سے کمی ہوتی ہے۔ پھر حضرت خضر نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختے کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا ان لوگوں نے بغیر اجرت کے ہم کو کشتی میں سوار کیا اور آپ نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا تاکہ آپ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کردیں۔ حضرت خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ اس چیز پر میری گرفت نہ کریں جو میں بھول گیا ہوں (الکھف: 72-73) پس پہلی بار حضرت موسیٰ سے بھول ہوگئی پھر وہ دونوں چل پڑے پس انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر نے اوپر سے اس کے سر کو پکڑا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا سر الگ کردیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے قصور شخص کو کسی جان کے حق کے بغیر قتل کردیا (الکھف: 74) حضرت خضر نے کہا کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہیں کریں گے (الکھف: 75) ابن عیینہ نے کہا اس جملہ میں پہلے جملہ سے زیادہ تاکید ہے۔ پھر وہ دونوں چلتے رہے حتیٰ کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے اور ان بستی والوں سے کھانا مانگا۔ پس انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کردیا۔ ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار کو گرتے ہوئے دیکھا تو ان دونوں نے اس دیوار کو

کھڑا کر دیا (الکھف: ۷۷) آپ نے فرمایا: حضرت خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے کھڑا کر دیا۔ پھر حضرت موسیٰ نے ان سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر ان سے اجرت لے لیتے۔ حضرت خضر نے کہا اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہے (الکھف: ۷۷–78) نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ کچھ دیر اور صبر کرتے حتیٰ کہ ان دونوں کے مزید واقعات بیان کئے جاتے۔ [۱]

ان دونوں حدیثوں کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ جس شخص سے ملاقات کرنے مجمع البحرین گئے تھے وہ حضرت خضر (علیہ السلام) تھے اور حضرت خضر (علیہ السلام) کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے جو شخص آئے تھے وہ بنو اسرائیل کے حضرت موسیٰ بن عمران تھے، کیونکہ پہلے معاملہ میں حضرت ابن عباسؓ سے حر بن قیس بن حصص فزاری نے اختلاف کیا اور کہا وہ حضرت خضر نہیں تھے کوئی اور شخص تھے اور دوسرے معاملے میں حضرت ابن عباس سے نوف بکالی نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بنو اسرائیل کے موسیٰ بن عمران نہیں تھے کوئی اور موسیٰ تھے۔

﴿ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ ﴾

پھر جب وہ دونوں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث 122، سنن الترمذی رقم الحدیث: 3149، صحیح مسلم رقم الحدیث: 238، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 4707، مسند احمد رقم الحدیث: 21436، عالم الکتب)

گئےتو اس (مچھلی) نے اپنا راستہ سرنگ کی طرح دریا میں بنالیا۔

وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سو رہے۔ یوشع (علیہ السلام) نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سے کھلا رہ گیا۔ یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے جب ان کو مچھلی کی خبر گیری کے لیے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیے۔ فلما بلغا مجمع بینہما پس جب دونوں مجمع البحرین پر پہنچے (دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے) یعنی مقرر پتھر تک پہنچ گئے۔ موسیٰ وہاں سو گئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔

مچھلی کا زندہ ہو جانا

سفیان نے کہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا (جس کی خاصیت یہ تھی کہ) جس چیز پر (یعنی جس مردہ پر) اس کا پانی لگ جاتا تھا وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کودتی تھی۔ کلبی نے کہا یوشع بن نون نے آب حیات سے وضو کر کے ٹوکری میں رکھی ہوئی نمکین مچھلی پر چھینٹا دیا جس سے مچھلی زندہ ہو کر پانی میں جا کودی اور پانی کے اندر دم مارتی چلی گئی پانی کے جس حصہ پر وہ دم مارتی تھی پانی خشک ہو (کر راستہ بن) جاتا تھا۔

حضرت یوشع کا بھول جانا:

نسیا حوتہما تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے۔یعنی موسیٰ مچھلی مانگنا اور دریافت حال بیان کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہوکر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

بغویؒ نے لکھا ہے مچھلی یوشع کے پاس تھی حقیقت میں وہ ہی مچھلی کا تذکرہ کرنا بھولے تھے لیکن چونکہ دونوں نے زادراہ کے لیے اس کو رکھا تھا اس لیے بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی' جیسے کہا جاتا ہے فلاں لوگ سفر کو نکلے اور کھانے کے لیے انھوں نے کھانا ساتھ لے لیا حالانکہ ساتھ لینے والا اور اٹھانے والا صرف ایک آدمی ہوتا ہے لیکن رکھنے والے سب ہوتے ہیں اس لیے سب کی طرف ساتھ لینے اور اٹھانے کی نسبت کردی جاتی ہے۔

﴿ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝٦٢ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝٦٣ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝٦٤ ﴾

جب وہ آگے چلے تو موسیٰ نے اپنے خادم (یوشع) سے کہا ہمارے لیے کھانا لاؤ اس

سفر سے ہمیں بڑی تھکان ہوگئی ہے۔(۶۲) (خادم نے) کہا، کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا اور یہ شیطان ہی ہے جس نے مجھے ایسا بھلایا کہ میں آپ سے اس کا ذکر نہ کر سکا۔ اس نے سمندر میں جانے کی راہ عجیب طریقہ سے نکال لی۔(۶۳) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: یہی تو وہ جگہ ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے، پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے۔(۶۴)

جب دونوں مجمع البحرین سے آگے نکل گئے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سفر سے بہت تھک گئے ہیں اب کھانا لاؤ۔ "نصبا" تعبا یعنی تھکاوٹ اور تکلیف۔ "قال ارءیت الخ" ساتھی کو اب مچھلی کا واقعہ یاد آیا اور اس نے جواب میں کہا جب ہم نے پتھر کے سایہ میں آرام کیا تھا، اس وقت وہ مچھلی عجیب معجزانہ طور پر زندہ ہوکر توشہ دان سے نکل کر دریا میں گھس گئی تھی مگر آپ سے اس کا حال بیان کرنا بھول گیا۔ "قال ذالک الخ" حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا ہماری منزل مقصود کی یہی تو علامت تھی چنانچہ وہیں سے الٹے پاؤں واپس ہوئے۔ "قصصا" یہ مصدر ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ ای یقصان قصصا۔ یا مصدر بمعنی اسم فاعل ارتدا کے فاعل سے حال ہے، یعنی اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس مڑے جہاں سے مچھلی دریا میں داخل ہوئی جب وہاں پہنچے تو قریب ہی جزیرہ میں خضر (علیہ السلام) سے ملاقات ہوئی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) غیب دان تھے اگر غیب داں ہوتے تو انہیں حضرت خضر کی جگہ معلوم ہوتی اور وہ اس جگہ سے آگے نہ نکل

جاتے۔

سفر میں زادراہ لینا توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے دوران سفر ناشتہ طلب کیا اس سے معلوم ہوا انسان کو چاہیے جب سفر میں جائے تو کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جائے۔اس میں ان جاہل صوفیوں کا رد ہے جو سفر میں کھانے پینے کی چیزوں کو ساتھ لے جانا توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ان کا زعم یہ ہے کہ کسی چیز کو ساتھ نہ لے جانا یہی اللہ عزوجل پر توکل ہے اور دیکھیے یہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم نبی اور اس کے کلیم ہیں اور انہوں نے سفر میں اپنے ساتھ زادراہ لیا حالانکہ انہیں ان سے اور سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تھی۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل یمن حج کرتے تھے اور زادراہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے توکل کرنے والے ہیں پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے سوال کرنے لگتے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ (البقرہ:197) اور سفر خرچ ساتھ لو، بہترین سفر خرچ سوال سے بچنا ہے۔ [۱]

اسی طرح رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب کئی کئی راتوں کے لیے غار حرا میں جاتے تو اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے تھے۔پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس لوٹ آتے اور جب دوبارہ جاتے تو پھر کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے۔ [۲]

۱۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:1523)

۲۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:۳ صحیح مسلم رقم الحدیث:160، مسند احمد رقم الحدیث:25717)

حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اس چیز کو تو ہم ڈھونڈ رہے تھے یعنی اس جگہ ہم اس شخص سے ملاقات کے لیے آئے تھے، پھر وہ دونوں اپنے پیروں کے نشانات پر چلتے ہوئے واپس لوٹے اور صحیح بخاری میں ہے ان دونوں نے وہاں حضرت خضرؑ کو سمندر کے وسط میں ایک سرسبز جزیرہ پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ سعید بن جبیرؒ نے کہا وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اس کا ایک پلو ان کے سر کے اوپر تھا اور ایک پلو ان کے پیروں کے نیچے تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے چادر سے اپنا چہرہ نکال کر کہا ہماری سرزمین میں سلامتی کہاں ہے؟ پھر اپنا سر بلند کر کے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور کہا اے بنی اسرائیل کے نبی وعلیک السلام۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ میں اس شرط پر آپ کی اتباع کروں کہ آپ مجھے اللہ کا دیا ہوا علم سکھا دیں پھر وہ دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ [1]

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ ﴾

سو (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک خاص علم

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 4726)

سکھایا تھا۔

عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَآ: اس سے مراد خضر (علیہ السلام) ہیں (خاء کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ، یا خاء کے کسرہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ)۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ)۔ [1] ”ان کا نام خضر اس لیے پڑا کہ وہ سفید زمین کے ایک قطعے پر بیٹھے تو وہ ان کے پیچھے سرسبز ہوکر لہلہانے لگا۔“ یہ اللہ کے نبی تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے آخر میں فرمایا کہ میں نے یہ اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ (کہف: ۸۲) بلکہ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا جو وحی کی صورت میں انبیاء کو صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کا اوپر مفصل حدیث میں یہ کہنا کہ میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے، تم اسے نہیں جانتے۔۔ ولی کتنا بھی مقرب ہو اس کا الہام حجت نہیں، نہ وہ الہام سے کسی کو قتل کر سکتا ہے، ورنہ ہر مومن اللہ کا ولی ہے۔ (بقرہ: ۲۵۷) وہ اللہ کے امر کا بہانہ بنا کر جسے چاہے گا قتل کر دے گا، جب کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ محقق علماء جن میں امام بخاری، ابن تیمیہ اور حافظ ابن حجر جیسے عظیم ائمہ شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ خضر (علیہ السلام) فوت ہو چکے ہیں، کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو سورہ آل عمران کی آیت (۸۱) کے مطابق ان پر لازم تھا کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آ کر آپ پر ایمان لاتے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے، جب کہ ان کے آنے کا کہیں ذکر نہیں، نہ کسی صحابی سے ان کے ملنے کا کوئی ذکر ہے۔ صحیح بخاری کی وہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے جس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ

---

[1]۔ [بخاری، أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الخضر۔۔۔: ۳۴۰۲]

هُوَ عَلٰی ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ)۔ (۱)

"آج رات سے ایک سو سال پورے ہونے تک زمین کی پشت پر جو بھی ہے کوئی باقی نہیں رہے گا۔" جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ زمین پر نہیں بلکہ دریاؤں اور سمندروں میں رہتے ہیں، ان کا رد جابرؓ سے مروی حدیث سے ہوتا ہے، جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا :(مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ الْيَوْمَ، تَأْتِي عَلَيْهَا مِاءَةُ سَنَةٍ، وَهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَءِذٍ)۔ (۲)

"کوئی بھی جان جو آج پیدا ہو چکی ہے اس پر سو سال نہیں آئیں گے کہ وہ اس وقت زندہ ہو۔" جو لوگ خضر (علیہ السلام) کے زندہ ہونے کے قائل ہیں ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، ابن قیمؒ نے فرمایا کہ وہ تمام روایات جن میں خضر (علیہ السلام) کے اب تک زندہ ہونے کا ذکر ہے سب جھوٹی ہیں۔ سب سے بڑی دلیل جو وہ حضرات بیان کرتے ہیں، یہ ہے کہ بہت سے صالحین سے ان کی ملاقات ہوئی ہے، حالانکہ اسے دلیل کہنا دلیل کی توہین ہے، کیونکہ جنھوں نے انھیں دیکھا ہے انھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ خضر ہیں؟ کیا انھوں نے پہلے خضر (علیہ السلام) کو دیکھا ہے کہ ملاقات پر وہ انھیں پہچان گئے؟ رہا کسی ملنے والے کے کہنے سے کہ "میں خضر ہوں" اسے خضر مان لینا سادہ لوحی کی انتہا ہے، جس سے فائدہ اٹھا کر شیطان نے بیشمار لوگوں کو گمراہ کیا ہے، مگر وہ سب وہی ہیں جو صحابہ کے بعد آئے، کیونکہ صحابہؓ آسانی سے شیطان کے فریب میں آنے والے نہیں تھے۔ صحیح بخاری اور ترمذی میں جس عین الحیاۃ (آب حیات) کا ذکر ہے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ثابت نہیں اور آپ کے سوا کسی دوسرے کے قول سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔۔۔: قرآن مجید میں "رَحْمَةً مِّنْ

۱۔[بخاری، العلم، باب السمر فی العلم: ۱۱۶، عن ابن عمر]

۲۔[مسلم، فضائل الصحابۃ، باب بیان معنی قولہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): علی رأس ماءۃ۔۔۔: ۲۵۳۸]

رَبِّكَ " سے مراد نبوت کئی جگہ لی گئی ہے، جیسا کہ فرمایا: (وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝31 اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ)[الزخرف:۳۱،۳۲] " اور انھوں نے کہا یہ قرآن ان دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ کیا وہ تیرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) تقسیم کرتے ہیں؟" اگرچہ یہ الفاظ نبوت کے ساتھ خاص نہیں، مگر ان کے ساتھ " وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ" واضح دلیل ہے کہ یہاں ان الفاظ سے مراد نبوت اور وحی الٰہی ہی ہے اور بلاشک وشبہ خضر (علیہ السلام) اللہ کے نبی تھے۔ (شنقیطی) علم لدنی سے صرف اولیاء کا علم مراد لینا اور انھیں نبیوں سے بھی اونچا درجہ دینا صاف الحاد اور بے دینی ہے، جس کے ذریعے سے زندیق لوگ شریعت کا طوق گردن سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ اللہ کے احکام جو شیطان کے ہر قسم کے دخل سے محفوظ ہوں، صرف انبیاء کے ذریعے سے نازل ہوتے ہیں۔ جو شخص کسی اور کو یہ درجہ دے وہ کافر ہے، اسے توبہ کروائی جائے، اگر نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ (قرطبی ملخص) 3 خضر (علیہ السلام) کے عالم الغیب نہ ہونے کی دلیل ان کا موسیٰ (علیہ السلام) سے یہ پوچھنا ہے کہ اس سرزمین میں سلام کیسا؟ پھر موسیٰ (علیہ السلام) کے اپنا نام بتانے پر ان کا یہ پوچھنا کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ پھر ان کا موسیٰ (علیہ السلام) سے صاف کہنا کہ آپ کے پاس جو علم ہے وہ میں نہیں جانتا۔۔ پھر اپنے اور موسیٰ (علیہ السلام) کے علم کو اللہ کے علم سے چڑیا کی چونچ کے پانی کو دریا سے نسبت کی طرح قرار دینا ہے۔ کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو خضر (علیہ السلام) کو نبی کے بجائے ولی قرار دیتے ہیں، پھر ان کے چند واقعات کو سامنے رکھ کر اولیاء کو علم لدنی کا ضمیمہ لگا کر عالم الغیب بنا دیتے ہیں۔ [۱]

۱۔ تفسیر القرآن حافظ عبد السلام بھٹوی

﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا ۝٦٦ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٦٧ وَكَيْفَ تَصْبِرُ
عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝٦٨ قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا
وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝٦٩ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ
شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝٧٠﴾

موسیٰ نے خضر سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس میں سے سکھائیں جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے۔(٦٦) خضر نے کہا: بیشک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔(٦٧) اور آپ اس چیز پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔(٦٨) موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے، میں کسی معاملے میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔(٦٩) خضر نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کروں۔

(٧٠)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے حضرت خضر (علیہ السلام) کے پاس پہنچ کر ان کو سلام کیا اور کہا میں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس امید پر آپ کے ساتھ رہوں کہ جو خیر اور بھلائی کی باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم کی ہیں۔ان میں سے کچھ آپ مجھے بھی تعلیم کر دیں۔حضرت خضر (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! یقینی طور پر تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر ہرگز صبر نہ کرسکو گے کیونکہ آپ شریعت کے پابند ہیں اور احکام شریعت کا دارومدار ظاہر پر ہے ۔مجھ سے جو امور صادر ہوں گے وہ بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہوگی۔آپ ان کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور صبر نہ کرسکیں گے اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ اگر چہ میں شریعت کا مکلف ہوں مگر آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میں آپ کی باتوں پر صبر کروں گا اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔حضرت خضر نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک میں خود کسی چیز کے بارے میں آپ کو نہ بتاؤں اس وقت تک اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔۔

﴿ فَانۡطَلَقَا ٙ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا

نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک کشتی میں سوار ہوئے (تو) خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کیا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑ دیا ہے تا کہ آپ کشتی کے لوگوں ڈبو دیں، یہ تو آپ نے بڑی عجیب حرکت کی۔ (۷۱) خضر نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گا۔ (۷۲) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔ (۷۳)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت خضر (علیہ السلام) کے درمیان جب قول وقرار ہو گیا یعنی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے وعدہ کرلیا کہ میں آپ (علیہ السلام) کے کسی معاملے پر اعتراض نہیں کروں گا تو پھر دونوں تربیتی سفر پر روانہ ہوئے چونکہ دونوں ساحل دریا پر تھے تو دریا کے پار جانے کے ارادے سے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کچھ آگے چل کر دریا ہی میں حضرت خضر (علیہ السلام) نے کشتی کا ایک تختہ توڑ ڈالا۔ شریعت کے اعتبار سے حضرت خضر (علیہ السلام) نے ایک ایسا کام کیا جو نہ صرف گناہ تھا بلکہ بدتر گناہ یا دہرا گناہ، ایک تو گناہ اس بات کا کہ کسی شخص کی مملوکہ کشتی کو بغیر کسی وجہ کے توڑ ڈالا جو کہ ایک جرم اور ظلم ہے اور دوسری یہ بات کہ اس سے سواریوں کے ڈوب جانے کا امکان پیدا کر دیا کیونکہ اگر اس شگاف سے پانی کشتی میں بھر گیا اور کشتی ڈوب گئی تو سواریاں بھی ساتھ ڈوبیں گی۔ اتنے بڑے

گناہ پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جیسا صاحب جلال پیغمبر کیسے خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ (علیہ السلام) بھڑک اٹھے اور کہا یہ آپ (علیہ السلام) نے کیا ظلم کیا؟ ایک تو آپ (علیہ السلام) نے کشتی کو عیب دار بنایا اور دوسرا لوگوں کے ڈوبنے کا انتظام کر دیا حالانکہ انسان وہ ہے جو انسان کو بچاتا ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا بولنا احقاق حق تھا جو آپ (علیہ السلام) کی ذمہ داری تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ حال تھا کہ آپ (علیہ السلام) حضرت خضر (علیہ السلام) سے وعدہ کر چکے تھے کہ میں آپ (علیہ السلام) کے کسی کام پر اعتراض نہیں کروں گا۔ اس لیے حضرت خضر (علیہ السلام) نے کہا: حضرت خضر (علیہ السلام) نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی بات کا جواب دینے کی بجائے صرف انھیں ان کا وعدہ یاد دلایا اور اپنی بات یاد دلائی کہ میں نے پہلے ہی آپ (علیہ السلام) سے کہا تھا کہ آپ (علیہ السلام) میرے ساتھ سفر نہیں کر سکیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے معذرت چاہی اور آئندہ کے لیے محتاط ہونے کا یقین دلایا۔ البتہ یہ ضرور کہا کہ آپ (علیہ السلام) میرے معاملے میں سخت گیری سے کام نہ لیجئے بلکہ نرمی اختیار فرمایئے۔

﴿ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَـيْـــًٔـا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾ ﴾

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو حضرت خضر (علیہ السلام) نے اسے قتل کر ڈالا، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بول پڑے، آپ نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر ڈالا، یہ تو آپ نے

بری بات کی۔

سعید نے کہا وہ لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، وہ کافر تھا۔ حضرت خضرؑ نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا پھر اس کو چھری سے ذبح کر دیا، وہ لڑکا ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔ [1]

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دونوں کشتی سے اترے جس وقت دونوں سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے تو حضرت خضر نے دیکھا کہ ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ حضرت خضر نے اس کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اکھاڑ کر اس کو قتل کر ڈالا۔ [2]

بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ لڑکا بالغ تھا اور وہ دو بستیوں کے درمیان ڈاکے ڈالتا تھا اور اس کا باپ ان میں سے ایک بستی کا رئیس تھا اور اس کی ماں دوسری بستی کی رئیسہ تھی۔ حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا۔ کلبی نے کہا اس لڑکے کا نام شمعون تھا، ضحاک نے کہا اس کا نام حیسون تھا، سہیلی نے کہا اس کے باپ کا نام ازیر تھا اور اس کی ماں کا نام سھوی تھا۔ وہب نے کہا اس کے باپ کا نام سل اس تھا اور اس کی ماں کا نام رحمی تھا۔ جمہور نے کہا وہ نابالغ تھا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا وہ بے قصور شخص تھا۔ قرآن مجید میں اس کے لیے غلام کا لفظ ہے اور غلام کا معنی ہے لڑکا۔ کیونکہ، اسی وجہ سے حدیث صحیح میں ہے اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو کفر میں مبتلا کر دیتا اور اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم کے بغیر نابالغ لڑکے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 4725، صحیح مسلم رقم الحدیث: 2380)

۲۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث: 3149)

ابن جبیر نے یہ کہا کہ وہ لڑکا سن تکلیف کو پہنچ کا تھا کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی قرأت میں ہے، رہا لڑکا تو وہ کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے اور کفر اور ایمان مکلفین بالغین کی صفات میں سے ہے اور غیر مکلف پر کافر یا مومن کا اطلاق اس کے ماں باپ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ (۱)

﴿ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ۝٧٥ قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ‌ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا ۝٧٦ ﴾

خضر نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے۔ (۷۵) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔ کیونکہ آپ میری طرف سے عذر قبول کرنے میں حد کو پہنچ گئے ہیں۔ (۷۶)

حضرت خضر (علیہ السلام) نے کہا کہ کیا میں نے آپ (علیہ السلام) سے نہیں کہا تھا کہ آپ (علیہ السلام) میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اب اگر میں آپ (علیہ السلام) سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو آپ (علیہ السلام) مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا۔ آپ

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء 10 ص 296، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

(علیہ السلام) میری جانب سے حد عذر کو پہنچ گئے۔)

حضرت خضر (علیہ السلام) نے ان کو پھر اپنی بات یاد دلائی کہ کیا میں نے آپ سے پہلے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پھر معافی مانگی اور کہا کہ اب اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ کو حق ہوگا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ پھر آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔

إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا: سیدنا ابن عباس ؓ نے سیدنا ابی بن کعب ؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب دعا فرماتے تو پہلے اپنے آپ سے ابتدا فرماتے اور کہتے: (رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْنَا وَ عَلٰى مُوسٰى) "اللہ کی رحمت ہو ہم پر اور موسیٰ پر۔" پھر فرمایا: "اگر وہ صبر کر لیتے تو وہ اپنے صاحب (خضر (علیہ السلام) سے سب سے بہت عجائب دیکھتے، لیکن انھوں نے خود ہی کہہ دیا: (إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا) "اگر میں تجھ سے اس کے بعد کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً تو میری طرف سے پورے عذر کو پہنچ چکا ہے۔"[1]

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰىٓ إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةِ ِاسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ أَنْ يَّنْقَضَّ فَأَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾ قَالَ هٰذَا

۱۔[أبوداؤد، کتاب الحروف والقراءات، باب: ۳۹۸٤۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر: ۲۳۸۰/۱۷۲]

فِرَاقُ بَيۡنِيۡ وَبَيۡنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاۡوِيۡلِ مَا لَمۡ تَسۡتَطِعۡ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ﴿۷۸﴾

پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس آئے تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا مانگا تو انہوں نے ان دونوں کی مہمان نوازی سے انکار کر دیا پھر ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو اس (خضر علیہ السلام) نے اسے سیدھا کر دیا موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے۔(۷۷) خضر نے کہا ا میرے اور آپ کے درمیان جدائی (کا وقت) ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔(۷۸)

ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی، انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) و خضر (علیہ السلام) جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہیے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت خضر (علیہ السلام) نے غصہ کے بجائے ان پر احسان کیا۔ بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آ رہے، لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، حضرت خضر (علیہ السلام) نے ہاتھ لگا کر سیدھی کر دی اور منہدم ہونے سے بچا لیا۔

حتی اذا آتیا اہل قریۃٍ میں اہل کا لفظ شاید اس لیے لائے کہ بستی میں ان کا آنا محض مرور وعبور کے طور پر نہ تھا، نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اترے ہوں، بلکہ قصد کر کے شہر والوں سے ملے۔ اور اِسۡتَطۡعَمَآ اَهۡلَهَا میں دوبارہ لفظ اہل کی تصریح ان کی مزید تقبیح کے لیے ہے یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کرسکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں مہمانداری کیسے کریں۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے۔

اہل بستی کا بخل

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهۡلَ قَرۡيَةِ: سیدنا ابن عباسؓ نے سیدنا ابی بن کعبؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (حَتّٰٓى إِذَا أَتَيَا أَهۡلَ قَرۡيَةٍ لِءَامًا)" وہ (موسیٰ (علیہ السلام) اور یوشع بن نون) ایک گاؤں کے بخیل لوگوں کے پاس پہنچے۔"[1]

استطعما اہلہا فابوا ان یضیفوہما تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا مگر انھوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا (کھانا نہ دیا) بغوی نے حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنجوس تھے دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انھوں نے نہیں دیا حق مہمانی طلب کی تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ قتادہؒ کا قول ہے وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ: کی روایت سے لکھا ہے دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب

ا۔[مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر: ۱۷۲/ ۲۳۸۰۔ مسند أحمد: ۵/ ۱۱۸، ۱۱۹، ح: ۲۱۱۷۶]

کیا لیکن کسی نے نہیں دیا، آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دے دیا اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت کی (بددعا) کی۔ یہ عورت بربر والوں میں سے تھی۔

خضرؑ کا دیوار کو درست کرنا

فوجدا فیھا جدارا یرید ان ینقض فاقامہ پھر دونوں کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس لیے مجازی معنی مراد ہے۔ یعنی گرنے کے قریب تھی (بہت جھکی ہوئی تھی) عرب بولتے ہیں میرا گھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے، یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ: کا قول آیا ہے کہ خضر نے اس دیوار کو ڈھا کر دوبارہ بنا دیا۔ سدیؒ نے کہا گارا بنایا پھر دیوار کو بنا دیا۔

اب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بول پڑے: یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں ان کی دیوار مفت بنا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر کچھ معاوضہ لے کر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارے کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی، شاید اپنی بد اخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔ حضرت موسیٰ نے یہ بات اس لیے کہی کہ بستی کے لوگ اس بات کے مستحق نہیں تھے کہ ان کی خدمت انجام دی جائے جبکہ انہوں نے بھوکے مسافروں کو ایک وقت کھانا کھلانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ مگر حضرت خضر کے پیش نظر دوسری مصلحت تھی جس پر ابھی پردہ پڑا ہوا تھا۔

﴿ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ

غَصۡبًا ﴿۷۹﴾

رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، سو میں نے چاہا کہ اسے عیب والی کردوں، اور ان لوگوں کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو چھین لیا کرتا تھا۔

حضرت خضرؑ نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔ فرمایا کہ کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔ جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔ مروی ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں اس بادشاہ کا نام حدو بن بدو تھا۔ تورات میں ہے کہ یہ عیص بن اسحاق کی نسل سے تھا تورات میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے، واللہ اعلم۔

وَكَانَ وَرَاءَهُمۡ مَّلِكٌ يَّأۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ غَصۡبًا: سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے: (وَ كَانَ أَمَامَهُمۡ مَلِكٌ يَّأۡخُذُ كُلَّ سَفِيۡنَةٍ صَالِحَةٍ غَصۡبًا) "اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کر لیتا تھا۔"[1]

---

[1] بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (وإذ قال موسیٰ لفتٰہ۔۔الخ) ٤٧٢٥۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر (علیہ السلام): [٢٣٨٠

غاصبانہ طریقے سے کسی کا مال چھیننے والے کی اسی قدر نیکیاں قیامت کے دن چھین کر مالک کو دے دی جائیں گی، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہؓ نے کہا کہ ہم میں سے مفلس وہ بندہ ہے کہ جس کے پاس درہم و دینار اور مال و متاع نہ ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(نہیں، بلکہ) میری امت کا مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن آئے گا تو اس کے پاس (نامہ اعمال میں) نماز، روزے اور زکوۃ جیسی نیکیاں ہوں گی، لیکن (اس کے نامہ اعمال میں یہ برائیاں بھی ہوں گی کہ) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بدکاری کی تہمت لگائی ہوگی، کسی کا (ناحق) مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا (یعنی ظلم کیا ہوگا) تو اس (ظالم) کی نیکیاں اس (مظلوم) کو دے دی جائیں گی اور اس (مظلوم) کو بھی دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے واجب الادا ظلموں کا فیصلہ کیے جانے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان (مظلوموں) کے گناہ لے لیے جائیں گے اور اس (ظالم) پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر وہ (ظالم) آگ میں ڈال دیا جائے گا۔"[١]

﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝٨٠ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝٨١﴾

اور رہا لڑکا تو اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے، ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں

١۔[مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ۲۵۸۱]

کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا۔(۸۰) پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا رب اس لڑکے کے بدلے انہیں کوئی ایسا لڑکا دے جو نیکی و پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت ورحمت میں اس سے زیادہ قریب ہو۔ (۸۱)

لڑکے کے قتل کی حکمت

حضرت خضر (علیہ السلام) نے ایک لڑکا قتل کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اس پر برہم ہو گئے تھے۔ حضرت خضر (علیہ السلام) اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ لڑکے کے قتل کی حکمت یہ تھی کہ اس کے ماں باپ مومن تھے، یعنی ایسے صاحب ایمان جن کی زندگی ایمان کا پیکر تھی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر سرکشی اور ناشکری سے اپنے ماں باپ کو مبتلائے اذیت کرے گا اور ایک فتنہ بن جائے گا اور اس کی محبت ماں باپ کے لیے ایک آزمائش بن جائے گی۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اسے واپس لے لیں یعنی اس کی زندگی ہماری دین ہے، اسے واپس لے کر ہم اس کے بدلے میں ایک ایسی بہتر اولاد دیں جو اعمال و اخلاق میں بھی پاکیزہ ہو اور ماں باپ کے حقوق بھی احسن طریقہ سے ادا کرے۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر سرکش نکلے گا تو پھر اس کو بڑا نہ ہونے دینا یہ تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کے علم کو ناتمام کرنے کی ایک کوشش ہے، لیکن یہ محض غلط فہمی ہے اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ اگر یہ بڑا ہو گا تو سرکش ہو گا لیکن ماں باپ کی فرماں برداری اور سعادت مندی نے اللہ تعالیٰ سے یہ انعام حاصل کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیٹے کو ان کے لیے آزمائش بننے سے پہلے اٹھا لیا۔ البتہ یہ بات ضرور

ہے کہ والدین کو چونکہ اس بچے سے محبت تھی اس لیے اس کا قتل کیا جانا یقیناً ان کے لیے ایک بڑے صدمے کی بات تھی تو کیا ان کے ایمان کا یہ صلہ تھا کہ انھیں ایسا سخت صدمہ پہنچایا جاتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ اہل ایمان کو کسی تکلیف میں اس لیے مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اس پر صبر کر کے اپنے لیے جنت میں کوئی بڑا مقام پیدا کر لیں۔ ان کے لیے اس سے بڑا مقام اور کیا ہوگا کہ انھیں اس کے بدلے میں بہتر اولاد بھی دی گئی اور قیامت تک کے لیے ان کے ذکر کو دوام بھی بخش دیا گیا جس کا نتیجہ یقیناً یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن کسی بڑے مقام سے نوازے جائیں گے۔

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عطیہ نقل کیا ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کے بطن سے دو نبی پیدا ہوئے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت فرمائی۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا ابی بن کعبؓ سے نقل کیا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: (اِنَّ الْغُلَامَ الَّذِیْ قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ يَوْمَ طُبِعَ كَافِرًا) "یہ لڑکا جسے خضر (علیہ السلام) نے قتل کیا تھا، یہ روز اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔"[1]

سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے: (وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ) "پس بچہ کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے۔

---

[1]۔ [مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد۔۔۔ الخ: ۲٦٦١۔ أبوداؤد، کتاب السنة، باب فی القدر: ٤٧٠٥، ٤٧٠٦۔ ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الکهف: ٣١٥٠]

"۔۔ ①

گویا لڑکے کے مار ڈالنے کا سبب یہ بیان کیا کہ اس کے ماں باپ ایمان دار تھے اور وہ لڑکا اللہ تعالیٰ کے علم غیب میں منکر ایمان ٹھہر چکا تھا، اس لیے اس کے زندہ رہنے سے اس کے ماں باپ بھی اس کی محبت میں اپنی حالت پر نہ رہتے۔ دین کی حفاظت کی نظر سے یہ قتل ایسا ہی ہے جیسے کعب بن اشرف یہودی کا قتل۔ دونوں قتلوں میں فرق اتنا ہے کہ کعب بن اشرف کا دین میں خلل ڈالنا ظاہر ہو چکا تھا اور اس لڑکے کا یہ خلل اللہ تعالیٰ کے علم غیب کے موافق آئندہ ظاہر ہوتا، مگر اللہ تعالیٰ نے وہ غیب کا حال خضر (علیہ السلام) کو بتلا دیا اور انھوں نے اللہ کے حکم سے اس کو مار ڈالا۔ یہاں ہم کعب بن اشرف کے قتل کا پورا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کون کعب بن اشرف سے نپٹے گا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے؟" محمد بن مسلمہ ؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہاں!" انھوں نے کہا کہ پھر مجھے اجازت دیجیے کہ میں (آپ کے بارے میں) کوئی (ناپسندیدہ) بات کہہ سکوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "(ٹھیک ہے) کہہ لو۔" اب محمد بن مسلمہ ؓ اس کے پاس آئے اور (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں) کہا کہ یہ شخص تو ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا دیا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ ابھی آگے دیکھو، اللہ کی قسم! تم بالکل اکتا جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا کہ ہم نے اب اس کی پیروی کر لی ہے، اس لیے جب تک یہ نہ کھل جائے

ا۔ [بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: (وإذ قال موسیٰ لفتٰہ ۔۔ الخ): ٤٧٢٥۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر (علیہ السلام): ٢٣٨٠]

کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انھیں چھوڑنا ہم پسند نہیں کرتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں ایک وسق یا دو وسق غلہ ادھار دے دو۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ ٹھیک ہے، لیکن میرے پاس کوئی چیز رہن رکھو۔ انھوں نے کہا کہ تو کون سی چیز رہن رکھنا چاہتا ہے؟ کعب نے کہا کہ اپنی عورتیں میرے پاس رکھوا دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنی عورتیں تمہارے پاس کیسے رہن رکھیں، جبکہ تم عرب کے حسین ترین آدمی ہو؟ اس نے کہا کہ چلو اپنے بیٹے میرے پاس رہن رکھوا دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے بیٹے تمہارے پاس رہن کیسے رکھیں گے، لوگ انھیں گالی دیں گے کہ وہ ایک یا دو وسق کے عوض رہن رکھے گئے، یہ بات ہمارے لیے باعث عار ہے، البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس رہن رکھوا سکتے ہیں۔ محمد بن مسلمہ ؓ نے کعب سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا اور رات کو ابو نائلہ، جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے، اسے اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آ گئے۔ انھوں نے اس کے قلعہ کے پاس جا کر جب اسے آواز دی اور وہ ان کے پاس آنے لگا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا، میں نے ایسی آواز سنی ہے کہ جس سے گویا خون ٹپک رہا ہو۔ کعب بن اشرف نے جواب دیا کہ وہ میرا بھائی محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ ہے اور مزید کہا کہ اگر شریف آدمی کو رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ پھر وہ محمد بن مسلمہ ؓ کے پاس آیا، ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے، جنھیں یہ نصیحت کی گئی تھی کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے بال پکڑ لوں گا اور سونگھوں گا اور جب تم مجھے دیکھ لو کہ میں نے اس کے سر پر غلبہ پا لیا ہے تو تم تیار ہو جانا اور اسے قتل کر ڈالنا۔ کعب ان کے پاس چادر لپیٹے ہوئے آیا، اس کے جسم سے خوشبو آ رہی تھی۔ محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا کہ آج سے زیادہ عمدہ خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی۔ کعب نے کہا کہ میرے پاس وہ

عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس پر محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں تمہارا سر سونگھ لوں؟ اس نے کہا کہ ہاں (سونگھ لو) محمد بن مسلمہؓ نے خود بھی سر سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ محمد بن مسلمہؓ نے پھر کہا کہ کیا تو مجھے دوبارہ (سونگھنے کی) اجازت دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، تو اب جب آپ نے اس پر قابو پا لیا تو (اپنے ساتھیوں سے) کہا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (سارے معاملات کی) خبر دی۔ [1]

﴿ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲ ﴾

اور رہی دیوار تو وہ اس شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، سو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنے خزانے کو نکال لیں یہ آپ کے رب کی مہربانی کی

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب قتل کعب بن الاشرف: ٤٠٣٧]

وجہ سے ہے۔اور یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیے، یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

یتیم کا معنی اور اس کے شرعی احکام

اس آیت میں فرمایا ہے وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی اس کا معنی ہے وہ لڑکے چھوٹے اور نابالغ تھے کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت علی بن ابی طالبؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ حدیث یاد رکھی ہے کہ احتلام ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا اور صبح سے رات تک چپ رہنا کوئی عبادت نہیں ہے۔[۱]

خزانہ کے مصداق میں اقوال

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ ھ لکھتے ہیں۔اس خزانے کے متعلق تین قول ہیں:

۱۔حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔[۲]

۲۔عطاء نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر وہ رنج و غم کرتا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو دوزخ پر یقین رکھتا

۱۔(سنن ابوداؤد رقم الحدیث:2873، المسند الجامع رقم الحدیث:10160)

۲۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:3152، الکامل لابن عدی ج ۷ ص 2823، المسند الجامع رقم الحدیث:11049)

ہے پھر وہ ہنستا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے خوش ہوتا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو رزق پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں خود کو تھکا تا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو حساب پر یقین رکھتا ہے وہ کیوں غفلت کرتا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا کو الٹنے پلٹتے دیکھتا ہے دوسری طرف لکھا ہوا تھا میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے میں واحد ہوں میرا کوئی شریک نہیں ہے میں نے خیر اور شر کو پیدا کیا ہے، اس کے لیے خوشی ہو جس کو میں نے خیر کے لیے پیدا کیا اور اس خیر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا اور اس کے لیے تباہی ہو جس کو میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور اس شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔

۳۔العوفی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے اس سے مراد علم کا خزانہ ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیرؒ نے کہا اس سے مراد وہ صحائف ہیں جن میں علم ہو، ابن النباری نے کہا اس تقدیر پر معنی یہ ہے اس دیوار کے نیچے خزانہ کنز تھی کیونکہ اموال کی بہ نسبت علم زیادہ نفع آور ہے۔

زجاج نے کہا لغت میں معروف یہ ہے کہ جب صرف خزانے کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے وہ مال جس کا ذخیرہ کر کے اس کو دفن کیا جاتا ہو اور جب مال نہ ہو تو کہا جاتا ہے فلاں شخص کے پاس علم کا خزانہ ہے اور اس کے پاس علم کا خزانہ ہے اور کنز کا لفظ مال کے زیادہ مشابہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خزانہ مال ہو اور اس کے ساتھ علم بھی لکھا ہوا ہو، پس وہ مال ہو اور علم عظیم ہو۔ [1]

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازیؒ متوفی 327ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیرؒ نے کہا ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن

ا۔(زاد المسیر ج ۵ ص 181–182 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1412ھ)

عباسؓ نے فرمایا ان کے باپ کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی کیونکہ ان کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی نیز حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ (۱)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبیؒ لکھتے ہیں:

وہ ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے، ان کے والد کا نام شح تھا اور ان کی والدہ کا نام دنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہوں اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں کی حفاظت فرماتا ہے اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

ان ولی اللہ الذی نزل الکتب وھوالی یتولی الصالحین (الاعراف:196) (آپ کہئے) بیشک میرا مددگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے۔ (۲)

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ: یتیموں کے حال پر اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نظر رحمت ہے، جس کے سبب اس نے یتیموں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنے والے شخص کے لیے جو مرتبہ رکھا ہے اس کو اپنے رسول کی معرفت ظاہر فرمایا اور اسی رحمت کے سبب اس نیک شخص کی یتیم اولاد کے مال کی حفاظت فرمائی۔ سیدنا سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم رقم الحدیث:12882، 12883، جامع البیان رقم الحدیث: 17543)

۲۔ (الجامع لاحکام القرآن جز10 ص411، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1415ھ)

نے فرمایا: "میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا شخص جنت میں اس طرح قریب ہونگے۔" اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔ ①

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِىۡ : یعنی یہ تینوں کام جو میں نے کیے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے، یہ کام میں نے از خود نہیں کیے، بلکہ مجھے ان کے بارے میں حکم دیا گیا اور ان کے بارے میں مطلع کیا گیا۔ یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا خضر (علیہ السلام) اللہ کے نبی تھے۔ اسی سورت میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا) [الکہف: ٦٥] "تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے ہاں سے ایک رحمت عطا کی اور اسے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔" سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ان کا نام خضر (علیہ السلام) اس لیے ہوا کہ ایک بار وہ سفید خشک گھاس پر بیٹھے تھے، جب اٹھے تو دیکھا کہ گھاس سر سبز ہو کر لہلہا رہی ہے۔" ②

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی وفات سے چند روز پہلے فرمایا: "تمہاری آج کی رات وہ ہے کہ اس رات سے لے کر سو سال کے آخر تک کوئی شخص جو زمین پر ہے، وہ باقی نہیں رہے گا۔" ③

۱۔[بخاری، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیما: ٦٠٠٥]

۲۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ (علیہما السلام): ٣٤٠٢]

۳۔[بخاری، کتاب العلم، باب السمر فی العلم: ١١٦۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب بیان معنی قوله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): علی رأس مائة سنة۔۔ الخ: ٢٥٣٧]

﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾ ﴾

اور یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمادیجیے کہ میں ابھی تمہارے سامنے ان کا حال بیان کروں گا۔(۸۳) بلاشبہ ہم نے اسے زمین میں حکومت دی تھی اور اسے ہر چیز کا سازوسامان دیا تھا (۸۴)۔

ذوالقرنین کا مصداق اور اس کی وجہ تسمیہ

قرآن مجید نے ذوالقرنین کی جو صفات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایسا بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل کی فراوانی سے نوازا تھا۔ وہ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک ایسے پہاڑی درے پر پہنچا جس کی دوسری طرف یاجوج اور ماجوج تھے، اس نے وہاں یاجوج اور ماجوج کا راستہ بند کرنے کے لیے نہایت مضبوط بند تعمیر کیا۔ وہ اللہ کو ماننے والا اور آخرت پر یقین رکھنے والا نہایت نیک شخص تھا وہ نفس پرست اور دولت کا حریص نہیں تھا، ان خصوصیات کا حامل صرف وہ شخص ہے جو فارس کا حکمران تھا۔ جسے یونانی سائرس، عبرانی خورس اور عرب کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں اس کا

دور حکمرانی تقریباً 539 قبل مسیح ہے۔

حافظ ابن کثیر ومشقی متوفی 774ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں امام ابن جریر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہی شخص سکندر رومی ہے یہ درست نہیں ہے۔ سکندر رومی ابن فیلبس المقدونی ہے اس کا ظہور بعد میں ہوا ہے اور ذوالقرنین کے متعلق ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کے ساتھ کعبہ کا طواف کیا ہے اور یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر ایمان لایا تھا اور اس نے آپ کی اتباع کی تھی اور اس کے وزیر حضرت خضر (علیہ السلام) تھے اور سکندر بن فیلبس المقدونی الیونانی بعد کا ایک شخص تھا اور اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطو (ارسطا طالیس) تھا اور وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے اور ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانہ میں گزرا۔ وھب بن منبہ نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ تھا اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے سر کی دونوں جانبوں میں سینگ کے مشابہ کوئی چیز تھی۔ بعض نے کہا اس کو ذوالقرنین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ روم اور فارس کا بادشاہ تھا اور بعض نے کہا اس کو ذوالقرنین اس لیے کہتے تھے کہ فتوحات کرتا ہوا مشارق اور مغارب میں پہنچ گیا تھا یعنی جہاں سے سورج کا قرن طلوع ہوتا ہے اور جہاں پر سورج کا قرن غروب ہوتا ہے۔ [۱]

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی متوفی 668ھ نے لکھا ہے کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہتے تھے کہ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے اپنے ملک میں خواب دیکھا تھا کہ اس نے سورج کے دو سینگوں پر قبضہ کر لیا ہے اس نے اس خواب کو بیان کیا تو اس کی یہ تعبیر بیان کی گئی کہ وہ تمام

۱۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص 112، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1419ھ)

دنیا کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے سرے تک فتح کرے گا اسی وجہ سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ وھب بن منبہ نے کہا اس کے عمامہ کے نیچے دو سینگ تھے۔ ابن الکواء نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ ذوالقرنین نبی تھا یا بادشاہ تھا حضرت علی نے فرمایا وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا بلکہ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کنپٹی کے پاس سے اس کا سر پھاڑ دیا۔ اس نے دوبارہ قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی تو انہوں نے دوسری طرف سے اس کا سر پھاڑ دیا تو اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ذوالقرنین کس زمانہ میں تھے؟ ایک قوم نے کہا وہ حضرت موسیٰ کے بعد تھے۔ دوسری قوم نے کہا وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بعد زمانہ فترت میں تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) کے وقت میں تھے اور حضرت خضر (علیہ السلام) ان کے علم بردار تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اقتدار عطا کیا تھا اور بادشاہ بنا دیا تھا اور تمام بادشاہوں کو ان کا تابع کر دیا تھا۔ روایت ہے کہ ایسے چار شخص گذرے ہیں جو تمام دنیا کے بادشاہ بنے۔ دو مومن اور دو کافر تھے۔ جو دو مومن تھے وہ حضرت سلیمان بن داؤد اور سکندر (ذوالقرنین) تھے اور جو دو کافر تھے وہ نمرود اور بخت نصر تھے اور پانچویں شخص اس امت سے ہوں گے وہ حضرت مہدی ہیں۔ (امام قرطبی کا یہ کہنا درایتاً صحیح نہیں ہے کہ یہ آدمی ساری دنیا کے بادشاہ تھے) سکندر کو جو ذوالقرنین کہا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ماں اور باپ دونوں بہت نیک اور شریف تھے اور کریم الطرفین تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی زندگی میں دو قرن یعنی دو صدیاں گزر گئیں اس لیے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب یہ قتال کرتے تھے تو دونوں ہاتھوں اور دونوں رکابوں سے قتال کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو علم ظاہر اور علم باطن وہ علم دیئے گئے تھے

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ظلمت اور نور دونوں میں داخل ہوئے تھے یہ دنیا کی دو طرفوں تک پہنچ گئے تھے۔ ①

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین وہی بادشاہ ہیں جن کو عبرانی میں خورس کہتے ہیں چنانچہ یہودی ان کو خورس کہتے ہیں اور تورات میں بھی اسی نام کا ذکر ہے۔

ذوالقرنین کا تصرف اور اس کا اقتدار

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بیشک ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا اور بیشک ہم نے اس کو ہر چیز کو ساز و سامان عطا کیا تھا اس آیت کا معنی ہے ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا اور ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے جس قدر چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ہم نے وہ چیزیں اس کو عطا کی تھیں اور ہم نے اس کو تمام اطراف مملکت میں تصرف کرنے کی قدرت عطا کی تھی اور ہم نے اس کو ہر قسم کے آلات حرب، اسباب اور وسائل عطا کئے تھے جن کی وجہ سے وہ تمام مشارق اور مغارب کا حکمران ہو گیا تھا اور تمام ممالک اس کے تابع ہو گئے تھے اور عرب اور عجم کے تمام بادشاہ اس کے اطاعت گزار ہو گئے تھے۔

﴿ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ؕ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾ قَالَ

ا۔(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص 419، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا
نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰى ۚ
وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ۭ

پھر وہ ایک راہ (مہم) پر روانہ ہوگیا۔ (۸۵) یہاں تک کہ وہ سورج کے غروب ہونے کے مقام تک پہنچ گیا۔ وہاں اس نے سورج کو ایک سیاہ چشمہ میں ڈوبتے ہوئے دیکھا اور اس کے پاس اس کو ایک قوم ملی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! چاہو تو انہیں سزا دو چاہو تو ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (۸۶) ذوالقرنین نے کہا: جو شخص ظلم کرے گا اسے تو عنقریب ہم اسے سزا دیں گے پھر جب وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے سخت عذاب دے گا۔ (۸۷) اور جو کوئی ان میں سے ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا، اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم بھی اس کے ساتھ آسان معاملہ کریں گے۔ (۸۸)

ذوالقرنین کا پہلا سفر بہ جانب مغرب

ذوالقرنین نے مغرب کی جانب سفر اختیار کیا حتیٰ کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پر زمین اور خشکی کی حد ختم

ہوگئی اوراس کے بعد سمندر تھا وہ بحر الظلمات تھا وہ تیونس، الجزائر، مراکش اور مغربی ممالک کو فتح کرتا ہوا پہنچا تھا اوراس نے وہاں سورج کو ایک سیاہ دلدل میں غروب کھڑے ہوں اور دو جہاں آسمان اور سطح سمندر کے کنارے ملتے ہوئے نظر آئیں تو ایسا لگے گا جیسے سورج سمندر میں ڈوب رہا ورنہ حقیقت میں سورج زمین اور سمندر سے بہت بڑا ہے۔

ذوالقرنین نے وہاں ایک قوم کو پایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ذوالقرنین! تم ان کو عذاب پہنچاؤ یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس میں اختلاف ہے کہ ذوالقرنین نبی تھے یا ولی تھے اگر نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کلام کی وحی فرمائی اور اگر ولی تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی پر وحی نازل فرمائی اور اس نبی نے ذوالقرنین تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا، یا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اس طرح بات ڈال دی جس طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کے دل میں بات ڈال دی تھی قرآن مجید میں ہے:

(طہٰ: 38-39) جب نے ہم آپ کی ماں کی طرف وہ الہام کیا جس کی وحی (اب) کی جارہی ہے کہ تم اس (موسیٰ) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو اور دریا اس صندوق کو ساحل پر ڈال دے گا اور اس کو میرا اور خود اس کا دشمن اٹھا لے گا۔

سو اس طریقہ سے ذوالقرنین کے دل میں یہ بات ڈالی گئی۔ ذوالقرنین کے اس سفر میں مغرب کی آخری جانب کافروں کی ایک قوم تھی یا نبی آدم کا ایک بہت بڑا گروہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے دل میں یہ الہام کیا کہ اگر یہ لوگ کفر پر اصرار کریں تو ان کو قتل کر دیا، یا تم صبر کرو اور ان کو حق اور سیدھے راستہ کی ہدایت دیتے رہو اور ان کو شرعی احکام کی تعلیم دیتے رہو اور ذوالقرنین نے ان لوگوں سے کہا جس شخص

نے میری دعوت کو قبول نہیں کیا اور کفر اور شرک پر اصرار کیا تو ہم دنیا میں اس کو قتل کر کے سزا دیں گے اور جب وہ آخرت میں اپنے رب کی طرف لوٹے گا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں بہت سخت عذاب دے گا اور جس نے میری دعوت کو قبول کر لیا اور وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور اس نے نیک اعمال کئے تو اس کی جزا آخرت میں جنت ہے اور ہم اس کو مشکل اور سخت احکام کا مکلف نہیں کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے آسان طریقے بتائیں گے۔

ذوالقرنین کے پہلے سفر کے متعلق شیخ ابوالکام احمد لکھتے ہیں:

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موقعہ اطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پیٹریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا مستحکم دارالحکومت مسخر ہو گیا اور کروٹس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا۔

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک وہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچ کر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے۔ اس کے فتح مند قدموں کے لیے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑیوں کی بلندیاں روک نہ ہو سکیں۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لیے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی صریح مغرب کی لشکر کشی تھی کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لیے مغرب الشمّس کی آخری حد تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو تم دیکھو گے کہ تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہو گئے ہیں اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی شکل دے دی ہے۔ لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا، پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقینا بحر ایجین کے اسی ساحلی مقام پر پہنچا ہوگا جو سمرنا کے قرب و جوار میں واقع ہے۔ یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔ ساحل کی کیچڑ سے پانی گدلا ہو رہا ہے اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ وجدھا تخرب فی عین حمئۃ (86) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔ [1]

﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ ؕ

۱۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص 406، مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور، 1976ء)

وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡهِ خُبۡرًا ﴿۹۱﴾

پھر وہ ایک اور راہ (دوسری مہم) پر روانہ ہو گیا۔(۸۹) یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچ گیا تو اس نے سورج کو یوں پایا گویا وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی کوئی آڑ نہیں بنائی تھی۔(۹۰) واقعہ اسی طرح ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم نے (اپنے) علم سے اس کا احاطہ کر رکھا تھا۔(۹۱)

ذوالقرنین کا دوسرا سفر بہ جانب مشرق

جانب مغرب کی فتوحات کرنے کے بعد ذوالقرنین مشرق کی جانب روانہ ہوا اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے۔ وہاں اس نے ایسی قوم کو دیکھا جو برہنہ پاؤں اور برہنہ بدن تھی۔ وہ اپنے جسم کو کسی چیز سے نہیں چھپاتے تھے۔ سورج کی گرمی اور موسم کی سردی سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ ان کے پاس لباس تھے نہ انہوں نے گھر بنائے ہوئے تھے وہ یونہی جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اور ان کا گزران مچھلی پر تھا۔

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں:

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی چنانچہ ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز دونوں اس کی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ جولیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی تفتیح سے پہلے پیش آئی تھی اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ 'مشرق

کے بعض وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی" یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ حتی اذا بلغ مطلع الشّمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لیے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

یہ خانہ بندوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹیریا یعنی بلخ کے لاقہ کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بکٹر یا ٹھیک ٹھیک ایران کے لیے مشرق اقصیٰ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انہوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اس کی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی شوشمالی کے لیے اسے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہوں گے اور اگر اترے ہوں گے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہونگے۔ کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اس کی جنوبی مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

(شیخ احمد نے اس جگہ کا مصداق مکران بتایا ہے لیکن یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں روئے زمین پر سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہے وہ جگہ جزائر فجی میں)۔ [۱]

فرمایا ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا لاؤ لشکر اور مال واسباب اور افواج وغیرہ وہ ہم سے کچھ پوشیدہ نہ تھے گویا کہ اس کے پاس اس مہم کے سر کرنے کے لیے یہ سب کچھ وافر تھا ہم اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا ہی دیا ہوا تھا اور جہاں تک وہ پہنچا تھا وہاں تک مہذب دنیا کی سرحد ختم ہوگئی تھی جو اس

۱۔ (ترجمان القرآن ج:ص 406–407 مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور، 1976ء)

کے علاقہ کے متعلق تھی اور اس کے آگے ایسی وحشی قوموں کا علاقہ تھا جو عمارتیں بنانا تو درکنار خیمہ لگانا بھی نہیں جانتے تھے گویا اس وقت تک ابھی اس سے آگے کے لوگ جنگلوں میں رہنے والے لوگ ہی تھے اور آج بھی ان کی حالت اس بات کی زندہ وجاوید دلیل ہے اور ان کا وحشی ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ قَوۡلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَہُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡہِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ﴿ؕ۹۶﴾ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿ؕ۹۸﴾ وَ تَرَکۡنَا

بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ
جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾ الَّذِيْنَ
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

پھر وہ ایک اور راہ (تیسری مہم) پر روانہ ہو گیا۔(۹۲) یہاں تک کہ جب وہ دو (پہاڑوں کی) دیواروں کے درمیان پہنچا تو اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم کو پایا جو (ان کی) کوئی بات نہیں سمجھتی تھی۔(۹۳) انہوں نے کہا اے ذوالقرنین بیشک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کر رہے ہیں تو کیا ہم تجھے کوئی محصول (ٹیکس) اس کام کے لیے پیش کریں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں۔(۹۴) (ذوالقرنین نے) کہا کہ خرچ کا جو اقتدار اللہ نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے تم مجھے قوت بازو سے مدد دو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔(۹۵) تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے تختے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (خلا

کو) برابر کر دیا، اس نے کہا (اب) دھونکو، یہاں تک کہ جب (دھونک دھونک) کر اسے آگ کر دیا، تو اس نے کہا لاؤ میرے پاس میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں۔(۹۶) پھر نہ تو وہ (یاجوج ماجوج) اس کے اوپر چڑھ سکے اور نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے۔(۹۷) ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔(۹۸) اور اس روز ہم ان کو اس حال میں چھوڑ دیں گے کہ وہ سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہونگے اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک ساتھ جمع کریں گے۔(۹۹) اور اس دن ہم جہنم کو کفار کے سامنے لے آئیں گے۔(۱۰۰) وہ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے (سن نہ سکتے تھے)۔

(۱۰۱)

ذوالقرنین کا تیسرا سفر بہ جانب شمال

تیسری لشکر کشی اس نے اس علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی جس میں وہ بحرِ خزر (کاسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا اور

وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آ کر اس طرف کے علاقہ میں تاخت وتاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ حتی اذا بلغ بین الدین وجد من دونھما قوما لا یکادون یفقھون قولا (۹۳) یہاں تک وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے کیونکہ اس کے دھنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روک رکھی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں اس کا سر بہ فلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے، پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لیے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلہ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی اور یقینا وہیں سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہو جانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے لے کر بحر اسود تک کا لعقاہ محفوظ ہو گیا بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہو گئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پاسبانی میں لے لیا اور شمال کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران، شام، عراق، عرب، ایشیائے کوچک، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہو گیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھنا چاہئے۔ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے اوپر شمال میں بحر خزر ہے۔ اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلہ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے مل کر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے، اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا جہاں سے شمالی اقوام

کے قدم اس روک کو پھلاگن سکتے تھے تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی ذوالقرنین نے اسے بھی بند کردیا اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہو گیا۔

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھی اور جو بالکل نا سمجھ تھی وہ کونسی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی "کاسپین" پڑ گیا۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے "کولچی" یا "کول شی" کے نام سے پکارا ہے۔

اور دارا کے کتبہ اس طرح میں اس کا نام "کوشیہ" آیا ہے انہیں دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں اس لیے ان کی نسبت فرمایا: لایکادون یفقھون قولا۔ (۱)

یاجوج اور ماجوج کے متعلق قدیم علماء کی آراء

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ متوفی 852ھ لکھتے ہیں۔

ضحاکؒ نے کہا یاجوج اور ماجوج ترک میں سے ہیں۔ کعب سے روایت ہے کہ یاجوج ترک سے ہیں اور ماجوج ویلم سے ہیں ان کی صفت کے متعلق امام ابن عدی، امام ابن ابی حاتم اور امام طبرانیؒ نے اوسط میں روایت کیا ہے حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا

۱۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص 407–408 مطبوعہ اسلامی اکادمی لاہور، 1976ھ)

: یاجوج ایک امت ہے اور ماجوج ایک اور امت ہے۔ ہر امت میں چار لاکھ نفر ہیں، ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اس کی صلب سے ایک ہزار نر پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ سب مسلح ہوتے ہیں۔ امام ابن عدی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے امام ابن ابی حاتم نے کہا اس حدیث میں ایک راوی العطار منکر الحدیث ہے۔ امام حاکم اور امام ابن مردکیہؒ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم (علیہ السلام) کی ذریت میں سے ہیں اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ جن اور انس دس میں سے ایک ہیں اور یاجوج اور ماجوج دس میں سے نو ہیں۔ کعب سے روایت ہے کہ ان کا قد بہت اونچے درخت کی مانند ہے اور حاکم کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج ایک ایک بالشت کے اور دو دو بالشت کے ہیں اور ان میں سے طویل ترین تین بالشت کے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: حضرت نوح کے تین بیٹے پیدا ہوئے سام، حام اور یافث، سام سے عرب، روم اور فارس پیدا ہوئے اور حام سے قبطی، بربر اور حبشی پیدا ہوئے اور یافت کے یاجوج، ماجوج، ترک اور صقالیہ پیدا ہوئے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور سعید بن بشیر قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج بائیس قبیلے ہیں۔ ذوالقرنین نے ان میں سے اکیس قبیلوں پر سد بنائی ہے ان میں سے ایک قبیلہ اس وقت لڑنے کے لیے گیا ہوا تھا وہ ترک ہیں اور وہ اس سد سے باہر ہیں اور علامہ نووی نے اپنے فتاوی میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ یاجوج ماجوج حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر وہ حوا سے پیدا نہیں ہوتے ہیں وہ ہمارے علاقی بھائی ہیں۔ سلف نے اس قول کو صرف کعب احبار سے روایت کیا ہے اور یہ قول اس حدیث مرفوع سے مردود ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح (علیہ السلام) کی ذریت ہیں اور

حضرت نوح قطعی طور پر حضرت حوا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ [1]

یاجوج اور ماجوج کے متعلق متاخرین کی آراء

(بعض لوگوں کی رائے میں) قرآن مجید نے ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلہ میں جو نشانیاں بتائی ہیں وہ اچھی خاصی حد تک سکندر یونانی کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں: حتی اذا بلغ مغرب الشّمس (18: الکھف: 86) تاریخ کا بھی بیان ہے کہ سکندر کی ابتدائی فوج کشی شمال ومغرب ہی کی جانب تھی۔ عین حمئۃ سے مراد جھیل cbrida ہوسکتی ہے جو مناستر سے پچاس میل جانب مغرب واقع ہے۔ یہ چشمہ اپنے سیاہی مائل گدلے پانی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں تک کہ جو دریا اس سے نکال ہے اس کا نام بھی دریائے سیاہ (BlackDrin) ہے (اس سے بحر اسود بھی مراد لیا گیا ہے۔)

"مطلع الشّمس" سکندر کی بعد کی فوجی مہمات مشرق کی سمت میں ہوئیں۔ (مراد ہے کہ اس کی مملکت کی انتہائی مشرقی حد) "یاجوج ماجوج" غالباً منگول قبیلے تھے جو پہاڑوں کی دوسری جانب آباد تھے اور کہیں کہیں موقع پاکر یلغار کرتے ہوئے ترکوں کے درمیان گھس آتے تھے۔ دربند میں ایک آہنی دیوار سد سکندر کے نام سے مشہور چلی آتی تھی اور اس کا پھاٹک باب الحدید کہلاتا تھا۔ یہ دربند وسط ایشیا کے مشرقی علاقے میں ضلع حصار میں بخارا سے 150 میل جنوب ومشرق میں 38 درجے عرض بلد شمالی اور 67 درجے طول ابلد مشرقی پر واقع ہے۔

بہرحال یہ امر ثبوت طلب ہے کہ سکندر یونانی کی فتوحات شمالی یورپی روس اور سائبیریا تک ہوئی تھیں،

۱۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص 619-621، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1420ھ، 2000ء)

الادریسی نے سد سکندری انہیں اطراف میں دکھائی ہے اور اس کا نقشہ بھی دیا ہے۔ [1]

شیخ ابوالکلام احمد لکھتے ہیں: اب صرف ایک معاملہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے دوسرا سورہ انبیاء میں ہے: حتیٰ اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون (96-212)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے۔ یہ پیش گوئی ملتی ہے:

"اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف، جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش، مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخلاف ہوں، میں تجھے پھیردوں گا۔ اور تیرے جبڑوں میں کنڈے ڈالوں گا، تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے چوہریاں اور سپر لیے ہوئے ہیں اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالوں گا جو سپر لیے ہوئے اور خود پہنے ہونگے۔ نیز جومر اور شمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر"

اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار باتیں خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ جوج

۱۔ (اردو دائرۃ المعارف ج۱ ص62، لاہور 1973ء)

شمال کی طرف سے آئے گا تا کہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں تباہی آئے گی" تیسرے یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بیشمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو "سمندر کے پورب میں ہے" ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی۔ لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تا کہ رہگذر صاف ہو جائے۔ [۱]

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سائرس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی وخوشحالی کی پیش گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقیل نبی نے بنی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورہ بقرہ کی آیت اوکالذی مرعلی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا (259-2) میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو یعنی سائرس کے زمانہ میں اور یہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اس نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لیے ایک سد تعمیر کی تھی۔

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی یاجوج اور ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کے لیے جمع کرنے نکلے گا ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی۔ 20:7)

۱۔ حزقی ایل۔ (باب 39-38)

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمہ سبعینی میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لیے اختیار کئے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہوسکتا تھا، یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہوسکتی ہے اس کے سوا کوئی نہیں، یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی تھی۔

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے لیکن منگول لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھیا؟ اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہیے کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام موگ تھا۔ یقیناً یہی موگ جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں میگ اور مے گاگ پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔ [1]

۱۔ (ترجمان القرآن ص 420-421 مطبوعہ لاہور 1976ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ متوفی 1399ھ لکھتے ہیں:

یاجوج اور ماجوج سے مراد ایشیا کے شمال مشرقی علاقے کی وہ قومیں ہیں جو قدیم زمانے سے متمدن ممالک پر غارت گرانہ حملے کرتی رہی ہیں اور جن کے سیلاب وقتاً فوقتاً اٹھ کر ایشیا اور یورپ دونوں طرف رخ کرتے رہے ہیں۔ بائبل کی کاتب پیدائش (باب: 10) میں ان کو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی نسل میں شمار کیا گیا ہے اور یہی بیان مسلمان مورخین کا بھی ہے، حزقی ایل کے صحیفے (باب 39-38) میں ان کا علقاہ روس اور توبل (موجودہ توبالسک) اور مسک (موجودہ ماسکو) بتایا گیا ہے۔ اسرائیلی مورخ یوسیفوس ان سے مراد سیتھین قوم لیتا ہے جس کا علاقہ بحر اسود کے شمال اور مشرق میں واقع تھا۔ جیروم کے بیان کے مطابق ماجوج کا کیشیا کے شمال میں بحر خزر کے قریب آباد تھے۔ [1]

سد ذوالقرنین کی تحقیق

شیخ ابوالکام احمدؒ لکھتے ہیں:

اب ایک سوال اور غور طلب ہے۔ ذوالقرنین نے جو سد تعمیر کی تھی وہ درہ داریال کی سد ہے یا دربند کی دیوارڈ یا دونوں؟ قرآن میں ہے کہ ذوالقرنین دو پہاڑی دیواروں کے درمیان پہنچا، اس نے آہنی تختیوں سے کام لای، اس نے درمیان کا حصہ پاٹ کے برابر کر دیا، اس نے پگھلا ہوا تانبا استعمال کیا۔ تعمیر کی یہ تمام خصوصیات کسی طرح بھی دربند کی دیوار پر صادق نہیں آتیں یہ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کی دیوار ہے اور دو پہاڑی دیواروں کے درمیان نہیں ہے بلکہ سمندر سے پہاڑ کے بلند حصہ تک چلی گئی ہے۔ اس میں آہنی تختیوں اور پگھلے ہوئے تانبے کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پس یہ قطعی ہے کہ ذوالقرنین والی

۱۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص 46-47، مطبوعہ لاہور، 1982ء)

سد کا اطلاق اس پر نہیں ہوسکتا۔

البتہ درہ داریال کا مقام ٹھیک قرآن کی تصریحات کے مطابق ہے۔ یہ دو پہاڑی چوٹیوں کے درمیان ہے اور جو سد تعمیر کی گئی ہے اس نے درمیان کی راہ بالکل مسدود کردی ہے چونکہ اس کی تعمیر میں آہنی سلوں سے کام لیا گیا تھا اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جارجیا میں " آہنی دروازہ " کا نام قدیم سے مشہور چلا آتا ہے۔ اسی کا ترجمہ ترکی میں " دامرکپو " مشہور ہوگیا۔

بہرحال ذوالقرنین کی اصلی سد یہی سد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد خود اس نے یا اس کے جانشینوں نے یہ دیکھ کر کہ کاکیشیا کا مشرقی ڈھلوان بھی خطرہ سے خالی نہیں دربند کی دیوار تعمیر کردی ہو اور نوشیرواں نے اسے اور مضبوط کیا ہو۔ یا ممکن ہے کہ فی الحقیقت نوشیرواں ہی کی تعمیر ہو۔

دربند کی دہری دیوار 1796ء تک موجود تھی جس کی تصویر ایک روسی سیاح کی بنائی ہوئی ایچ والڈ نے اپنی کتاب " کواکیسیس " میں نقل کی ہے، لیکن 1904ء میں جب پروفیسر جیکسن نے اس کا معائنہ کیا تو گو آثار باقی تھے لیکن دیوار گرچکی تھی البتہ اکہری دیوار اکثر حصوں میں اب تک باقی ہے۔

موجودہ زمانہ کے شارحین تورات میں بھی ایک جماعت اسی طرح گئی ہے کہ یاجوج وماجوج سے سیتھین قوم مراد تھی لیکن وہ حزقتیل کی پیش گوئی کا محمل ان کا وہ حملہ قرار دیتے ہیں جو ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق 630 قبل مسیح میں ہوا تھا۔ لیکن اس صورت میں یہ مشکل پیدا ہوجاتی ہے کہ حزقیل کی کتاب بابل کی اسیری کے زمانہ میں لکھی گی ہے کیونکہ وہ خود بھی بخت نصر کے اسیروں میں سے تھے اور سیتھین حملہ اس سے بہت پہلے ہوچکا تھا۔ اس باب میں مزید تفصیلات کے لیے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا اور جیویش انسائیکلوپیڈیا میں لفظ Gog کا مقالہ دیکھنا چاہیے۔

ہم نے ذوالقرنین کے مبحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ زمانہ حال کے معترضین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں ہے۔ یہ محض عرب یہودیوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ لی اور نقل کردی۔ اس لیے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کردیا جائے کہ شک وتردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔ [۱]

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ متوفی 1399ھ لکھتے ہیں:

ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کے متعلق بعض لوگوں میں یہ غلط خیال پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد مشہور دیوار چین ہے حالانکہ دراصل یہ دیوار قفقاز (Caucasus) کے علاقہ داغستان میں دربند اور داریال (Darial) کے درمیان بنائی گئی تھی۔ قفقار زاس ملک کو کہتے ہیں جو بحیرہ اسود (BlackSea) اور بحیرہ خزر (CaspianSea) کے درمیان واقع ہے۔ اس ملک میں بحیرہ اسود سے داریال تک تو نہایت بلند پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان اتنے تنگ درے ہیں کہ ان سے کوئی بڑی حملہ آور فوج نہیں گزر سکتی۔ البتہ دربند اور داریال کے درمیان جو علاقہ ہے اس میں پہاڑ بھی زیادہ بلند نہیں ہیں اور ان میں حملہ آور فوج نہیں گزر سکتی۔ البتہ دربند اور داریال کے درمیان جو علاقہ ہے اس میں پہاڑ بھی زیادہ بلند نہیں ہیں اور ان میں کوہستانی راستے بھی خاصے وسیع ہیں۔ قدیم زمانے میں شمال کی وحشی قومیں اس طرف سے جنوب کی طرف غارت گرانہ حملے کرتی تھیں اور ایرانی فرمانرواؤں کو اسی طرف سے اپنی مملکت پر شمالی حملوں کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ انہی حملوں کو روکنے کے لیے ایک نہایت مضبوط دیوار بنائی گئی تھی جو 50 میل لمبی 290

۱۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص 429–430 مطبوعہ لاہور 1976ء)

فیٹ بلند اور دس فیٹ چوڑی تھی۔ ابھی تک تاریخی طور پر یہ تحقیق نہیں ہوسکا ہے کہ یہ دیوار ابتداء کب کس نے بنائی تھی۔ مگر مسلمان مورخین اور جغرافیہ نویس اسیک وسد ذوالقرنین قرار دیتے ہیں اور اس کی تعمیر کی جو کیفیت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اس کے آثار اب بھی وہاں پائے جاتے ہیں۔

ابن جریر طبری اور ابن کثیر نے اپنی تاریخوں میں یہ واقعہ لکھا ہے، اور یاقوت نے بھی معجم البلدان میں اس کا حوالہ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آذربائیجان کی فتح کے بعد 22ھ میں سراقہ بن عمرو کو باب الابواب (دربند) کی مہم پر روانہ کیا اور سراقہ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اپنے مقدمتہ الجیش کا افسر بنا کر آگے بھیجا۔ عبدالرحمٰن جب ارمینیہ کے علاقے میں داخل ہوئے تو وہاں کے فرمانروا شہر براز نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔ اس کے بعد انہوں نے باب الابواب کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر شہر براز نے ان سے کہا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو سد ذوالقرنین کا مشاہدہ اور اس علاقے کے حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے بھیجا تھا وہ آپ کو تفصیلات سے آگاہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن کے سامنے اس شخص کو پیش کردیا۔ (۱)

اس واقعہ کے دوسو برس بعد عباسی خلیفہ واثق (227–232ھ) نے سد ذوالقرنین کا مشاہدہ کرنے کے لیے سلام الترجمان کی قیادت میں 50 آدمیوں کی ایک مہم روانہ کی جس کے حالات یاقوت نے معجم البلدان میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ ان کا یان ہے کہ یہ وفد سامرہ (سرمن رای) سے تفلیس، وہاں سے الستر پر، وہاں سے اللان ہوتا ہوا فیلان شاہ کے علاقے میں پہنچا پھر خزر کے ملک میں داخل ہوا اور اس کے بعد دربند پہنچ کر اس نے سد کا مشاہدہ کیا۔ (۲)

۱۔(طبری، ج ۳ ص 235 تا 239 البدلیتہ والنہایہ ج ۷ ص 122 تا 125 معجم البلدان، ذکر باب الابواب)۔

۲۔(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص 111 ج ۷ ص 122 تا 125 معجم البلدان، باب الابواب)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجی میں بھی مسلمان عام طور پر قفقاز کی اس دیوار ہی کو سد ذوالقرنین سمجھتے تھے۔

یاقوت نے معجم البلدان میں متعدد دوسرے مقامات پر بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ خزر کے زیر عنوان وہ لکھتا ہے کہ ہی بلاۃ الترک خلف باب الابواب المعروف بالدربند قریب من سد ذی القرنین" یہ ترکوں کا علاقہ ہے جو سد ذوالقرنین کے قریب باب الابواب کے پیچھے واقع ہے جسے دربند بھی کہتے ہیں" اسی سلسلہ میں وہ خلیفہ المقتدر باللہ کے سفیر، احمد بن فضلان کی ایک رپورٹ نقل کرتا ہے جس میں مملکت خزر کی تفصیلی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خزر ایک مملکت کا نام ہے جس کا صدر مقام اتل ہے۔ دریائے اتل اس شہر کے درمیان سے گزرتا ہے اور یہ دریا روس اور بلغار سے آ کر بحر خزر میں گرتا ہے۔

باب الابواب کے زیر عنوان لکھتا ہے کہ اس کو الباب اور دربند بھی کہتے ہیں۔ یہ بحر خزر کے کنارے واقع ہے۔ بلاد کفر سے بلاد مسلمین کی طرف آنے والوں کے لیے یہ راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ ایک زمانہ میں یہ نوشیروان کی مملکت میں شامل تھا اور شاہان ایران اس سرحد کی حفاظت کو غایت درجہ اہمیت دیتے تھے۔ (۱)

پیر محمد کرم شاہ الازہری ؒ متوفی 1418ھ لکھتے ہیں:

آخر میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد رہے یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کا کیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا

۱۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص 771–772، مطبوعہ لاہور، 1982ء)

ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے، یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور موٹائی دس فٹ ہے (انسائیکلو پیڈیا) اس مقام سے مغرب کی طرف درہ دانیال ہے جو دو بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اس آہنی دیوار کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (۱)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "بلاشبہ یاجوج ماجوج ہر روز (دیوار) کھودتے ہیں، حتیٰ کہ وہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب ہوجاتے ہیں تو ان کا نگران کہتا ہے، واپس چلو، باقی کل کھودیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اس دیوار کو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دیتا ہے، یہاں تک کہ جب ان کی مدت پوری ہوجائے گی اور اللہ تعالیٰ انھیں چھوڑنے کا ارادہ کر لے گا تو پھر وہ ایک دن دیوار کھودیں گے اور سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب ہو چکے ہوں گے تو ان کا نگران کہے گا، چلو باقی کل کھودیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ۔ وہ اللہ کی مرضی کا ذکر کریں گے (تو اس کی یہ برکت ہوگی کہ) کل جب وہ آئیں گے تو دیوار اسی طرح ہوگی جس طرح کھودی ہوئی وہ چھوڑ کر گئے تھے۔ پھر وہ اسے کھود کر لوگوں پر نکل آئیں گے، وہ سارا پانی پی جائیں گے اور لوگ ان سے بچنے کے لیے قلعہ بند ہوجائیں گے۔ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے تو تیر خون سے تر بتر واپس آئیں گے، تب وہ کہیں گے، ہم نے زمین والوں کو زیر کر لیا اور آسمان والوں پر غالب آگئے۔ تب اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں میں کیڑے پیدا کر دے گا، جن سے وہ ہلاک ہوجائیں گے۔" (۲)

سیدہ زینب بنت جحشؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھبرائے ہوئے

۱۔ (ضیاء القرآن ج ۳ ص 50، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1399ھ)

۲۔ [ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال۔۔۔الخ: ۴۰۸۰]

ان کے پاس تشریف لائے اور انھوں نے فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ، تباہی ہے عربوں کے لیے اس شر سے جو قریب آ چکا ہے، آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو چکا ہے" اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر ایک حلقہ بنایا۔ ①

سیدنا نواس بن سمعان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ عیسیٰ (علیہ السلام) پر وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ ان سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں، لہٰذا آپ میرے مسلمان بندوں کو طور پر جمع کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو نکالے گا، تو وہ ہر اونچائی سے نکل بھاگیں گے۔ ان کا پہلا حصہ جب بحیرہ طبریہ پر پہنچے گا تو جتنا پانی اس میں ہوگا وہ تمام کا تمام پی جائیں گے، پھر ان کے بعد والے آئیں گے تو کہیں گے، کبھی اس میں پانی موجود تھا۔ پھر آگے چلیں گے، یہاں تک کہ اس پہاڑ پر پہنچیں گے جہاں درختوں کی کثرت ہے اور کہیں گے، ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا، آؤ اب آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں، چنانچہ وہ اپنے تیر آسمانوں کی طرف پھینکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیر خون آلود واپس پلٹائے گا۔ اس دوران میں اللہ کے نبی سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے اصحاب محصور رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے نزدیک بیل کا ایک سر تمہارے نزدیک جو سو (۱۰۰) دینار ہیں، ان سے بہتر ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے نبی عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان (یعنی یاجوج ماجوج) کی گردنوں پر کیڑے پیدا کر کے انھیں آن واحد میں ایک نفس کی موت کی طرح ہلاک کر دے گا۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھی زمین پر اتریں گے، مگر زمین میں ہر جگہ سڑاند اور بدبو پھیلی ہوگی، چنانچہ سیدنا عیسیٰ

۱۔ [بخاری، کتاب الفتن، باب یأجوج ومأجوج: ۷۱۳۵]

(علیہ السلام) اور ان کے ساتھی اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر پرندے بھیجے گا جو انھیں وہاں سے لے جا کر دور پھینکیں گے، وہاں کہ جہاں اللہ کا حکم ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ہر مٹی اور خیمے والے گھر میں پہنچے گی اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ زمین کو اس طرح پاک صاف کر دے گا جس طرح زمین کوئی حوض یا باغ ہو۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل اگا اور برکتیں نکال، تو اس وقت ایک انار پوری جماعت کھا سکے گی اور اس کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کے لیے کافی ہوگا۔ ایک دودھ دینے والی گائے کا دودھ ایک قبیلے کو کفایت کرے گا اور ایک دودھ دینے والی بکری کا دودھ ایک خاندان کو کافی ہوگا۔ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو ان کی بغلوں کے نیچے سے اثر کرتی ہوئی گزرے گی اور ہر مومن و مسلم کو فوت کر دے گی، پھر صرف بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح باہم جھگڑیں گے اور انھی پر قیامت قائم ہوگی۔“ [۱]

یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، یعنی دجال کی موت کے بعد جب یاجوج ماجوج نکلیں گے تو شدت ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گے اور ہر طرف مار دھاڑ اور ظلم و ستم کرنے لگیں گے۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب نفخہ صور ثانی ہوگا تو لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر موجوں کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے، اس کے بعد سب اللہ کے سامنے میدان محشر میں اکٹھے کیے جائیں گے۔ ارشاد فرمایا: (حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا

۱۔[مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال: ۲۹۳۷]

قَدۡ كُنَّا فِيۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ)[الانبیاء:۹۶] ”یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اور سچا وعدہ بالکل قریب آجائے گا تو اچانک یہ ہوگا کہ ان لوگوں کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی جنھوں نے کفر کیا۔ ہائے ہماری بربادی! بیشک ہم اس سے غفلت میں تھے، بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے۔“

سیدنا حذیفہ بن اسیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے پاس تشریف لائے، ہم باتیں کر رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”تم کیا باتیں کر رہے تھے؟“ ہم نے کہا، ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہیں دیکھ لو گے۔“ پھر آپ نے ذکر فرمایا دھوئیں کا، دجال کا، زمین کے جانور کا، مغرب سے سورج کے نکلنے کا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے اترنے کا، یاجوج ماجوج کا اور تین جگہ خسف کا (یعنی زمین میں دھنسنا) ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں اور فرمایا: ”ان سب نشانیوں کے بعد یمن سے ایک آگ نکلے گی، جو لوگوں کو ہانکتی ہوئی ان کے جمع ہونے کی جگہ لے جائے گی۔“ [۱]

سیدنا عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”پھر قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوگا اور نہ ان کے درمیان کوئی ترجمان ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، کیا میں نے تجھ کو (دنیا میں) مال نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا، کیوں نہیں (بیشک تو نے دیا تھا)۔ پھر فرمائے گا، کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا

۱۔[مسلم، کتاب الفتن، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعة: ۲۹۰۱]

تھا؟ وہ کہے گا، کیوں نہیں (تو نے بھیجا تھا)۔ پھر وہ شخص اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نظر نہیں آئے گا، بائیں طرف دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ تو تم میں سے ہر شخص کو آگ سے ضرور بچنا چاہیے، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر سہی، اگر یہ بھی نہ ملے تو میٹھی بات کہہ کر سہی۔"(۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جہنم کو قیامت والے دن لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہونگے۔"(۲)

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ

۱۔[بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ قبل الرد: ۱٤۱۳۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ۔۔ الخ: ۱۰۱٦/٦۷]

۲۔[مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمها، باب جهنم أعاذنا اللہ منها: ۲۸٤۲]

جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

تو کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے، بیشک ہم نے (ایسے) کافروں کے لیے جہنم کی مہمانی کو تیار کر رکھا ہے۔(۱۰۲) اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجیے کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں۔(۱۰۳) یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں دنیاوی زندگی کے لیے ضائع ہو گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ بہت اچھا کام کر رہے تھے۔(۱۰۴) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا، سو ان کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔(۱۰۵) ان کی سزا جہنم ہے اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا (۱۰۶)۔

اللہ تعالیٰ نے کہف میں اصحاب کہف، حضرت موسیٰ خضر اور ذوالقرنین کے واقعات سنانے کے بعد فرمایا ہے کہ اتنا کچھ بتانے اور سنانے کے باوجود کیا اس بات کی ذرا بھی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ کو چھوڑ

کر دوسری بے حقیقت چیزوں کو اپنا حمایتی، مددگار اور رب بنالیا جائے۔فرمایا کہ یہ بات بنیادی طور پر غلط سوچ کا نتیجہ ہے کہ قیامت کے ہولناک دن یہ جھوٹے معبودان کا سہارا بن سکیں گے یا ان کے کام آسکیں گے۔فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔کیونکہ وہاں اللہ کی مدد اور حمایت کے بغیر کسی کا کام نہ چل سکے گا۔

طنز کے طور پر فرمایا کہ ایسے لوگوں کی مہمان نوازی بھڑکتی آگ اور جہنم کے شعلوں سے کی جائے گی۔

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو صاف صاف بتادیجیے کہ جس طرح تمہارے جھوٹے معبود تمہارے کسی کام نہ آسکیں گے اسی طرح دنیاوی مال و دولت اور عیش و عشرت میں پڑے ہوئے لوگوں کے ان کی دولت اور دنیاداری کام نہ آسکے گی۔کیونکہ یہ دنیا بڑی بے وفا ہے۔یہ اس دنیا میں اور اس کے بعد بھی وفا نہیں کرتی۔ادھر آنکھ بند ہوئی اور ادھر تمام چیزوں سے تعلق ہوجاتا ہے۔لیکن جو صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ بالکل صحیح اور درست راستے پر چل رہا ہے۔اس کا یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کررہا ہے وہی صحیح راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا حالانکہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو دیکھ کر بھی اس کا انکار کیا ہے اور وہ اس سے قطعات بے خبر ہیں کہ بہت جلد آخرت میں ان کی ملاقات اس اللہ رب العالمین سے ہوگی جو ہر بات سے بخوبی واقف ہے۔یہ وہ بدنصیب لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ کر کے بھی کئے کرائے پر پانی پھیر دیا ہے۔

قیامت کے دن اس وقت ان کی حسرتوں کی انتہا ہوجائیگی جب ان کے اعمال بے وزن ہوکر رہ جائیں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں نہ صرف اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا تھا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے

احکامات کو مذاق سمجھ رکھا تھا۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کی روش اختیار کی ان کے لیے جنت الفردوس کی ابدی راحتیں، اللہ کی طرف سے مہمان داری اور محبت سے استقبال، یہ ان کا سرمایہ ہوگا۔ وہ ہمیشہ جنت کی راحتوں میں رہیں گے وہ ایک ایسی عیش و عشرت ہوگی جس میں سے نہ کوئی نکلنا پسند کرے گا اور نہ اس کو نکال جائے گا۔ فرمایا کہ وہاں حالات کی یکسانیت بھی نہ ہوگی جس سے وہ اکتا جائیں بلکہ وہاں کا ہر دن ایک نئی خوشی، راحت اور آرام کا پیغام لے کر آئے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نوح (علیہ السلام) کی قوم کے بعض نیک آدمی جب فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جہاں وہ حضرات بیٹھا کرتے تھے وہاں بت بنا کر رکھ دو اور ان کے وہی نام رکھ دو جو ان بزرگوں کے تھے۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، اس وقت بتوں کی پوجا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ لوگ فوت ہوگئے اور علم مٹ گیا، تب ان کی پوجا ہونے لگی۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، نوح (علیہ السلام) کی قوم کے یہی بت بعد میں عرب میں پوجے گئے۔ (۱)

سیدہ ام سلمہ اور سیدہ ام حبیبہؓ نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس کا نام ”ماریہ“ تھا۔ اس میں تصویریں تھیں، جن کا ذکر انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بھی کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں سے بدترین ہونگے۔“ (۲)

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (ودًّا ولا سواعًا ولا یغوث ویعوق): ٤٩٢٠]

۲۔[بخاری، کتاب الصلاۃ، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة ۔۔ الخ: ٤٢٧۔ مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور۔۔ الخ: ٥٢٨]

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے ان کے بیٹے مصعبؒ نے سوال کیا کہ آیت: (قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُم بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا) کیا اس سے مراد خارجی ہیں؟ آپ نے فرمایا، نہیں، بلکہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جھٹلایا اور نصرانیوں نے جنت کو سچا نہ جانا اور کہا کہ وہاں کھانا پینا کچھ نہیں۔ خارجیوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدے کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیا۔ سعدؓ خارجیوں کو فاسق کہتے تھے۔ (۱)

سیدنا ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "میں اپنی امت کے ان افراد کو ضرور پہچان لوں گا جو قیامت کے دن تہامہ کے پہاڑوں جیسی سفید (روشن) نیکیاں لے کر آئیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو بکھرے غبار میں تبدیل کر دے گا۔" سیدنا ثوبانؓ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ان کی صفات بیان فرما دیجیے، ان (کی خرابیوں) کو ہمارے لیے واضح کر دیجیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ان میں شامل ہو جائیں اور ہمیں پتا بھی نہ چلے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "وہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہاری جنس سے ہیں، وہ رات کی عبادت کرتے ہیں جیسے تم کرتے ہو، لیکن وہ ایسے لوگ ہیں کہ انھیں جب تنہائی میں اللہ کے حرام کردہ کاموں (یعنی گناہوں) کا موقع ملتا ہے تو ان کا ارتکاب کر لیتے ہیں۔" (۲)

سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے معاملہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا، اسے اس کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اللہ کے لیے کی ہوں گی، دنیا ہی میں دے دیا جائے

۱۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ: (قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا): ٤٧٢٨]

۲۔[ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر الذنوب: ٤٢٤٥]

گا، پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہے گی کہ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔“ (۱)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قیامت کے دن ایک موٹا تازہ بھاری بھر کم آدمی آئے گا، لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں ہوگا۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو (بطور دلیل) اس آیت کی تلاوت کرلو: (فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا) ”سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔“ (۲)

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ” کتنے قیام کرنے والے ہیں کہ جنھیں اپنے قیام سے سوائے بیداری کے اور کچھ نہیں ملتا (یعنی اجر و ثواب نہیں ملتا) اور کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ جنھیں اپنے روزوں سے سوائے بھوک (و پیاس) کے اور کچھ نہیں ملتا۔“ (۳)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ ﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے فردوس کے باغات کی مہمانی ہوگی۔ (۱۰۷) جن میں وہ ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور کبھی وہاں

۱۔[مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناته فی الدنیا والآخرة۔۔الخ: ۲۸۰۸]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (أولٰئک الذین کفروا۔۔الخ): ۴۷۲۹۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صفة القيامة والجنة والنار: ۲۷۸۵]

۳۔[ابن حبان: ۳۴۸۱۔ مسند أحمد: ۲/ ۳۷۳، ح: ۸۸۷۸۔ سنن دارمی: ۱/ ۳۰۱]

سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔(۱۰۸)

جنت الفردوس کا مقام

قتادہؒ نے کہا فردوس سب سے بلند، متوسط، سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے کہا فردوس جنت کی ناف ہے۔ کعبؒ نے کہا جنتوں میں جنۃ الفردوس سے اعلیٰ کوئی جنت نہیں ہے۔ اس میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہونگے۔ حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے، اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کردے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا اپنے اس گھر میں بیٹھا رہا ہو جس گھر میں وہ پیدا ہوا ہے۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا متوسط اور سب سے بلند درجہ ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کے دریا جاری ہوتے ہیں۔ [۱]

حضرت عبادہ بن الصامتؓ بیان کرتے ہیں کہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب سے بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر عرش ہے پس جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ [۲]

۱۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:2790,7427 مسند احمد رقم الحدیث:8400 عالم الکتب، سنن الترمذی رقم الحدیث:2530)

۲۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:2531، مسند احمد ج ۵ ص 316، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث:182، المسند الجامع رقم الحدیث:5614)

سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حارثہؓ بدر کے دن شہید ہو گئے، وہ ابھی نو عمر تھے، ان کی والدہ محترمہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آئیں، کہنے لگیں، اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھ کو کتنی محبت تھی، اب اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور ثواب کی امید رکھوں گی، لیکن اگر وہ کسی اور حال میں ہے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں (یعنی اس کے لیے کتنا روتی ہوں)؟ آپ نے فرمایا: ”تم پر افسوس! کیا وہاں کوئی ایک جنت ہے؟ وہاں تو بہت سی جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا تو فردوس میں ہے۔“ [۱]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز (پابندی سے) ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے، خواہ اس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا نہ کی ہو اور وہیں رہا ہو جہاں پیدا ہوا۔“ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگوں کو اس کی خبر نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: ”سنو! جنت میں اوپر تلے سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں، ہر درجے کا دوسرے درجے سے اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ پھر جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس مانگو۔ وہ جنت کا مرکزی اور سب سے بلند درجہ ہے، اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور فردوس ہی سے جنت کی سب نہریں نکلتی ہیں۔“ [۲]

جنت کے فضائل

۱۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهد بدرًا: ۳۹۸۲]

۲۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب وکان عرشه علی الماء: ۷۴۲۳]

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور اس کے کسی ایک درجے میں تمام جہان سما سکتے ہیں۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: جو گروہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی۔ اس میں وہ نہ تھوکیں گے نہ ان کو رینٹ آئے گی اور نہ ہی وہ پاخانہ کریں گے۔ ان کے برتن سونے کے ہوں گے اور ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں اگر کی ہوں گی ان کا پسینہ مشک (کی طرح) ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی ان کے حسن کے سبب سے ان کی ہڈیوں کا گودا گوشت کے پار سے دکھائی دے گا۔ ان میں کوئی اختلاف ہوگا نہ بغض ہوگا ان سب کے دل ایک طرح ہونگے، وہ صبح اور شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔ (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو:

(السجدۃ:17) کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ (۳)

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اہل جنت، جنت میں اس حال میں داخل ہوں گے کہ ان کے چہروں اور جسموں پر بال نہیں ہوں گے اور ان کی عمر

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:2532، مسند احمد ج ۳ ص 29، مسند ابو یعلی رقم الحدیث:1398)

۲۔(سنن الترمذی رقم الحدیث:3537، مصنف عبدالرزاق 20866، صحیح البخاری رقم الحدیث:3245، صحیح ابن حبان رقم الحدیث:7436)

۳۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:3244 صحیح مسلم رقم الحدیث:2824 سنن الترمذی رقم الحدیث:3197)

تیس یا تینتیس سال ہوگی۔ ①

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی۔

۔۔ ②

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اہل جنت میں سب سے کم درجہ اس شخص کا ہوگا جو ایک ہزار سال کی مسافت سے اپنی جنتوں، اپنی بیویوں، اپنی نعمتوں، اپنے خادموں اور پانی باندیوں کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہل جنت میں سب سے زیادہ مکرم شخص وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے چہرے کا صبح اور شام دیدار کرے گا۔ پھر رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت پڑھی:

وجوۃ یومئذ ناصرۃ الی ربھا ناظرۃ (القیامتہ: 22-23) اس دن بعض چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہونگے۔ ③

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ارشاد فرمائے گا اے اہل جنت! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تیری

۱۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: 2545، مسند احمد ج ۵ ص 243)

۲۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: 2546 مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ۃ ص 470، مسند احمد ج ۵ ص 347 سنن الداری رقم الحدیث: 3838 سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 4289، صحیح ابن حیان رقم الحدیث 7459)

۳۔(سنن الترمذی رقم الحدیث: 2553، مسند احمد ج ۲ ص 13 سمسند ابویعلی رقم الحدیث: 15712 المستدرک ج ۲ ص 509، حلیۃ الاولیاء، ج ۵ ص 87 شرح السنتہ رقم الحدیث: 4395)

اطاعت پر کمر بستہ ہیں۔ وہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ کہیں گے ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں اب تم کو اس سے افضل نعمت عطا کروں گا وہ کہیں گے اس سے افضل کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارے اوپر اپنی رضا کو حلال کر دوں گا اور کبھی بھی ابد تک تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ (۱)

﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿١١٠﴾ ﴾

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرمادیجئے اگر میرے رب کی باتوں کے (لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے، تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا اور اگر چہ ہم ویسا ہی ایک اور سمندر مدد کو لے آئیں۔ (۱۰۹) آپ

۱۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: 2555، صحیح البخاری رقم الحدیث: 6549,7518، صحیح مسلم رقم الحدیث: 2829، مسند احمد ج ۳ ص 888 صحیح ابن حبان رقم الحدیث: 7440 حلیۃ اولیاء ج ٦ ص 342، شرح السنۃ رقم الحدیث: 4394)

فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ البتہ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(۱۱۰)

شان نزول: (آیت) "قل لو کان البحر"۔ (الخ)

امام حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کچھ چیز بتاؤ جس کو ہم اس رسول سے پوچھیں، یہود نے کہا روح کے بارے میں سوال کرو، چنانچہ قرآن نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (آیت) "ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" (الخ) اس پر یہود کہنے لگے کہ ہمیں بہت علم دیا گیا ہے ہمیں تورات دی گئی ہے اور جن کو تورات دی گئی ہو انھیں خیر کثیر دی گئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ازلی ہے۔ وہ جب اور جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ اس کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں ہے، اگر اللہ کے علوم و حکم کے کلمات لکھے جائیں اور سمندر کا پانی بطور روشنائی استعمال کیا جائے، تو یہ کلمات الٰہی ختم نہ ہونگے، مگر سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا۔ اگر اسی سمندر جیسا دوسرا بھی بطور روشنائی استعمال کیا جائے تو وہ بھی ختم ہو جائے گا اور اللہ کے کلمات ختم

نہیں ہونگے، بلکہ دوسری جگہ تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا: (وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ) [لقمان: ۲۷] "اور اگر واقعی ایسا ہو کہ زمین میں جو بھی درخت ہیں قلمیں ہوں اور سمندر اس کی سیاہی ہو، جس کے بعد سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔"

شان نزول: (آیت) "فمن کان یرجوالقآء ربہ"۔ (الخ)

ابن ابی حاتمؒ اور ابن ابی الدنیاؒ نے "کتاب الاخلاص" میں طاؤس سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اعمال کرتا ہوں اور مجھے اس بات کی تمنا ہے کہ میرا ٹھکانا دکھا دیا جائے، آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی یعنی سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے، وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یہ روایت مرسل ہے اور امام حاکم نے اسی روایت کو مستدرک میں بواسطہ طاؤس حضرت ابن عباسؓ سے موصولاً شرط شیخین پر روایت کیا ہے اور ابن ابی حاتمؒ نے مجاہدؒ سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کرتا تھا اور اسے اس بات کی خواہش تھی کہ اس کا ٹھکانا دکھا دیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور ابو نعیمؒ اور ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں بواسطہ سدی صغیرؒ، کلبیؒ، ابو صالحؒ، ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جندب بن زبیر نے کہا کہ جب آدمی نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا کوئی صدقہ و خیرات کرے اور اس پر اس کی تعریف کی جائے اور پھر وہ لوگوں کی اس تعریف سے اپنی نیکیوں میں اضافہ کرے تو اس

کا کیا حکم ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آزورر کھے وہ نیک کام کرتا رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت

حضرت عیسیٰ کے معجزات اور کمالات کو دیکھ کر لوگوں نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اب جبکہ سارے نبیوں کے سردار اور سراپا معجزہ حضرت محمد کو مبعوث کیا گیا جن کو پتھروں اور درختوں نے بھی سلام پیش کیا تو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ قرار دے تو اس غلط فہمی کے سد باب کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کہیے بیشک میں تمہاری ہی مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کیجاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ (قرآن: ۱۸۔۱۱۰) یعنی خدا نہ ہونے میں میں بھی تم جیسا ہوں، نہ تم خدا ہو اور نہ میں خدا ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دوسرے انسانوں ہی کی مثل بشر ہیں۔ بلا شبہ ہر نبی انسان اور بشر ہوتا ہے مگر نبی کی بشریت میں وحی وصول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی کریم چونکہ تمام انبیائے کرام کے سردار ہیں اس لے آپ کی بشریت تمام انسانوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم کو دیکھ کر جب صحابہ کرام نے بھی صوم وصال (یعنی روزے کے ساتھ روزہ ملانا اور درمیان میں کچھ نہ کھانا) شروع کیے تو صحابہ کرام کے لیے بہت مشکل ہوگا۔ اس پر نبی کریم نے صوم وصال رکھنے سے منع فرمایا، لوگوں نے عرض کیا: آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں تو نبی کریم نے فرمایا: ایکم مثلی تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ اور دوسری روایت میں فرمایا: انی لست مثلکم ابیت یطعمنی ربی ویسقینی۔ یقیناً میں تمہاری

مثل نہیں ہوں، میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز پڑھائی تو (بھول کر) اس میں کچھ کمی بیشی کر دی۔ جب سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آ گیا ہے؟ آپ نے پوچھا: "کیوں، کیا بات ہے؟" لوگوں نے کہا، آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنے دونوں پاؤں کو موڑا اور قبلہ کی طرف منہ کیا (اور سہو کے) دو سجدے کیے اور پھر سلام پھیرا۔ بعد ازاں ہماری طرف منہ کر کے فرمایا: "اگر نماز کے متعلق کوئی نیا حکم آتا تو میں ضرور تمہیں بھی بتا دیتا، لیکن بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، تو جب میں بھولوں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔" (۲)

سیدنا رافع بن خدیجؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگ کھجور میں پیوند لگاتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا: "یہ کیا کرتے ہو؟" صحابہ کرامؓ نے جواب دیا، ہم تو ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اگر تم یہ کام نہ کرو تو شاید وہ بہتر ہو۔" تو لوگوں نے پیوند لگانا چھوڑ دیا، مگر اس سے کھجور پھل کم لائی۔ صحابہ نے یہ بات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی تو آپ نے فرمایا: "میں بھی ایک بشر ہی ہوں، جب میں تمہیں دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو اور جب میں کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو آخر میں بھی آدمی ہی ہوں۔" (۳)

۱۔ (مسلم: کتاب الصیام۔ باب ۱۱۔ بخاری کتاب الصورم۔ باب ۲۰)

۲۔ [بخاری، کتاب الصلوۃ، باب التوجہ نحو القبلۃ۔۔ الخ: ۴۰۱]

۳۔ [مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً۔۔ الخ: ۲۳۶۲]

فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا : سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں تمام شریکوں سے کہیں زیادہ (ہمہ قسم) شرک سے بے نیاز ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شرک (کے کام) کو چھوڑ دیتا ہوں۔“ [۱]

سیدنا جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے سنا: ”جو شخص (کسی نیکی کے کام کے نتیجہ میں) شہرت کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی بدنیتی قیامت کے دن سب کو سنا دے گا، اسی طرح جو کوئی لوگوں کو دکھانے کے لیے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کام) کو سب لوگوں کو دکھلا دے گا۔“ [۲]

سورہ مریم

سورہ مریم مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت مریم (علیہا السلام) کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس لیے یہ سورت انہی کے نام سے یعنی سورہ مریم مشہور ہوگئی۔ غرض حضرت مریم کے متعلق اتنی تفصیل کسی اور سورت میں مذکور نہیں ہے

۱۔[مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء:۲۹۸۵]

۲۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعۃ:۶۴۹۹،۷۱۵۲۔ مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء:۲۹۸۷]

اس لیے اس سورت کا نام مریم ہے۔

امام طبرانی، ابونعیم اور دیلمی نے ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم غسانی کے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کہا آج رات میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: آج رات کو مجھ پر سورہ مریم نازل ہوئی ہے۔

امام ابن ابی شبیہ نے عجلی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھی تو انہوں نے سورہ مریم پڑھی۔

امام ابن سعد نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں مدینہ آیا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت خیبر میں تھے، میں نے بنوغفار کے ایک شخص کو دیکھا وہ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا رہا تھا میں نے سنا اس نے صبح کی پہلی رکعت میں سورہ مریم پڑھی اور دوسری رکعت میں ویل للمطففین پڑھی۔ [1]

زمانہ نزول

جب مکہ کے دو مشہور سیاست دان عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اپنی سیاسی ریشہ دوانیوں کے باوجود نجاشی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں ناکام رہے کہ وہ مسلمان مہاجرین کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم صادر کرے تو مسلمانوں کے خلاف نجاشی کے دل میں آتش غیظ و غضب بھڑکانے کے لیے انہوں نے ایک اور چال چلی۔ انہوں نے نجاشی سے کہا کہ وہ مسلمانوں سے پوچھے کہ وہ حضرت مسیح کے متعلق کیا

۱۔ (الدرالمنثور ج ۵ ص 466–467، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1414ھ)

عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان اگر اپنا صحیح عقیدہ بیان کریں گے تو بادشاہ برافروختہ ہو کر انہیں ملک بدر کر دے گا اور غلط بیانی سے کام لیں گے تو مکہ میں جا کر وہ ان کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان برپا کر دیں گے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو حضرت مسیح کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کا حکم دیا تو عقل مصلحت اندیش کے سارے تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حضرت جعفرؓ نے بلا تامل سورہ مریم کا دوسرا رکوع پڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت ایک عجیب منظر تھا۔ قرآن پڑھا جا رہا تھا اور پڑھ وہ رہا تھا جس نے قرآن کی تعلیم اس ذات اقدس واطہر سے حاصل کی تھی جس کے قلب منور پر اس کا نزول ہوا تھا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ نجاشی کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ حتیٰ کہ اس کی ڈاڑھی بھیگ گئی۔ جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو بجاشی نے ایک تنکہ اٹھا کر کہا کہ حقیقت مسیح کے متعلق جو تم نے بیان کیا ہے۔ حضرت مسیح اس تنکہ کے برابر بھی اس سے کم یا زیادہ نہ تھے۔ یہ واقعہ بعثت نبوی کے پانچویں سال وقوع پذیر ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت سے پہلے یہ سورہ نازل ہو چکی تھی۔

سورہ الکہف اور سورہ مریم میں باہمی مناسبت

یہ دونوں سورتیں عجیب وغریب قصص پر مشتمل ہیں۔ سورہ الکہف میں اصحاب کہف کا قصہ ہے اور ایک طویل مدت تک ان کے غار میں بغیر کھائے پیئے رہنے کا ذکر ہے اور ذوالقرنین کا قصہ ہے اور آخیر میں حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے اور سورہ مریم میں دو عجیب وغریب واقعات ہیں حضرت یحییٰ بن زکریا (علیہما السلام) کی ولادت کا قصہ ہے۔ ان کے والد بہت بوڑھے تھے اور ان کی والدہ بانجھ تھیں اور ان سے اولاد کا پیدا ہونا بہت عجیب وغریب تھا، اور اس سورت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت کا

ذکر ہے جو بغیر باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع 1: حضرت ذکریا (علیہ السلام) کی دعا۔ حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور پھر بسارت پوری ہونے کی علامت اور حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ کا بیان ہے۔

رکوع 2: حضرت مریم (علیہ السلام) کا واقعہ۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا قوم سے خطاب اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی حقیقت کا بیان ہے۔ آخر میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع 3: حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے والد کا غصہ اور حضرت ابراہیم کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع 4: حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) وحضرت ادریس (علیہ السلام) کے واقعات اور انعام یافتہ لوگوں کا بیان ہے۔ پھر اہل سعادت واہل شقاوت کا انجام مذکور ہے۔

رکوع 5: مرنے کے بعد زندہ ہونے، منکرین کے شبہات، کفار کا استہزا اور ایک کافر کا بے بنیاد دعویٰ کہ اس کو آخرت میں مال واولاد ملیں گے، مذکور ہیں۔

رکوع 6: کافروں کے لیے بتوں کا باعث ذلت ہونا۔ قیامت کے روز کافروں کی حالت اور اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں مومنین صالحین کا حال مذکور ہے۔

﴿ کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ ﴾

کاف۔ہا۔یا۔عین۔صاد۔(۱) یہ آپ کے پروردگار کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے زکریا پر فرمائی تھی۔(۲)

کھیعص۔ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں ان کے متعلق ہم پہلے سورہ بقرہ میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ ان کی مراد حقیقی اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا جس ہستی پاک پر یہ کلام پاک نازل ہوا وہ جانتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس کے بندہ زکریا پر تھی۔اس کے معنی میں تین اقوال ہیں:(۱) جس چیز کا تم پر بیان کیا جائے گا وہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔(۲) جو تم پر تلاوت کیا جائے گا وہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔(۳) یہ تمہارے رب کی رحمت کا ذکر ہے۔

یہ رحمت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ زکریا پر کی تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت زکریا کی امت پر رحمت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی ہدایت دی، ایک قول یہ ہے کہ یہ ہمارے نبی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی امت پر رحمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ حضرت زکریا نے کس طرح تواضع، عاجزی اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی سو اللہ تعالیٰ سے جو مراد بھی مانگنی ہو اس سے اسی طرح دعا مانگنا چاہیے اور دعا کا یہ طریقہ بتانا آپ پر اور آپ کی امت پر رحمت ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا: سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:"زکریا (علیہ السلام) بڑھئی تھے۔"[۱]

۱۔[مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل زکریا (علیہ السلام):۲۳۷۹]

﴿اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّىۡ
وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤﴾

جب انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز سے پکارا۔(۳) انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! بیشک میری ہڈیاں (بڑھاپے کی وجہ سے) کمزور ہوگئی ہیں اور میرا سر سفید بالوں سے شعلہ مارنے لگا ہے (بالکل سفید ہو گیا ہے) اور اے میرے پروردگار! میں آپ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔(۴)

دُعا کے آداب

حضرت زکریا نے فرمایا تھا واشتعل الراس شیبا اشتعال کا معنی ہے آگ کی شعاع کا پھیلنا اور بھڑکنا انہوں نے سر میں بڑھاپے (سفید بالوں) کے پھیلنے کو آگ کے بھڑکنے سے تشبیہ دی اور یہ نہیں کہا کہ میرے سر میں بڑھاپا بھڑک اٹھا ہے کیونکہ سیاق کلاس سے مخاطب کو اس کا علم ہو جائے گا۔ زمخشری نے کہا حضرت زکریا نے بالوں کی سفیدی کو آگ کی سفیدی کے ساتھ تشبیہ دی۔

یہ حضرت زکریا (علیہ السلام) کی وہ دعا ہے جو آپ (علیہ السلام) نے فرزند کی ولادت کے لیے کی ہے۔
ہم سورہ آل عمران میں بہت حد تک وضاحت کر چکے ہیں۔ اسرائیلی روایات کے مطابق زکریا (علیہ

السلام) ابیاہ کے خاندان میں سے تھے، بہت معمر ہو گئے لیکن اولاد نہ تھی ان کی بیوی الیشبع ہارون (علیہ السلام) ہی کے خاندان سے تھی اس وقت آپ (علیہ السلام) کی عمر ۸۰ سال اور بعض روایات کے مطابق ۱۲۰ سال تھی۔ اور آپ (علیہ السلام) کی اہلیہ محترمہ کی عمر ۹۸ سال ہو گئی تھی اور ابھی تک آپ (علیہ السلام) کے ہاں کوئی فرزند تولد نہ ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ دعا آپ (علیہ السلام) نے ہیکل سلیمانی میں اعتکاف کی حالت میں کی۔ اس کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہے اس کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ دعا کے حقیقی آداب کیا ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ (علیہ السلام) نے یہ دعا نہایت خاموشی سے کی ہے۔ رات کے ایسے حصے میں جبکہ دیکھنے اور سننے والا کوئی نہ تھا اور ہر سو ماحول پر سنّاٹا طاری تھا۔ سونے والے گہری نیند کے مزے لوٹ رہے تھے اور حضرت زکریا (علیہ السلام) ایسی گھمبیر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے اظہارِ مدعا کر رہے تھے۔ قرآن کریم نے بھی ہمیں جو دعا کے آداب سکھائے ہیں اس میں یہی فرمایا گیا ہے کہ اپنے رب کو عاجزی اور نہایت خاموشی سے پکارو اور جو مانگنا چاہو اسی سے مانگو کیونکہ تنہائی اور خلوت کی دعائیں عموماً ریا اور دکھاوے سے پاک ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ سینوں کے بھید جانتا ہے اس لیے اس کے سامنے ایسی دعائیں جس میں ریا کا شائبہ بھی ہو کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

دوسری خوبی دعا کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ (علیہ السلام) نے عرض مدعا سے پہلے تمہید میں ایسی باتیں عرض کی ہیں جس میں اگر ایک طرف انھوں نے اپنا سینہ چیر کے رکھ دیا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے درِ رحمت پر اس طرح دستک دی ہے کہ رحمت کو بھی پیار آنے لگا ہوگا۔ اپنی جسمانی کمزوری اور

ناتوانی کو سفارش کے طور پر پیش کیا ہے کیونکہ حضرت زکریا (علیہ السلام) خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمزور اور ناتوان بندوں پر ہمیشہ مہربان رہتا ہے اور جب کمزوری اور ناتوانی بھی اس انتہا کو پہنچ جائے کہ اس کے بعد مایوسی کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مایوس نہیں ہونے دیتا اور پھر اپنی دعا میں مزید اپیل پیدا کرنے کے لیے ایک اور بات بھی فرمائی ہے کہ میں تو ہمیشہ سے اسی گھر کا گدار رہا ہوں اور یہی وہ دروازہ ہے جہاں سے میری امیدیں پوری ہوتی رہی ہیں۔ میں اس کے علاوہ کسی اور دروازے کو نہیں جانتا۔ اب جبکہ ضرورت ایسی آپڑی ہے کہ تیرے سوا کوئی پوری بھی نہیں کرسکتا تو میں تیرا دروازہ چھوڑ کر کہاں جاؤں۔

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان (کے مطابق اس) کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے، سو جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوں۔ پس جب وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر فرشتوں کی مجلس میں یاد کرتا ہوں۔" [١]

﴿ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ

١۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: (ویحذرکم اللہ نفسہٗ)۔۔ الخ: ٧٤٠٥۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب الحث علی ذکر اللہ تعالیٰ: ٢٦٧٥]

وَّاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے خوف کھاتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔(۵) جو میرا (بھی) وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور اے میرے رب! تو اسے (اپنا) پسندیدہ بنا دے۔(۶)

انبیاء کی میراث

میراث سے مراد مالی میراث نہیں' علم و نبوت مراد ہے۔ انبیاء کے مال کا وارث کوئی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنی میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ علم کی میراث چھوڑی ہے اس میراث کو جس نے لیا اس نے بڑی میراث پائی (وہ بڑا خوش نصیب ہے)۔[1]

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ: سیدنا ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہمارا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔"[2]

زجاج نے کہا حضرت زکریا کے رشتہ دار دین دار نہیں تھے، ان کو خطرہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد دین

۱۔ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ والدارمی من حدیث کثیر بن قیس۔ ترمذی نے راوی کا نام قیس بن کثیر لکھا ہے۔

۲۔ [بخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس: ۳۰۹۳۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): لانورث ما ترکنا فھو صدقۃ: ۱۷۵۸، عن عائشۃ (رض)]

ضائع ہو جائے گا اس لیے انہوں نے اللہ سے ایسا وارث طلب کیا جو ان کے بعد دین کی حفاظت کرے اور دین کی اشاعت کرے اور یہی صحیح قول ہے۔ حضرت زکریا نے مال کے وارث کی دعا نہیں کی تھی کیونکہ انبیاء (علیہم السلام) کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کے علم اور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ (۱)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے حدیث میں ہے ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا ہم نے جو ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ (۲)

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا : سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، پس تو بھی اس سے محبت کر۔ تو جبرائیل (علیہ السلام) بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر جبرائیل (علیہ السلام) آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے سو تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔“ (۳)

۱۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: 6727 صحیح مسلم رقم الحدیث: 1757، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: 2963، سنن الترمذی رقم الحدیث: 1610، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: 5013 مسند احمد رقم الحدیث: 25083، عالم الکتب بیروت)

۲۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص 74، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1418ھ)

۳۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ: ۳۲۰۹۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب إذا أحب اللہ عبداً۔۔ الخ: ۲۶۳۷]

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ
قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ
عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ
رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨

اے زکریا (علیہ السلام) بیشک ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحی ہوگا ہم نے اس سے پہلے اس نام کا کوئی بھی شخص پیدا نہیں کیا۔(۷) زکریا (علیہ السلام) نے کہا اے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوسکتا ہے، میری بیوی تو بانجھ ہوچکی اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں ۔(۸) فرمایا، ایسا ہی ہوگا۔تمہارا رب فرماتا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں حالانکہ تم کچھ چیز بھی نہ تھے۔

زکریاؑ کو اللہ نے بشارت دی تھی یا فرشتوں نے

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت زکریاؑ کو یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی یا فرشتوں نے اکثر

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت زکریا کو یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے دی تھی کیونکہ اس سے پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ حضرت زکریا نے اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا تھا اور اس سے سوال کیا تھا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت دی ہو اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ کو یہ بشارت فرشتوں نے دی تھی ان کی دلیل یہ آیت ہے:

(آل عمران: 39) جب زکریا حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے ان کو نداء کی کہ بیشک اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔

امام رازی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے دو مرتبہ بشارت دی گئی ہو، ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہو اور دوسری بار فرشتوں نے بشارت دی ہو۔

سمی کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے اس سے پہلے ان کا سمی نہیں بنایا۔ سمی کے دو معنی ہیں ہم نام اور مثل اور نظیر یعنی ہم نے اس سے پہلے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا یا ہم نے اس سے پہلے کوئی اس جیسی صفات کا نبی نہیں بنایا۔

اگر یہ معنی ہو کہ ان جیسی صفات کا پہلے کوئی نبی نہیں بنایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے متعلق فرمایا سیداو حصوراً (آل عمران: 39)

حافظ ابن کثیر نے حصور کے معنی میں لکھا ہے ان میں عورتوں کی طرف رغبت اور شہوت رکھی گئی تھی لیکن وہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی بناء پر عورتوں سے اجتناب کرتے تھے اور یہ ان میں حضرت عیسیٰ کی طرح

مجاہدہ تھا اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بے حیائی اور برائی کے کام بالکل نہیں کرتے تھے۔ (۱)

لوقا کی انجیل میں ہے: یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانہ میں ابیّاہ کے فریق میں سے زکریاہ نام ایک کاہن (ایک مذہبی عہدہ رکھنے والا تھا) اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی اور اس کا نام الیشبع تھا اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام وقوانین پر بے عیب چلنے والے تھے اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ بھی تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے۔ (۲)

وَّقَدۡ خَلَقۡتُكَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَكُ شَيۡـًٔـا: ارشاد فرمایا: (هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔـا مَّذۡكُوۡرًا) [الدھر:۱] "کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھا جس کا (کہیں) ذکر ہوا ہو؟"۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا فرمایا، جسے اس نے تمام زمین سے جمع کیا، چنانچہ آدم (علیہ السلام) کی اولاد اس مٹی کے لحاظ سے مختلف ہوئی ہے، کئی ان میں سے سرخ ہیں اور کئی سفید، کئی سیاہ اور کئی درمیانے رنگ کے اور ان میں سے بعض نرم مزاج ہیں تو بعض سخت مزاج۔" (۳)

﴿ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ ﴾

۱۔(تفسیر ابن کثیر ج۱ ص409، دار الفکر،1419ھ)

۲۔(انجیل لوقا۱:۵ تا۷)

۳۔[أبوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی القدر:۴۶۹۳۔ ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورہ البقرۃ:۲۹۵۵]

(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا کہ اے پروردگار میرے لیے کوئی نشانی مقرر کردے اللہ نے فرمایا کہ تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین (دن) رات لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔

زکریا (علیہ السلام) نے کہا، میرے رب! مجھے کوئی نشانی بتا دے، تاکہ میرے دل کو مزید اطمینان حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ کے لیے نشانی یہ ہوگی کہ زبان و جسم کے بالکل صحیح وسالم ہونے کے باوجود تین دن اور تین رات کسی سے بات نہ کر سکیں گے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: (اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ)[آل عمران ٤١:] "تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہیں کرے گا مگر کچھ اشارے سے اور اپنے رب کو بہت زیادہ یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر۔"

انجیل لوقا میں ہے زکریا نے کہا میں یہ بات کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ جبرائیل نے کہا میں جبرائیل ہوں جو خدا کے ہاں کھڑا رہتا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھ سے کلام کروں اور تجھے ان باتوں کی خوشخبری دوں اور دیکھو جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا اس لیے کہ تو نے میری باتوں کو جو اپنی وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔"[1]

﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١ ﴾

١۔(انجیل لوقا ١:١٩)

پھر وہ عبادت کے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کی طرف آئے اور انہیں اشارے سے کہا کہ تم لوگ صبح وشام (اللہ کی) تسبیح بیان کرو ۔

جب وہ وقت آیا تو زبان گفتگو کرنے سے رک گئی۔ حجرہ سے باہر نکل کر لوگوں کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کو یاد کرو۔ نمازیں پڑھو۔ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو۔ یہ کہنا یا تو حسب معمول سابق وعظ ونصیحت کے طور پر ہوگا یا نعمت الٰہیہ کی خوشی محسوس کر کے چاہا کہ دوسرے بھی ذکر وشکر میں ان کے شریک حال ہوں۔ کیونکہ جیسا آل عمران ” میں گزرا حضرت زکریا کو حکم تھا کہ ان تین دن میں خدا کو بہت کثرت سے یاد کریں۔ اور خاص تسبیح کا لفظ شاید اس لیے اختیار کیا ہو کہ اکثر عجیب وغریب سماں دیکھنے پر آدمی سبحان اللہ کہا کرتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے لوگ مسجد کے باہر منتظر تھے کہ زکریا اندر سے دروازہ کھول دیں تو وہ اندر جا کر نماز پڑھیں اچانک زکریا دروازہ کھول کر باہر آ گئے' چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا لوگوں نے کیفیت دریافت کی تو آپ نے اشارہ سے ان کو تسبیح وتنزیہ کا حکم دیا' مجاہدؒ نے اَوْحٰی کی تشریح میں کہا کہ زمین پر لکھ دیا سَبِّحُوْا یعنی نماز پڑھو اور اللہ کی پاکی بیان کرو۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ

وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو مضبوطی سے پکڑو، ہم نے اس کو بچپن ہی میں دانائی عطا فرمائی تھی۔(۱۲) اور اپنے پاس سے انہیں رحمدلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔(۱۳) اور وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے اور وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔(۱۴) اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔(۱۵)

جب زکریا (علیہ السلام) کے گھر وہ لڑکا پیدا ہو گیا۔ جس کا نام خود اللہ تعالیٰ نے یحییٰ رکھا تھا اور جب اس نے ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا، اے یحییٰ! تورات کا علم اچھی طرح حاصل کرو۔ اس لیے کہ بنی اسرائیل کے لوگ تورات ہی پڑھتے تھے اور موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تمام انبیائے بنی اسرائیل اور علماء واحبار لوگوں کے درمیان اسی کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ تورات کو اچھی طرح پڑھتے اور اس میں موجود احکام وشرائع کا فہم حاصل کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ (علیہ السلام) کو بچپن ہی میں علم وحکمت، فہم تورات اور اعمال صالحہ کی توفیق دے دی تھی۔ ان کے اندر اپنے والدین، رشتہ داروں، غیروں اور اللہ کی تمام مخلوق کے لیے رحمت وشفقت کا بے پایاں جذبہ پایا جاتا تھا۔

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا : سیدنا حارث اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے یحییٰ (علیہ السلام) کو پانچ باتوں کے بارے میں حکم دیا تھا کہ وہ خود بھی اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو نصیحت کرنے میں دیر کر دیتے، چنانچہ عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیں، تو اب یا تو آپ بنی اسرائیل کو ان باتوں کا حکم دیں، ورنہ میں ان کو حکم دوں گا۔ یحییٰ (علیہ السلام) نے فرمایا، اگر تم نے مجھ پر سبقت کی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں دھنسا نہ دیا جاؤں اور مجھ پر عذاب نہ نازل ہو جائے۔ الغرض یحییٰ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ جب پوری مسجد بھر گئی تو باقی لوگ اونچے مقامات پر بیٹھ گئے، تب یحییٰ (علیہ السلام) (نے وعظ شروع کیا، انھوں) نے کہا، اللہ عزوجل نے مجھے پانچ باتوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمھیں حکم دوں کہ تم بھی ان پر عمل کرو۔ ان میں پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کرو، کیونکہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو اپنے خالص مال یعنی سونے یا چاندی سے کوئی غلام خریدے، پھر اس سے کہے کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے، لہٰذا میرے لیے کام کرتے رہو اور اس کا معاوضہ مجھے ادا کرتے رہو تو وہ عمل کرے اور اپنے آقا کے علاوہ دوسرے کو اس کا معاوضہ ادا کرے تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا ایسا غلام ہو؟ اور بیشک اللہ عزوجل نے تمھیں نماز کا حکم دیا ہے، لہٰذا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو ادھر ادھر نہ دیکھو، اس لیے کہ اللہ اپنا چہرہ اپنے بندے کے چہرے کی طرف متوجہ

رکھتا ہے جب تک وہ بندہ نماز پڑھتا ہے اور ادھر ادھر نہیں دیکھتا اور اللہ تمہیں روزوں کا حکم دیتا ہے، تو روزہ دار کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی جماعت میں ہو اور اس کے پاس ایک تھیلی ہو، جس میں مشک ہو تو سب کے سب اسے پسند کرتے ہوں، یا ان کو اس کی خوشبو پسند آتی ہو اور روزہ دار (کے منہ) کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اللہ تمہیں صدقے کا حکم دیتا ہے، تو صدقہ دینے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کو دشمن نے قید کر کے اس کا ہاتھ گردن سے باندھ دیا ہو، پھر اس کو اس کی گردن مارنے کے لیے آگے کیا ہو، تو اس وقت وہ کہے کہ میں قلیل یا کثیر مال سے اپنے نفس کا فدیہ دیتا ہوں، پھر وہ اپنے نفس کا فدیہ دے (اور بچ جائے) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس کا ذکر کیا کرو، ذکر کرنے والے شخص کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پیچھے دشمن دوڑتا ہوا نکلے تو وہ (جلدی سے) ایک قلعہ کے پاس پہنچے اور اپنی جان بچا لے۔ بندہ اپنے نفس کو (کسی بھی ذریعے سے) شیطان سے نہیں بچا سکتا، سوائے اللہ کے ذکر کے ذریعے سے۔"[١]

حنان اور زکوۃ کا معنی

نیز فرمایا ہم نے اپنے پاس سے ان کو حنان اور زکوۃ عطا کر دی تھی، حنان کے معنی ہیں شفقت، رحمت اور محبت، حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ: اللہ عزوجل کا ان پر شفقت اور رحمت فرمانا اور دوسرا یہ ہے کہ ان کا لوگوں پر شفقت اور رحمت فرمانا اور شرک سے نکالنا۔

زکوۃ کا معنی ہے پاک کرنا اور برکت دینا اور ان کی خیر اور نیکی کو بڑھانا یعنی ہم نے ان کو برکت والا بنا دیا وہ لوگوں کو ہدایت دیتے تھے، اور وہ متقی تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے اس لیے کہا گیا ہے کہ

١۔[ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی مثل الصلاۃ والصیام والصدقۃ: ٢٨٦٣۔ ابن حبان: ٦٢٣٣۔ مسند أحمد: ٤/ ١٣٠، ح: ١٧١٧٠]

انہوں نے کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا: یعنی وہ اپنے والدین کے اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے اور قول و فعل اور امر و نہی میں ان کی نافرمانی نہیں کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "خاک آلود ہو اس کی ناک، پھر خاک آلود ہو اس کی ناک، پھر خاک آلود ہو اس کی ناک۔" کہا گیا کہ یا رسول اللہ! کس کی؟ فرمایا: "جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ جائے۔"[۱]

یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام کی خصوصیت

اس کے بعد فرمایا اور ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن ان کی وفات ہوگی اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں۔ ان تین دنوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے:

امام ابن جریر طبریؒ نے کہا یہاں سلام کا معنی ہے امان، ہر شخص جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو ضرر پہنچاتا ہے لیکن وہ اس کے ضرر سے سلامت رہیں گے اور جب وہ فوت ہوں گے تو عذاب قبر سے امان میں رہیں گے اور جب وہ حشر کے دن اٹھیں گے تو عذاب قیامت سے مامون رہیں گے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا ہر انسان کو تین دنوں میں وحشت کا سامنا ہوتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ماں کے پیٹ سے باہر آ کر ایک نئی دنیا کا سامنا کرتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو ان چیزوں کا سامنا کرتا ہے جن کو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور جب وہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اپنے آپ کو عظیم محشر میں

۱۔[مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب رغم من أدرک أبویہ۔۔الخ: ۲۵۵۱]

پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مقامات پر حضرت یحییٰ پر سلام بھیجا تا کہ وہ ان تینوں مقامات پر سلامتی کے ساتھ رہیں۔

عبداللہ بن نفطویہ نے کہا جب وہ پیدا ہوں اور پہلی بار دنیا کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو اور جب وہ فوت ہوں اور پہلی بار امر آخرت کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو اور جب ان کو اٹھایا جائے اور وہ پہلی بار جنت اور دوزخ کو دیکھیں تو ان پر سلامتی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء پر بھی سلام بھیجا ہے مثلاً فرمایا: سلام علی نوح فی العلمین (الصفت: 79) اور فرمایا: سلام علی ابراہیم (الصفت: 109) لیکن ایک بار سلام بھیجا ہے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین بار سلام بھیجا ہے۔ ہر چند کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر بھی تین بار سلام کا ذکر ہے "والسلم علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا" (مریم: 33) لیکن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ کے امر سے بھیجا ہے اور حضرت یحییٰ ؑ پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا
شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا
رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ
مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ
لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ
وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا ﴿٢١﴾

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور کتاب (قرآن) میں مریم کا ذکر کرو جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہوکر مشرقی مکان میں چلی گئی تھی۔ (۱۶) پھر انہوں نے ان (لوگوں) کی طرف سے پردہ کرلیا (اس وقت) ہم نے ان کی طرف فرشتہ بھیجا تو وہ اس کے سامنے صحیح سالم آدمی بن کر ظاہر ہو گیا ۔(۱۷) مریم (علیہا السلام) نے کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔(۱۸) فرشتے نے کہا: میں تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تا کہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔(۱۹) مریم (علیہا السلام) نے کہا، میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار رہوں۔(۲۰) فرشتے نے کہا ایسا ہی ہوگا آپ کے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے اور تا کہ ہم اس کو لوگوں کے لیے اپنی طرف سے ایک نشانی اور رحمت و مہربانی کا ذریعہ بنائیں اور یہ کام طے ہو چکا ہے۔(۲۱)

حضرت زکریا (علیہ السلام) کے خاندان ہی میں اس زمانہ میں ایک بزرگ عابد زاہد کاہن تھے جن کا نام

عمران تھا اور ان کی بیوی کا نام حنہ تھا جو حضرت یحییٰ (علیہ السلام) کی والدہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس طرح حضرت زکریا (علیہ السلام) حضرت مریم (علیہا السلام) کے خالو تھے۔ عمران صاحب اولاد نہ تھے اور ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو اس لیے وہ درگاہ الٰہی میں اولاد کے لیے دعا کیا کرتی تھیں اور قبولیت دعاء کے لیے ہر وقت منتظر رہتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبولیت بخشی اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہیں ان کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردوں گی۔ بنی اسرائیل میں یہ رسم بہت مقدس سمجھی جاتی تھی اور اس طرح جو اولاد خانہ خدا کے لیے وقف ہو جاتی تھی اس کو شب و روز عبادت الٰہی اور عبادت خانہ کی خدمت کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا جب واضع حمل کا وقت ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی جس کا حنہ کو افسوس ہوا کیونکہ لڑکی وقف کرنے کا دستور نہ تھا لیکن نذر مان چکی تھیں اس لیے حضرت مریم (علیہا السلام) کو حضرت زکریا (علیہ السلام) کے سپرد کر دیا گیا جو بیت المقدس کے متولی اور امام تھے۔ حضرت مریم (علیہا السلام) بچپن ہی سے نہایت پاکیزہ صفات اور عابدہ زادہ تھیں۔ حضرت زکریا (علیہ السلام) نے ان کے لیے ایک حجرہ مخصوص کر دیا تھا وہ دن میں وہاں رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتیں اور جب رات آتی تو ان کو حضرت زکریا اپنے مکان پر حضرت مریم (علیہا السلام) کی خالہ کے پاس لے جاتے اور وہیں شب بسر کرتیں غرض اس طرح زہد و تقوی و عبادت کے ساتھ حضرت مریم (علیہا السلام) کی عمر تیرہ یا پندرہ سال کے قریب ہوگئی۔

اب یہاں سے آگے کے حالات ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں اور بتلایا گیا کہ ایک روز بیت

المقدس سے مشرق کی طرف سے سب سے علیحدہ ہو کر کسی مکان میں گئیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت مریم (علیہا السلام) غسل کے لیے اس جگہ آئی تھیں اور لوگوں سے آڑ کے لیے آپ نے درمیان میں پردہ ڈال لیا تھا جب آپ غسل کر چکیں اور کپڑے پہن لیے تو اچانک خدا کا فرشتہ جبرائیل (علیہ السلام) انسانی شکل میں ظاہر ہوئے اور جیسا کہ فرشتوں کی عادت ہے کہ عموماً خوش منظر صورتوں میں متمثل ہوتے ہیں حضرت جبرائیل (علیہ السلام) نہایت خوبصورت انسانی شکل میں آئے۔ حضرت مریم (علیہا السلام) نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور قدرتی طور پر خوف زدہ ہوئیں اور اپنی حفاظت کی فکر کرنے لگیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے چہرہ پر تقویٰ وطہارت کے انوار چمکتے دیکھ کر اسی قدر کہنا کافی سمجھا کہ میں تیری طرف سے رحمن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تیرے دل میں خدا کا ڈر ہوگا تو میرے پاس سے چلا جائے گا اور مجھ سے کچھ تعرض نہ کرے گا۔ اس وقت جبرائیل امین نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں میری نسبت کوئی ڈر یا خوف آیا ہو تو دل سے نکال دو میں انسان نہیں بلکہ خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ خداوند قدوس کی طرف سے تم کو ایک پاکیزہ۔ صاف ستھرا اور مبارک و مسعود لڑکے کی بشارت دوں۔ حضرت مریم (علیہا السلام) کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہوا کہ جو عفیفہ مرد سے ناواقف ہو اس کے لڑکا کیسے ہوگا اس لیے حضرت مریم (علیہا السلام) ازراہ تعجب فرمانے لگیں میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مجھ کو آج تک کسی شخص نے بھی ہاتھ نہیں لگایا اس لیے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ میں کوئی بدکار ہوں۔ فرشتہ نے جواب دیا میں تو تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ میں اس لیے کروں گا کہ تم کو اور تمہارے بیٹے کو کائنات کے لیے اپنی

قدرت کاملہ کے اعجاز کا نشان بنادوں اور لڑکا میری جانب سے رحمت ثابت ہوگا میرا یہ فیصلہ اٹل ہے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَکُ بَغِیًّا: "بَغِیًّا" کے معنی زانیہ کے ہیں، زانیہ سے متعلق سیدنا ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔[۱]

وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا: یعنی یہ ایک ایسا کام ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ومشیت کے مطابق فیصلہ فرماچکا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سنا، آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کو بنانے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ دیں اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔"[۲]

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰٮهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾ وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ

۱۔[بخاری، کتاب البیوع، باب ثمن الکلب: ۲۲۳۷۔ مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب ۔۔ الخ: ۱۵۶۷]

۲۔[مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم وموسیٰ صلی اللہ علیہما وسلم: ۲۶۵۳]

رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ
الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ
الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾

پس مریم (علیہا السلام) اس بچہ کے ساتھ حاملہ ہوگئیں اور اسے لے کر ایک دور جگہ چلی گئیں۔(۲۲) پس دردزہ اسے ایک کھجور کے تنے کے پاس لے گیا، بولی اے کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بھولی بسری ہوگئی ہوتی۔(۲۳) تو فرشتے نے انہیں ان کے نیچے ایک جگہ سے آواز دی کہ غم نہ کرو، بیشک تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔(۲۴) اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تم پر تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔(۲۵) پس کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو، پھر اگر تم کسی بھی انسان کو دیکھو تو (اشارہ سے اسے) کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے اس لیے میں آج کسی انسان سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔(۲۶)

اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کے اس فیصلے کے بارے میں جبرائیل (علیہ السلام) نے جب مریم سے مندرجہ بالا گفتگو کی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔اس کے بعد وہ لوگوں کی

باتوں کے ڈر سے اپنی قوم سے دور پہاڑ کے پیچھے یا وادی میں چلی گئیں۔اس جگہ کا نام بیت اللحم بتایا جاتا ہے جو بیت المقدس سے آٹھ میل دور تھی، اس جگہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں، تا کہ ان کے طعنوں سے بچی رہیں۔ بالآخر ولادت کا وقت قریب آ گیا اور درد کی شدت بڑھ گئی تو ایک کھجور کے درخت کے پاس چلی گئیں اور جب انھیں لوگوں کے عار دلانے کا خیال آیا تو بشری تقاضے کے مطابق کہنے لگیں، کاش! مجھے اس سے پہلے موت آ گئی ہوتی، کاش! میں ایک بھولی بسری کہانی بن گئی ہوتی۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ فتنے کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے، کیونکہ سیدہ مریم (علیہ السلام) کو پتا تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انھیں ابتلا و آزمائش سے گزرنا پڑے گا، لوگ ان کی بات کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے اور ان کی خبر کو سچا نہیں مانیں گے، کیونکہ بنی اسرائیل میں پہلے ان کی شہرت ایک عابدہ وزاہدہ خاتون کی تھی، مگر اب وہ انھیں ایک بدکار و بدکردار عورت قرار دیں گے۔ موت کی تمنا سے متعلق احادیث رسول پیش خدمت ہیں۔ سیدنا انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کوئی شخص مصیبت نازل ہونے پر موت کی تمنا ہرگز نہ کرے۔ اگر وہ لازمی یہ دعا کرنے والا ہے تو اسے یوں کہنا چاہیے، اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ، جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہو اور مجھے اس وقت فوت کر جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔“[۱]

سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکی کرنے والا ہے تو شاید مزید نیکیاں کرے اور اگر گناہ گار ہے تو شاید (آئندہ زندگی میں) باز آ جائے۔“[۲]

۱۔[بخاری، کتاب المرض، باب تمنی المریض الموت: ٥٦٧١]

۲۔[بخاری، کتاب المرض، باب تمنی المریض الموت: ٥٦٧٣]

خاموشی کا روزہ رکھنا غیر مشروع ہے

سابقہ شریعتوں میں خاموشی کا رکھنا جائز تھا،صوم کا معنی ہے کسی کام سے رکنا اور صمت کا معنی ہے بولنے سے رکنا،اس لیے صوم کو صمت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔آیا ہماری شریعت میں بھی خاموشی کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں ڈبعض علماء نے یہ کہا کہ آدمیوں کے ساتھ کلام سے رکنا اور اللہ کو یاد کرنے کے لیے اپنے ذہن کو فارغ رکھنا یہ بھی ایک نوع کی عبادت ہے،لیکن صحیح یہ ہے کہ چپ کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں نفس کو تنگی اور عذاب میں مبتلا کرنا ہے،جیسے کوئی آدمی دھوپ میں کھڑے ہونے کی نذر مان لے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خطبہ دے رہے تھے آپ نے ایک شخص کو کھڑے ہوئے دیکھا،آپ نے اس کے متعلق پوچھا،صحابہ نے کہا وہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور نہ سایہ طلب کرے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ سے رہے گا۔نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ طلب کرے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (۱)

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی

۱۔(صحیح البخاری رقم الحدیث:6704)

الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي
نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ
وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا
شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ
أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

پھر وہ اس بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ اے مریم یہ تو تو نے برا کام کیا۔ (۲۷) اے ہارون کی بہن، نہ تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔ (۲۸) تو مریم (علیہ السلام) نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے جو ابھی گہوارہ (گود) میں بچہ ہے کیسے بات کریں۔ (۲۹) بچے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے۔ (۳۰) اور میں جہاں کہیں بھی رہوں مجھے برکت والا بنایا اور اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ (۳۱) اور (اسی نے) مجھے میری ماں کا فرماں بردار بنایا ہے اور

مجھے سرکش و بد بخت نہیں بنایا۔(۳۲)اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔(۳۳)

جب مریم علیہا السلام فارغ ہوگئیں اور اللہ کے انعامات وکرامات کو دیکھ کر ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا تو اپنے بچے عیسیٰ (علیہ السلام) کو گود میں اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں۔لوگوں نے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر غم وحیرت سے ملے جلے جذبے کا اظہار کیا، کیونکہ مریم بہت ہی بڑے دینی خاندان کی بیٹی تھیں۔ لوگوں نے ان پر نکیر کرتے ہوئے کہا، اے مریم! تو نے بہت برا کیا ہے کہ ناجائز بچہ اٹھائے چلی آرہی ہو۔مزید ڈانٹ پھٹکار کرتے ہوئے کہا، اے ہارون کی بہن! تیرا باپ تو کوئی بدکار آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں ہی زانیہ تھی۔ ہارون نام کا ان کا ایک بھائی تھا جو نیکی اور صلاح میں مشہور تھا۔آپ نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔آپ فوراً بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔اللہ نے اپنے فیصلہ تقدیر میں مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا اشعار ہو اور اس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور خودسر اور نافرمان نہیں بنایا کہ ادائے حق خالق یا ادائے حق والدہ سے سرکشی کروں۔چونکہ آپ بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لیے والدہ کی تخصیص کی اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا۔اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اس وقت ماں کی گود میں جو کچھ فرمایا اس میں تمام غلط اور فاسد خیالات کا رد تھا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے سب سے پہلے کہا کہ میں بندہ ہوں اللہ کا یعنی نعوذ باللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں

جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے چنانچہ اسی عقیدہ کی تردید کے لیے پہلے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت وغیرہ کے تفصیلی حالات بیان فرمائے اوران آیات کی ابتداء اس جملہ سے فرمائی گئی فاتت بہ قومھا تحملہ۔ پس مریم اس لڑکے کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں۔تو فاتت کا لفظ بتارہا ہے کہ حضرت مریم خود اپنے بچہ کو لے کر آئی تھیں۔اس میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ وہ عیسیٰ جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد اتنے مجبور تھے کہ خود چل پھر بھی نہیں سکتے تھے۔ماں گود میں اٹھائے پھرتی تھیں۔تو ایسا مجبور اور بے بس کس طرح مستحق الوہیت ہوسکتا ہے۔جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔

یہاں شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی ذات کے لیے آٹھ صفتیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کارد ہوگیا۔

پہلی صفت اپنی عبدیت کی بیان کی کہ میں اللہ کا بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر والد کے پیدا ہوا ہوں۔معاذ اللہ ولد الزنا نہیں اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا مخلوق بندہ ہوں معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں۔

دوسری صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب انجیل عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت سے منافی ہے۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔یعنی اللہ نے ازل میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔

چوتھی صفت یہ بیان کی اللہ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے۔جس جگہ بھی ہوں۔ جہاں بھی رہوں یا جاؤں

خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

پانچویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں اور ظاہر ہے کہ نماز اور زکوۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

چھٹی صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا۔اس میں صاف اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عفیفہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہیں۔مجھ پر ان کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

ساتویں صفت یہ بیان کی کہ اللہ نے مجھ کو سرکش اور بد بخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بد بخت ہے۔

آٹھویں صفت یہ بیان کی کہ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خداوند قدوس کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔حدیث میں ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) آسمان سے نازل ہونے کے بعد چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس روضہ اقدس میں مدفون ہوں گے۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نجران آیا تو وہاں کے لوگوں (یعنی نصاریٰ) نے مجھ سے سوال کیا کہ تم یہ پڑھتے ہو: (یَآاُخْتَ ھٰرُوْنَ) (مطلب یہ کہ یہاں مریم کو ہارون (علیہ السلام)

کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ ہارون (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) کے بھائی تھے) اور موسیٰ (علیہ السلام) عیسیٰ (علیہ السلام) سے اتنی مدت پہلے تھے تو پھر مریم، ہارون (علیہ السلام) کی بہن کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ جب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا، تو میں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا، جس پر آپ نے فرمایا: "(یہ وہ ہارون نہیں ہیں جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بھائی تھے، بلکہ) بنی اسرائیل کی عادت تھی کہ وہ پیغمبروں اور اگلے نیک لوگوں کے نام پر نام رکھتے تھے۔" [۱]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہر بچے کو پیدائش کے وقت شیطان چھوتا ہے اور وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے چیخنے لگتا ہے، سوائے مریم [اور ان کے بیٹے (عیسیٰ (علیہ السلام) کے۔" [۲]

سیدنا نواس بن سمعان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "پھر اللہ تعالیٰ سیدنا (عیسیٰ) مسیح ابن مریم (علیہ السلام) کو بھیج دیں گے اور وہ دمشق (شام) کے مشرقی حصے میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔۔ پھر ابن مریم (علیہ السلام) دجال کا پیچھا کریں گے اور "لد" کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے (لد شام میں ایک پہاڑ کا نام ہے) اور اسے قتل کر ڈالیں گے۔" [۳]

سیدنا عبادہ بن صامت ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد (صلی

۱۔[مسلم، کتاب الآداب، باب النھی عن التکنی بأبی القاسم۔۔ الخ: ۲۱۳۵]

۲۔[بخاری، کتاب التفسیر، باب (وإنی أعیذھا بک۔۔ الخ): ٤٥٤٨۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ (علیہ السلام): ۲۳۶۶]

۳۔[مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال: ۲۹۳۷]

اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بندے، اس کے پیغمبر اور اس کا کلمہ ہیں، جنھیں مریم (علیہ السلام) کی طرف ڈالا گیا تھا اور اس کی طرف سے روح ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے، تو اس کے خواہ کیسے ہی اعمال ہوں اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت میں پہنچائے گا۔“ (۱)

﴿ ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ ﴾

یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام)، بالکل سچی بات ہے، جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ (۳۴) اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے' وہ (اس سے) پاک ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔ (۳۵)

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ میں اختلاف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہی حق بات ہے اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ ؑ کا مریم کا بیٹا ہونا ہی حق

۱۔[بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قولہ تعالیٰ: (یٰأهل الکتب لاتغلوا فی دینکم)۔۔الخ: ۳٤۳٥۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة: ۲۸]

بات ہے، یعنی وہ ابن اللہ نہیں ہیں، اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جس کی یہ صفات بیان کی ہیں یہی عیسیٰ بن مریم ہیں اور یہ بات برحق ہے۔

اس کے بعد فرمایا جس میں یہ شک کرتے ہیں، جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو آسمان پر اٹھایا گیا تھا تو اس وقت ان کے اکابر علماء سے چار شخص موجود تھے، جب ان سے پوچھا گیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کون تھے تو ان چار میں سے ایک نے کہا وہ خود اللہ تھے جو زمین پر اتر آئے تھے۔ انہوں نے جس کو زندہ رکھا اس کو زندہ رکھا اور جس کو مار دیا اس کو مار دیا، پھر وہ آسمان پر چڑھ گئے۔ اس عقیدہ کے پیروکاروں کا نام یعقوبیہ ہے، باقی تینوں نے اس کو جھوٹا کہا، پھر ان باقی ماندہ میں سے ایک نے کہا ہو ابن اللہ تھے اور اس عقیدہ کے پیروکار نسطوریہ ہیں اور باقی دو نے اس کو جھوٹا کہا، پھر باقی دو میں سے ایک نے کہا وہ تین میں کا تیسرا ہے، اللہ معبود ہے اور وہ یعنی عیسیٰ معبود ہے اور اس کی ماں معبود ہے اور اس کے پیروکاروں کا نام اسرائیلیہ ہے یہ نصاریٰ کے بادشاہ ہیں پھر چوتھے نے اس کی تکذیب کی اور کہا بلکہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں اور یہی مسلمان ہیں ان میں سے ہر ایک مختلف عقائد کے پیروکار تھے۔ (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی لڑکا بنائے، وہ جاہلوں اور نادانوں کی اس بات سے بالکل پاک ہے، وہ تو جب کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔ جس ذات باری تعالیٰ کی یہ صفت ہے، اس کے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: (اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾

۱۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱ ۱ ص 32، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ)[آل عمران:۵۹،۶۰] "بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی طرح ہے کہ اسے تھوڑی سی مٹی سے بنایا، پھر اسے فرمایا ہوجا، سو وہ ہوجاتا ہے۔ یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے، سو تو شک کرنے والوں سے نہ ہو۔"

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۳۶
فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۳۷ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ
الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۳۸ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ
اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۳۹ اِنَّا نَحْنُ
نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۴۰﴾

اور بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔(۳۶) پھر اس کے بعد مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے، پس جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ایک بڑے دن کے آنے سے بڑی خرابی ہونے والی ہے۔(۳۷) وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے، کیسے سننے والے اور کیسے

دیکھنے والے ہوں گے۔ لیکن آج کے دن ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ (۳۸)

اور (اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیں، جب (ہر) کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا (مگر آج) یہ لوگ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ (۳۹) بیشک، ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور ان کے بھی جو اس پر ہیں اور وہ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (۴۰)

حضرت عیسیٰ نے اپنی ماں کی گود میں سے لوگوں کے ساتھ جو باتیں کی تھیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ بیشک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا اور توحید کا راستہ ہے جو میں اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔ جو اس راستے پر چلے گا وہی ہدایت پائے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: ”یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔“ پھر آپ نے اس کی دائیں جانب اور اس کی بائیں جانب کئی خطوط کھینچے، پھر فرمایا: ”یہ جدا جدا راہیں ہیں، ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے۔“ پھر آپ نے پڑھا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ [الانعام: ۱۵۳] ”اور یہ کہ بیشک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔“ [1]

۱۔ [مسند أحمد: ۱/ ۴۳۵، ح: ۴۱۴۱۔ مستدرک حاکم: ۲/ ۳۱۸، ح: ۳۲۴۱]

پس حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں حقیقت واضح ہونے کے باوجود لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ خدا ہے۔ کسی نے کہا خدا کا بیٹا ہے۔ کسی نے کہا کہ ان کا کلام وغیرہ سب جادو کا کرشمہ ہے، البتہ ایک گروہ نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہی بات صحیح ہے ۔حضرت عیسیٰ کے بارے میں اہل اسلام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہی تعلیمات خداوندی ہیں۔

سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن بڑی ہلاکت و بربادی اور شدید عذاب ہے۔ یہ کافر جو آج دنیا میں بہرے اور اندھے بنے ہوئے ہیں، نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، قیامت کے روز جب یہ ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت یہ خوب سننے اور دیکھنے والے ہوں گے، لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب تمام اعمال کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اہل جنت، جنت کے اندر اور اہل دوزخ، دوزخ کے اندر کبھی نہیں مریں گے۔ اس حسرت وندامت سے آج یہ غافل ہیں بلکہ اس پر یقین بھی نہیں رکھتے کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے۔

سیدنا ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں چلے جانے کے بعد موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا، اے اہل جنت! کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ گردنیں اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں! یہ موت ہے۔ پھر کہا جائے گا، اے آگ والو! کیا تم اسے جانتے ہو؟ تو وہ بھی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے، ہاں! یہ موت

ہے، تو اب حکم ہوگا اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ ساتھ ہی منادی کی طرف سے یہ ندا کر دی جائے گی کہ اے اہل جنت! تمھارے لیے اب کبھی موت نہیں اور اے اہل جہنم! اب تمھارے لیے بھی کبھی موت نہیں۔" اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ آیت پڑھی: (وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ)[مریم:۳۹] "اور انھیں پچھتاوے کے دن سے ڈرا جب (ہر) کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ سراسر غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔" اور آپ نے فرمایا: "یہ اہل دنیا غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔"[۱]

پھر فرمایا کہ بیشک جب سب زمین والے فنا ہو جائیں گے اور کسی کا ملک و ملک باقی نہ ہوگا تو ہم ہی باقی رہیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث ہوں گے اور آخرت میں سب ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس وقت ہم ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔[۲]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "جو بھی سونے اور چاندی کا مالک ہے، اگر وہ ان کی زکوۃ نہیں دیتا تو جب قیامت کا دن ہوگا تو (اس چاندی اور سونے کے) تختے بنائے جائیں، جو جہنم کی آگ میں گرم کیے جائیں گے اور پھر اس کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ پر اس سے داغا جائے گا، جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انھیں دوبارہ گرم کیا جائے گا اور یہ اس دن ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔"[۳]

۱۔[مسند أحمد:۹/۳،ح:۱۱۰۷۲۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ عزوجل:(وأنذرھم یوم الحسرۃ):۴۷۳۰۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون۔۔ الخ:۲۸۴۹]

۲۔(ابن کثیر 3/ 120،121، روح المعانی 12/ 91،92)۔

۳۔[مسلم، کتاب الزکوۃ، باب إثم مانع الزکوۃ:۹۸۷]

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ
قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ
عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ
فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ
يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ
اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ
لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ
لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ٘ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾
فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾

اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کرو بیشک وہ نہایت سچے تھے نبی تھے ۔(۴۱) جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہیں۔(۴۲) اے ابا جان! بیشک میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میری پیروی کیجیے' میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا ۔(۴۳) اے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کیجیے، بیشکشیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔(۴۴) اے ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ آپ کو رحمٰن کا عذاب آپہنچے اور پھر آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔(۴۵) (باپ نے) کہا: اے ابراہیم (علیہ السلام)! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے بیشک اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔(۴۶) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا آپ پر سلام ہو میں بہت جلد (اپنے رب سے) آپ کی بخشش کی دعا مانگوں گا۔ بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔(۴۷) اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارا کرتے ہیں ان (تمام معبودوں) سے کنارہ کرتا ہوں

اور اپنے رب کو ہی پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔(۴۸) پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق (علیہ السلام) اور (اسحاق علیہ السلام) کو یعقوب (علیہ السلام) بخشے اور ہر ایک کو نبی بنایا۔(۴۹) اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (سب کچھ) عطا کیا اور ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔(۵۰)

اللہ پاک اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس حکم سے آگاہ فرما رہے ہیں آپ اپنی قوم کو ابراہیم (علیہ السلام) کے واقعات سے آگاہ کریں جو بتوں کی عبادت کر رہے ہیں کہ ان کا شمار ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد سے ہوتا ہے، مزید وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہیں جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے نہ صرف سبھی لوگوں کو بلکہ اپنے باپ کو بھی بتوں کی عبادت سے منع کیا ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے آگاہ کیا اے میرے ابا! آپ ان بتوں کی عبادت میں کیوں مشغول ہیں جو سننے اور دیکھنے کی قوتوں سے محروم ہیں اور تجھے ہرگز کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے نہ کسی نقصان سے تحفظ عطا کر سکتے ہیں، اے میرے باپ! اگرچہ میں تیرا بیٹا ہوں اور تجھ سے چھوٹا ہوں اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو ذہن میں رکھیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جس علم سے نوازا ہے تجھے وہ علم عطا نہیں ہوا پس تیرے لیے مناسب یہی ہے کہ آپ میری اطاعت کریں میں تجھے صراط مستقیم پر چلا کر اصل مقصود سے ہم کنار کرسکوں گا اور ہر قسم کے خوف اور تکلیف سے تحفظ عطا کرسکوں گا اے میرے ابا! شیطان کی عبادت نہ کریں نہ اس کی اطاعت کریں وہ اپنی عبادت کی جانب دعوت دیتا ہے بلاشبہ

شیطان نے تو اپنے پروردگار کی اطاعت سے روگردانی کی اور تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے سے دور کر دیا اگر تو اس کی عبادت کرے گا تو اس جیسا ہو جائے گا اے میرے ابا! اگر تو شرک کرے گا اور اللہ کے احکام کی نافرمانی کرے گا تو مجھے خطرہ ہے کہ تو شرک اور نافرمانی کے باعث شیطان کا دوست بن جائے گا، اللہ رحمن کی جانب سے عذاب کا مستحق ہو گا۔

ابراہیم (علیہ السلام) کے والد نے اپنے بیٹے ابراہیم (علیہ السلام) کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا اے ابراہیم! تو ان کی عبادت سے روگردانی کرتا ہے بلکہ انھیں برا بھلا کہتا ہے تو تجھے اس سے باز رہنا چاہیے لیکن اگر تو ان کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ سے بدلہ لوں گا اور تجھے گالی گلوچ سے نہیں روکوں گا بلکہ تجھ سے بدلہ لیتے ہوئے تجھ پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دوں گا اور تو مجھ سے لمبا عرصہ تک دور چلا جا تو مجھے نظر نہ آئے اس جملہ میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو صبر دلانا مقصود ہے کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے انداز پر رواں دواں رہیں اس لیے کہ آپ کو نہ صرف اپنی قوم بلکہ ابولہب کی جانب سے تکالیف کا سامنا رہتا تھا لیکن ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ کی گفتگو کے جواب میں کہا کہ اے ابا! میری جانب سے آپ محفوظ رہیں گے جب تک کہ مجھے اللہ کی جانب سے کوئی حکم صادر نہیں ہو گا، ظاہر ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کا جواب حلم و تواضع کا آئینہ دار تھا، مزید کہا میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا کہ اللہ تعالیٰ تجھے توبہ کی توفیق عطا کرے اور حق و صداقت کے قبول کرنے کے لیے تیری بصیرت روشن ہو جائے۔

سوال مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد کافر کے لیے مغفرت کی دعا کیوں کی اس کا جواب واضح ہے کہ ان کے والد نے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں { وما کان

استقفار۔۔۔تبرا منہ } (التوبہ:114) "اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا کرنا محض اس وعدہ کی بنا پر تھا جو اس نے اس سے وعدہ کیا تھا لیکن جب ابراہیم کے سامنے یہ بات روشن ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے برات کا اظہار کیا"

واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ: اس کے بعد ابراہیم (علیہ السلام) نے پختہ عزم کیا کہ میرا تعلق ان سے ختم ہے چنانچہ انھوں نے اعلان کیا کہ میں تجھ سے اور تیری قوم سے دوری چاہتا ہوں اور میں اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہونا چاہتا ہوں جو مجھے فوائد پہنچاتا ہے اور وہی مجھے تکالیف سے دو چار کرتا ہے اور میں ایک اللہ پاک کی عبادت کرتا ہوں دوسروں کی عبادت سے کنارہ کشی کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کے باعث ناکام نہیں رہوں گا جبکہ تم ناکام ہو، چنانچہ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کی نیز ان کے معبودوں سے علیحدگی کا اعلان کیا تو ہم نے انھیں اسحق (علیہ السلام) اور اسحق (علیہ السلام) سے یعقوب (علیہ السلام) کا عطیہ دیا اور ان سب کو نبوت سے سرفراز فرمایا، حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جب دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون شخص بہتر ہے آپ نے فرمایا یوسف (علیہ السلام) اللہ کے پیغمبر جو یعقوب (علیہ السلام) اللہ کے پیغمبر کے بیٹے ہیں، اور یعقوب (علیہ السلام) اللہ کے پیغمبر اسحق (علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور اسحق (علیہ السلام) اللہ کے پیغمبر ابراہیم (علیہ السلام) کے بیٹے ہیں۔ [1]

مزید یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی وارد ہے ان الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن

۱۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب 14، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب 43)

یعقوب بن اسحٰق بن ابرھیم۔ [1]

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا
نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾
وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ ﴾

اور اس کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو۔ بیشک وہ اللہ کے خالص کیے ہوئے بندے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔ (۵۱) اور ہم نے ان کو طور کی دائیں جانب سے پکارا اور باتیں کرنے کے لیے نزدیک بلایا۔ (۵۲) اور ہم نے اپنی مہربانی سے اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو نبی بنا کر عطا کیا۔ (۵۳)

ان آیات میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر اور حضرت یعقوب کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ ایک منتخب نبی اور رسول ہیں۔ اللہ نے ان کو کوہ طور کی داہنی جانب سے پکارا، اپنی قربت عطا کی، آپ سے کلام فرمایا اور صاحب کتاب بنایا، تورات جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ ان کے بھائی حضرت ہارون (علیہ السلام) کو جو خود بھی اللہ کی طرف سے نبی تھے ان کا معاون و مددگار بنایا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں اللہ کے حکم سے فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس کی بڑائی کو چیلنج کیا کہ وہ اپنی سرکشی، تکبر اور غرور سے باز آجائے اور

۱۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب 18، صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورہ 12، مسند احمد 96 /2)

بنی اسرائیل پر ہر طرح کے ظلم وستم کو بند کر دے تا کہ بنی اسرائیل ملک مصر سے فلسطین عافیت کے ساتھ پہنچ جائیں۔ لیکن فرعون نے اپنے ظلم وزیادتی کا سلسلہ بند نہیں کیا بلکہ اس میں ایسی شدت آ گئی تھی جس سے اہل ایمان کا اس سرزمین پر رہنا مشکل ہو گیا تھا آخر کار اللہ نے فرعون اور اس کے اس کے تمام حمایتیوں کو پانی میں غرق کر دیا اور بن یا سرائیل کو ایک بہت بڑے ظالم سے نجات دلا دی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ
رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ
عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ
صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ
نُوْحٍ ۚ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۚ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا
وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا
وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ السجدة

اور کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا بھی ذکر (یاد) کرو بیشک وہ وعدے کے

سچے تھے اور رسول تھے نبی تھے ۔(۵۴)اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔(۵۵)اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کرو، بیشک وہ بھی نہایت سچے نبی تھے۔(۵۶)اور ہم نے اسے ایک بلند مقام پر اٹھالیا۔(۵۷)یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انبیاء میں سے انعام فرمایا، یعنی آدم (علیہ السلام) کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب (علیہما السلام) کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا تھا، جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے تھے اور روتے رہتے تھے۔(۵۸)

حضرت موسیٰ کے بعد حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر فرمایا حضرت اسماعیل (علیہ السلام) حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے سب سے بڑے بیٹے ہیں جن کا لقب ذبیح اللہ ہے ان کے بعد حضرت ابراہیم کے گھر اٹھارہ سال بعد حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔ حضرت اسحاق (علیہ السلام) کے گھر حضرت یعقوب (علیہ السلام) پیدا ہوئے جن کو اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد ان کو بارہ بیٹوں کی دولت سے مالا مال فرمایا گیا جن کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ اس قدر عزم و ہمت اور حق و صداقت کا پیکر تھے جنہوں نے دین اسلام کی سربلندی کے

لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔ان کے صبر و استقلال کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے لگاتار تین روز تک ایک ہی خواب دیکھا کہ وہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ جب ان کو اس بات کا یقین کامل ہو گیا کہ خواب نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے حکم ہے تو انہوں نے نہایت ضبط وتحمل کے ساتھ اس بات کا ذکر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) سے کر دیا۔ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے عرض کیا ابا جان! آپ وہ کیجیے جس کے کرنے کا آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے۔آپ مجھے انتہائی صابر پائیں گے۔اس طرح انہوں نے اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو منیٰ کی طرف لے کر چلے۔شیطان نے بہکانے کی کوششیں کیں مگر حضرت اسماعیل (علیہ السلام) نے ہر مرتبہ شیطان کے جال میں پھنسنے کے بجائے اس پر کنکر برسائے اور لعنت بھیجی۔ادھر جب حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی جگہ ایک مینڈھا بھیج کر فرمایا کہ اے ابراہیم ہم آپ کے بیٹے کو ذبح کرانا نہیں چاہتے تھے آپ کے عزم و ہمت کا امتحان لینا چاہتے تھے جس میں آپ کامیاب ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کی قربانی کو قبول کرتے ہوئے اس کو ایک یادگار بنا دیا اور اب قیامت تک ہر صاحب نصاب مسلمان پر دس ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ کی عصر تک ایک جانور ذبح کرنے کی سنت کو جاری فرمایا تا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی یہ قربانی کا جذبہ قیامت تک یاد رکھا جا سکے۔

حضرت اسماعیل جن کی اولاد میں سے آخری نبی اور آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔قرآن کریم میں حضرت اسماعیل کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ (۱) حضرت اسماعیل بہترین

اخلاق کے مالک تھے (۲) وہ جس سے جو وعدہ کر لیتے اس کو ہمیشہ پورا کیا کرتے تھے (۳) ایسے عزم و ہمت کے پیکر تھے کہ اپنے والد حضرت ابراہیم کے کہنے سے اللہ کے حکم پر ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ (۴) آپ ہمیشہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوۃ ادا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے (۵) آپ اللہ کے پسندیدہ نبی تھے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت اسماعیل کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ادریس (علیہ السلام) کا تذکرہ فرمایا گیا ہے ارشاد ہے کہ وہ ایک نیک اور سچے انسان تھے اور اللہ کی طرف سے نبوت کے منصب پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخصوص علوم اور فنون میں ایک خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ ان کا دنیا میں بھی رتبہ بلند ہے اور آخرت میں بھی ان کی ایک خاص شان ہوگی۔ کہتے ہیں کہ حضرت ادریس (علیہ السلام)، حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیانی زمانہ میں تشریف لائے اور گمراہ انسانوں کو راہ ہدایت دکھانے میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ قرآن کریم میں حضرت ادریس (علیہ السلام) کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک تو زیر مطالعہ آیات میں اور دوسری مرتبہ سورہ انبیاء میں۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں علم و حکمت، علم حساب، علم کتابت یعنی قلم سے لکھنا، کپڑوں کو سینا، ماپ تول کے پیمانے اور بعض اسلحہ بنانے کے طریقے حضرت ادریس (علیہ السلام) نے سکھائے ہیں۔

بہر حال یہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام وہ تھے جو اپنی تمام تر عظمت اور شان کے اللہ کی عبادت و بندگی اور اللہ کے بندوں کی ہدایت کیلئے دن رات کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین اسلام کی خدمت کرنے اور عبادت و بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ جب ان کو اللہ کے سامنے جھک جانے کا حکم ہوتا تو وہ پورے ادب و احترام سے سجدے میں گر پڑتے تھے۔ سورہ مریم کی اس آیت پر پہنچنے کے

بعد ہر سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ اگر اس وقت سجدہ نہ کر سکے تو جلد از جلد اس سجدے کو ادا کرے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ کہے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔" [1]

جب یہ منافقوں کی صفات ہیں تو ان سے متضاد صفات مومنوں کی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول سیدنا اسماعیل (علیہ السلام) کی تعریف کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی صادق الوعد تھے، آپ جس کسی سے جو وعدہ بھی فرماتے تو اسے پورا فرماتے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے داماد سیدہ زینبؓ کے شوہر ابو العاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "اس نے مجھ سے بات کی اور سچی بات کی اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور اسے پورا کر دکھایا۔" [2]

وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا : یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا اسماعیل (علیہ السلام) نبی اور رسول بھی تھے جیسا کہ سیدنا واثلہ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اولاد ابراہیم میں سے اللہ تعالیٰ نے اسماعیل (علیہ السلام) کو (نبوت و رسالت کے لیے) پسند فرمایا اور اولاد اسماعیل میں سے بنو کنانہ کو چنا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب کیا اور قریش میں سے بنو

۱۔[بخاری، کتاب ال ایمان، باب علامات المنافق: ۳۳]

۲۔[بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ماذکر من درع النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔۔ الخ: ۳۱۱۰۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل فاطمۃ (رض): ۲٤٤۹/۹۵]

ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے چنا۔"[1]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اس مرد پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جو رات تہجد پڑھنے کے لیے اپنے بستر سے اٹھتا ہے اور پھر اپنی بیوی کو بھی اٹھاتا ہے، اگر وہ نہیں اٹھتی تو وہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے (اور اسے نیند سے بیدار کرتا ہے) اور اس عورت پر بھی اللہ کی رحمت ہو جو رات کو تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتی ہے اور پھر اپنے میاں کو بھی جگاتی ہے اور اگر وہ نہ جاگے تو وہ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے۔"[2]

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ
عَدۡنِ ۣالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ
مَاۡتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ
فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا

۱۔[ترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، باب ماجاء فی فضل النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم): ۳۶۰۵]

۲۔[أبوداؤد، کتاب التطوع، باب قیام اللیل: ۱۳۰۸۔ نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار، باب الترغیب فی قیام اللیل: ۱۶۱۱]

مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

پھران کے بعد ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ پس عنقریب وہ گمراہی (کے انجام) سے دوچار ہونگے۔ (۵۹) مگر جن لوگوں نے توبہ کر لی، اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (۶۰) (ان کے لیے) ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جس کا اللہ نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ (نیک لوگوں کے سامنے) آنے والا ہے۔ (۶۱) وہ اس میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے اور وہاں ان کو صبح و شام ان کا رزق ملتا رہے گا۔ (۶۲) یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والا ہوگا۔ (۶۳)

انبیا علیہم السلام حدود خداوندی کے محافظ اور نیک اعمال کے نمونے تھے۔ ان کے تذکرے کے بعد بداعمالوں کا ذکر ہے کہ ان انبیاء کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز جیسے فریضے کو بھی ضائع کر دیا اور ناجائز نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ سو بہت جلد قیامت کے دن، ایسے لوگ سخت خسارے میں رہیں گے یہاں نماز ضائع کرنے سے مراد یا تو اسے بالکل ترک کر دینا ہے یا نماز ترک کرنے سے مراد نماز کے وقتوں کی صحیح طور پر پابندی نہ کرنا ہے کیونکہ نماز کا انکار تو کفر ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ " غَيًّا " جہنم میں ایک کنواں یا ایک وادی ہے، یعنی قیامت کے دن ایسے لوگ جہنم کے اسی کنویں یا وادی میں ڈال دیے جائیں گے۔

فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ: نمازوں کو ضائع کرنے سے مراد نمازوں کا ترک کرنا اور ان کے اوقات اور ارکان سے غفلت برتنا ہے، ارشاد فرمایا: (فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ○ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ)[الماعون: ٤، ٥] "پس ان نمازیوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ وہ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: " آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز کا ہے۔"[1]

سیدنا بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: " وہ عہد جو ہمارے اور کافروں کے درمیان ہے، وہ نماز ہے، تو جس نے نماز کو چھوڑ دیا بیشک اس نے کفر کیا۔"[2]

سیدنا ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: " تم اس وقت کیا کرو گے جب تمہارے اوپر ایسے امیر مقرر ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے لیٹ کریں گے۔" یا فرمایا: " نماز کو اس کے وقت سے قضا کریں گے۔" میں نے عرض کی کہ آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: " تم اپنے وقت پر ادا کر لینا، پھر ان کے ساتھ بھی اتفاق ہو تو پڑھ لینا کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔"[3]

۱۔[مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوۃ: ۸۲]

۲۔[ترمذی، کتاب الإیمان، باب ماجاء فی ترک الصلوۃ: ۲٦۲۱]

۳۔[مسلم، کتاب المساجد، باب کراھۃ تاخیر الصلوۃ عن وقتھا المختار۔۔۔ الخ: ٦٤٨]

البتہ جن لوگوں نے توبہ کرلی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے۔ تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ دائمی باغ ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہ لوگ وہاں ضرور پہنچائے جائیں گے اور وہ اسے ضرور پائیں گے جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ وہ لوگ ان باغوں میں سلام کے سوا کوئی فضول اور خراب بات نہیں سنیں گے وہاں ان کو کشادگی کے ساتھ صبح وشام ہر طرح کا کھانا ملا کرے گا۔ جن جنتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو ان کا وارث بنائیں گے جو متقی اور پرہیزگار ہوں گے۔ [۱]

سیدنا ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور نورانی ہونگے، وہ نہ اس میں تھوکیں گے، نہ انھیں ناک سے کوئی آلائش آئے گی اور نہ وہ پیشاب و پاخانہ کریں گے، ان کے برتن سونے کے ہونگے، ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن عود کا ہوگا اور ان کے پسینے میں سے مشک کی خوشبو پھوٹے گی۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی، جن کا حسن کی وجہ سے پنڈلیوں کا گودا گوشت کے نیچے سے نظر آئے گا۔ جنتیوں کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ بغض وعناد، ان کے دل ایک دل کی مانند ہوں گے اور وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح پڑھا کریں گے"۔ [۲]

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "شہید لوگ اس

۱۔ (تفسیر ابن کثیر 127، 130 /3، تفسیر مظہری 104، 107 /6)

۲۔ [بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وأنھا مخلوقۃ: ۳۲٤٥۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب فی صفات الجنۃ واٗھلھا: ۲۸۳٤/۱۷

]

وقت ایک نہر کے کنارے جنت کے دروازے کے پاس سبز رنگ کے قبوں (خیموں) میں ہیں۔ انھیں صبح وشام ان کی روزی جنت میں سے پہنچائی جاتی ہے۔"[۱]

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ﴾

اور ہم (فرشتے) نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کے لیے ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ (۶۴) (وہ) رب ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو، کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو۔ (۶۵)

شانِ نزول: (آیت) "وما نتنزل الا بامر ربک"۔ (الخ)

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے

۱۔ [مسند أحمد: ۱/۲۶٦، ح: ۲۳۹٤۔ ابن حبان: ٤٦٥٨۔ مستدرک حاکم: ۲/۷٤، ح: ۲٤۰۳]

حضرت جبرائیل امین سے درخواست کی کہ آپ ہماری ملاقات کے لیے جلدی جلدی کیوں نہیں آتے ذرا جلدی جلدی آیا کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم سوائے آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے، اور ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ جبرائیل امین (علیہ السلام) چالیس دن تک تشریف نہیں لائے بقیہ روایت حسب سابق ہے اور ابن مردویہؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جبرائیل امین سے دریافت کیا کہ کون سا قطعہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ عزیز ہے اور کونسا اس کی نظر میں زیادہ مرغوب ہے جبرائیل امین (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیے بغیر میں کچھ نہیں جانتا چنانچہ جبرائیل دوبارہ تشریف لائے مگر دیر سے آئے اس پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آنے میں دیر کی جس کی وجہ سے مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھ سے کچھ ناراضگی ہے اس پر جبرائیل امین (علیہ السلام) نے فرمایا ہم سوائے آپ کے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے۔ اور ابن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ قریش نے جب رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اصحاب کہف کے بارے میں پوچھا تو پندرہ راتوں تک اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں کوئی وحی نہیں بھیجی، جب جبرائیل امین (علیہ السلام) آئے تو آپ نے ان سے فرمایا دیر سے آئے، اس پر انہوں نے یہ فرمایا۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو؟ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کیا تم اس کے کسی بیٹے کو جانتے ہو؟ یا اس کی کسی نظیر یا اس کے کسی مثیل کو جانتے ہو، حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام رحمٰن ہو، بعض مفسرین نے کہا کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام اللہ ہو، مشرکین اپنے بتوں کو الہ تو کہتے تھے لیکن انہوں نے

اپنے کسی معبود یا کسی بت کا نام کبھی اللہ نہیں رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کسی کو کبھی اللہ نہیں کہا گیا۔

﴿ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا
يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾
فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ
جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى
الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا
صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ ﴾

اور (کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ (٦٦) اور کیا یہ انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے بھی پیدا کیا تھا جب کہ وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ (٦٧) سو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے رب کی قسم! ہم انھیں اور ان کے ساتھ شیطانوں کو بھی، پھر ان کو جہنم کے گرد اس طرح حاضر کریں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہونگے۔ (٦٨) پھر ہم ہر ایک

گروہ میں سے اس شخص کو جدا کرلیں گے جو رحمٰن سے سخت اکڑ رکھتا تھا۔(۶۹)
پھر یقیناً ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں
(۷۰)۔

قیامت کے دن کفار کے انجام کی کیفیت

انسان سے مراد وہ کافر ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جانے کی تصدیق نہیں کرتا، بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد معین کافر ہے۔ پھر بعض نے کہا وہ ابوجہل ہے اور بعض نے کہا وہ ابی بن خلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے یہ یاد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عدم سے وجود میں لایا تھا اور کسی چیز کو دوبارہ بنانا پہلی بار بنانے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ (مشرک) عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا اور اسے ریزہ ریزہ کرنے لگا اور پھر کہنے لگا، اے محمد! کیا اللہ تعالیٰ اس ہڈی کے فنا ہونے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرے گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ہاں! اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا (اور سن! وہ اللہ) تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا اور پھر تمہیں جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔" [۱]

پھر ان تمام جماعتوں میں سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو الگ کرے گا جو دنیا میں زیادہ سرکش اور متکبر تھے۔ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے تھے اور احکام الٰہی کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے

۱۔[مستدرک حاکم:۲/۴۲۹، ح:۳۶۰۶]

ہیں کہ ہم زیادہ جانتے ہیں کہ وہ جہنم میں جلائے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ پہلے انھیں جہنم میں ڈالا جائے گا، پھر دوسرے جہنمی ڈالے جائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ) [الاعراف: ۳۸، ۳۹] ”یہاں تک کہ جس وقت سب ایک دوسرے سے آ ملیں گے تو ان کی پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کے متعلق کہے گی اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا، تو انھیں آگ کا دگنا عذاب دے۔ فرمائے گا سبھی کے لیے دگنا ہے اور لیکن تم نہیں جانتے۔ اور ان کی پہلی جماعت اپنی پچھلی جماعت سے کہے گی پھر تمھاری ہم پر کوئی برتری تو نہ ہوئی، تو عذاب چکھو اس کے بدلے جو تم کمایا کرتے تھے۔“

سیدنا جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کرے (جس کا نمونہ قرآن و حدیث میں موجود ہو) تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان لوگوں کے اجر کے برابر بھی اس کے لیے اجر ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو اسلام میں برا طریقہ جاری کرے (مثلاً بدعت یا گناہ کا کام) تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور ان لوگوں کے بوجھ کے برابر بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس برے طریقے کو جاری رکھیں گے اور ان کے بوجھوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔“[1]

۱۔ [مسلم، کتاب الزکوۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق ۔۔۔ الخ: ۱۰۱۷]

مجاہدؒ اور قتادہؒ نے کہا وہ حشر کی ہولنا کیوں اور شدت خوف کی وجہ سے سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے اور گھٹنوں کے بل پڑے ہونگے۔

قرآن مجید میں ہے: ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً (الانعام:159) بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہ درگروہ بن گئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ سب کافروں کو جہنم کے گرد جمع فرمائے گا پھر ان میں سے جو لوگ اپنے کفر میں زیادہ سرکش تھے ان کو دوسروں سے متمیز کر کے الگ کھڑا کر دے گا تاکہ ان کو ان کے تابعین اور مقلدین سے زیادہ عذاب دیا جائے، کیونکہ جو شخص لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر ان کو باطل پر اکساتا ہے اس کا عذاب ان لوگوں سے زیادہ ہوگا جو غفلت کی وجہ سے اس کی پیروی کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

(النحل:88) جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کے عاب پر مزید عذاب کو زیادہ کریں گے کیونکہ وہ فساد پھیلاتے تھے۔

اس لیے فرمایا کہ گمراہ لوگوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف زیادہ سرکشی کرتے تھے ہم ان کو دوسروں سے الگ اور ممتاز کر لیں گے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا عذاب دوسروں سے زیادہ ہوگا۔ پھر متبوع اور تابع ہر ایک کے متعلق فرمایا: پھر بیشک ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ یعنی جو دوزخ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں، اس آیت میں 'دصلیا" کا لفظ ہے اور 'دصلیا" کا معنی ہے گزرنا جوہری نے کہا جب کسی شخص کو دوزخ میں پھینک کر اس میں داخل کیا جائے تو اس وقت یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

اور تم میں سے کوئی شخص نہیں مگر اسے اس (دوزخ) پر سے گزرنا ہوگا، یہ تمہارے رب پر لازم اور مقرر (طے شدہ) ہے۔(۷۱) پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دے دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔(۷۲)

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۔۔: لغت کے اعتبار سے "وارد ہونے" کے معنی "داخل ہونا" اور "اوپر سے گزرنا" دونوں ہو سکتے ہیں، اس لیے ترجمہ "وارد ہونے والا" ہی کر دیا ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں "وارد ہونے" سے مراد جسر (پل) سے گزرنا ہے، جسے بعض احادیث میں "صراط" بھی کہا گیا ہے۔ عام لوگوں نے فارسی اور عربی کو جمع کر کے اس کا نام "پل صراط" رکھ لیا ہے۔ یہ پل چونکہ جہنم کے اوپر رکھا جائے گا، اس لیے یہ جہنم پر سے گزرنا ہی ہے۔ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ہر نیک و بد اور ہر کافر و مومن کو اس پل پر سے گزرنا پڑے گا۔ جن مفسرین نے اس کے معنی "داخل ہونا" کیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حدیث کے مطابق "تَحِلَّةَ الْقَسَمِ" یعنی قسم پوری کرنے کے لیے ہر مومن و کافر ایک مرتبہ جہنم میں داخل ہوگا، مگر مومنوں پر وہ آگ ٹھنڈی اور باعث رحمت بنا دی جائے گی۔ مگر پہلا معنی راجح ہے، اگر کسی حدیث میں لفظ "دخول" (داخل ہونا) آیا ہے تو صراط والی حدیث کے مطابق اس سے مراد بھی گزرنا ہے۔ اس معنی سے کتاب و سنت کے دلائل کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ آیت: (وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا) کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "سب لوگ دوزخ پر پہنچیں گے اور پھر اپنے اپنے اعمال کے

لحاظ سے واپس ہونگے۔ پہلا گروہ تو بجلی کی چمک کی طرح گزر جائے گا، دوسرا ہوا کی طرح، تیسرا گھڑ سوار کی طرح، چوتھا اونٹ کی طرح، پانچواں دوڑنے والے شخص کی طرح اور چھٹا یوں جیسے آدمی پیدل چلتا ہو۔"[۱]

سیدنا زید بن حارثہؓ کی بیوی ام مبشر بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حفصہؓ کے گھر میں تھے کہ آپ نے فرمایا: "جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس نے بدر یا حدیبیہ میں شرکت کی ہو۔" حفصہؓ نے عرض کی، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: (وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا) "اور تم میں سے جو بھی ہے اس پر وارد ہونے والا ہے۔" رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: (ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا) "پھر ہم ان لوگوں کو بچا لیں گے جو ڈر گئے۔"[۲]

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے ساتھ ہو جائے۔ لہٰذا کوئی سورج کے ساتھ ہو جائے گا، کوئی چاند کے ساتھ ہو جائے گا اور کوئی شیطانوں اور بویں کے ساتھ۔ پھر صرف اس امت کے لوگ رہ جائیں گے اور ان میں منافق بھی شامل ہونگے۔ پھر اللہ تعالیٰ (ایک نئی صورت میں) ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا، میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے، ہم یہیں رہیں گے جب تک ہمارا مالک نہ آجائے، جب ہمارا مالک آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ (دوسری صورت میں) ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا، میں تمہارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے (بے شک) تو ہمارا رب ہے۔ پھر (اللہ تعالیٰ) ان کو بلائے گا، پھر پل صراط دوزخ کے درمیان رکھا

۱۔[ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورہ مریم:۳۱۵۹، ۳۱۶۰۔ مستدرک حاکم:۳۷۵/۲، ح:۳۴۲۱]

۲۔[مسند أحمد:۳۶۲/۶، ح:۲۷۸۰۷۔ ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر البعث:۴۲۸۱]

جائے گا اور سب رسولوں سے پہلے میں اپنی امت کو لے کر پار ہو جاؤں گا۔اس دن سوائے رسولوں کے کوئی بات نہ کر سکے گا اور رسول یہ کہہ رہے ہوں گے "اے اللہ! (مجھے) سلامت رکھ، (مجھے) سلامت رکھ!" دوزخ میں سعدان کے کانٹوں کی شکل کے آنکڑے ہونگے۔کیا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے؟" صحابہ نے عرض کی، جی ہاں! دیکھا ہے۔آپ نے فرمایا: "بس وہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی شکل کے ہونگے، لیکن ان کے طول وعرض کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے موافق اچک لیں گے۔کوئی اپنے (برے) عمل کی وجہ سے بالکل ہلاک ہو جائے گا اور کوئی دوزخ میں گر تو جائے گا مگر پھر بچ جائے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے بعض پر رحم کرنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا (دوزخ کی طرف جاؤ اور) جو اللہ کی عبادت کرتا تھا اس کو نکال لاؤ۔ چنانچہ فرشتے موحد لوگوں کو نکال لیں گے۔وہ سجدے کے نشان سے ان کو پہچان لیں گے، کیونکہ اللہ نے سجدے کے نشانات کو مٹانا دوزخ پر حرام کر دیا ہے، الغرض یہ لوگ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔آگ آدمی کا سارا بدن جلا دے گی، سوائے سجدے کے نشان کے (کہ وہ باقی رہ جائے گا)، یہ لوگ کوئلے کی طرح جلے ہوئے دوزخ سے نکلیں گے اور پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا تو اس طرح نشوونما پائیں گے جیسے دانہ سیلاب کے کوڑے کرکٹ پر سیلاب کے تھمنے کے بعد اگ آتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا، لیکن ایک شخص جنت اور دوزخ کے درمیان اب بھی باقی رہ جائے گا، یہ جنت میں داخل ہونے والا آخری دوزخی شخص ہوگا۔"[١]

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

١۔[بخاری، کتاب الأذان، باب فضل السجود:٨٠٦]

لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾
وَکَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنْ قَرْنٍ ھُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا ﴿۷۴﴾ قُلْ
مَنْ کَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا
مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ
ھُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اھْتَدَوْا
ھُدًی ؕ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ
مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾

اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں
وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام (مرتبہ)
بہتر اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے۔(۷۳) حالانکہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی
قومیں ہلاک کر دیں جو ان سے ساز و سامان اور شان و شوکت میں کہیں بڑھ کر تھیں
۔(۷۴) (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجئے جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے،
اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دیے جاتا ہے یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں

گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب، خواہ قیامت تو عنقریب جان لیں گے
کہ مکان کس کا برا ہے اور لشکر کس کا کمزور ہے۔(۷۵) اور جن لوگوں نے ہدایت
حاصل کی اللہ ان کی ہدایت کو اور بڑھا دے گا اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے
رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر
ہیں۔(۷۶)

جب قریش مکہ کے مشرکین پر قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں اعجاز کی کیفیت نمایاں ہے جن کے معانی واضح ہیں تو مغرور سرمایہ دار کفاران ایمانداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں جو مالی لحاظ سے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر رہے ہیں دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ (ہم یا تم) اعلیٰ انداز کی رہائش رکھتا ہے اور سکون کی زندگی بسر کر رہا ہے بلکہ اجتماعی لحاظ سے معاشرہ میں کس کو اعزاز واکرام حاصل ہے؟ علامہ بیضاوی نے وضاحت کی ہے کہ مشرکین نے جب واضح آیات مبارکہ کو سنا تو ان کا مقابلہ کرنے سے خود کو عاجز قرار دیا تو پھر انھوں نے ایک دوسرا رخ اختیار کیا کہ انھوں نے دنیوی جاہ وجلال اور مال ودولت پر فخر کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فخر ومباہات کا رد کرتے ہوئے واضح کیا تعجب ہے! کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ان سے پہلے کثیر تعداد میں ہم نے ایسے لوگوں کو تباہ وبرباد کر ڈالا جو مال و دولت کے لحاظ سے ان سے بڑھے ہوئے تھے اور بظاہر ان کی کیفیت اپنے اندر زبردست کشش سے بھرپور تھی اسی طرح ان کو بھی جو ان کے نقش قدم پر رواں دواں ہیں اور کبر وغرور نے انھیں انسانیت کے دائرہ سے نکال دیا ہے، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان مشرکین کو آگاہ

کریں جو خود کو حق وصداقت پر رواں دواں سمجھتے ہیں کہ تم میں سے یا ہم میں سے جو شخص گمراہی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دے گا کہ وہ سرکشی اور غرور میں مزید بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حتیٰ اذا راوا ما یوعدون: یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق عذاب یا قیامت کے وقوع کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے تو اس وقت انھیں معلوم ہو جائے گا جب حقائق نکھر کر سامنے آجائیں گے کہ اللہ کے نزدیک کون مقام ومرتبہ کے لحاظ سے مبغوض ہے اور کس کے مددگار کم ہیں کفار کے یا مسلمانوں کے، اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ایمان اور ان کی بصیرت بلکہ ان کے اعزاز میں زبردست اضافہ فرمائے گا جو ہدایت یافتہ ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ اعمال صالحہ کا اجر وثواب اخروی زندگی میں جو جمع ہو رہا ہے وہ نمایاں ہو کر سامنے آجائے گا، اس وقت یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجائے گی کہ اجر وثواب کے لحاظ سے اخروی زندگی میں جو اعزاز واکرام انھیں حاصل ہوگا وہ دنیوی زندگی میں جاہ پرست لوگوں کو جس قدر حاصل ہوتا ہے اس کی اس کے مقابلہ میں ہرگز کچھ حیثیت نہیں ہے، ظاہر ہے کہ دنیوی زندگی کے انعامات تو دائمی نہیں ہیں انھوں نے تو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہے جب کہ اخروی زندگی میں حاصل ہونے والے انعامات اور عمدہ قسم کے لذیذ کھانے اور مختلف قسم کے مشروبات دائمی ہوں گے وہ کبھی ختم نہ ہوں گے۔

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "قیامت کے دن اہل دوزخ میں سے اس شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ آسودہ اور خوشحال تھا، پس اسے دوزخ میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے دنیا میں

کبھی آرام دیکھا تھا؟ کیا تجھ پر کبھی چین کا کوئی لمحہ بھی گزرا تھا؟ وہ کہے گا کہ اللہ کی قسم! اے میرے رب! کبھی نہیں۔" (۱)

انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کسی مومن پر کسی ایک نیکی کے سلسلہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا۔ وہ اسے اس کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا، تاہم کافر کو اس کے ان اعمال کا بدلہ جو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیے ہونگے، دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، لہٰذا جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔" (۲)

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ: سیدنا عثمانؓ کے غلام حارث بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمانؓ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ موذن آیا، تو آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، جو تقریباً ایک مد (یعنی تین پاؤ) ہوگا۔ آپ نے وضو کیا اور کہا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسی طرح وضو کیا، پھر فرمایا: "جو میرے اس وضو جیسا وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو اس کے صبح سے لے کر ظہر تک کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر اس نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اس کے ظہر سے عصر تک کے گناہ معاف، پھر مغرب کی نماز پڑھی تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف، پھر عشاء کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف، پھر رات کو وہ سویا رہا اور صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشاء سے فجر تک کے گناہ معاف۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔" لوگوں نے پوچھا، یہ تو ہوئیں نیکیاں، اب اے عثمان! آپ بتلائیے باقیات صالحات کیا ہیں؟ تو عثمانؓ نے فرمایا، وہ یہ ہیں: (لَآ اِلٰهَ

۱۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب صبغ أنعم أہل الدنیا فی النار۔۔ الخ: ۲۸۰۷]

۲۔ [مسلم، کتاب صفات المنافقین باب جزاء المؤمن بحسناتہ فی الدنیا والآخرۃ۔۔ الخ: ۲۸۰۸]

إِلاَّ اللهُ، وَ سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَلاَ حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلاَّ بِاللهِ)۔ [1]

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، لیکن تین چیزیں باقی رہتی ہیں، ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہو اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔“ [2]

﴿ اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝٧٧ اَطَّلَعَ الۡغَيۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ۝٧٨ كَلَّا ؕ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ۝٧٩ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ۝٨٠ ﴾

(اے پیغمبر، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہتا ہے کہ ضرور مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد ملے گی۔ (۷۷) کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے یا رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟۔ (۷۸) ہرگز نہیں ہم لکھ لیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور اس کے عذاب میں اضافہ کرتے چلی جائیں گئے۔ (۷۹) اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہوں گے اور وہ اکیلا ہمارے

۱۔ [مسند أحمد:۱/۷۱، ح:۵۱۵]

۲۔ [مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الی الإنسان من الثواب بعد وفاتہ:۱۶۳۱]

سامنے آئے گا ۔(۸۰)

شان نزول: (آیت) ”۔افرء یت الذی کفر بایتنا“ ۔(الخ)

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت خباب بن ارت سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں عاص بن بن وائل سہمی کے پاس اپنے قرض کی واپسی کے لیے آیا تو عاص کہنے لگا کہ جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفر نہ کرے گا تیرے قرض نہ ادا کروں گا، حضرت خباب نے فرمایا کہ اگر تو مر کر پھر زندہ ہوجائے گا تب بھی کفر نہ کروں گا اس پر عاص نے کہا کہ میں مروں گا پھر زندہ ہوں گا، حضرت خباب ؓ نے فرمایا ہاں عاص کہنے لگا تو میرے پاس جب ہی آنا میرے پاس اس وقت بھی مال واولاد سب کچھ ہوگا، تیرا قرض ادا کروں گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی کیا بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیات کے ساتھ کفر کرتا ہے۔

ان آیات میں فرمایا ہے کیا وہ غیب پر مطلع ہے حضرت ابن عباس ؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کیا اس نے لوح محفوظ میں پڑھ لیا ہے؟ مجاہد نے کہا کیا اس کو غیب کا علم ہوگیا ہے حتیٰ کہ اس نے جان لیا کہ وہ جنت میں ہوگا یا نہیں۔

پھر فرمایا: یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لیا ہوا ہے؟ قتادہؒ اور ثوریؒ نے اس کی تفسیر میں کہا اس نے کوئی عمل صالح کیا ہے یا وہ توحید پر ایمان لا چکا ہے، یا اس نے اللہ سے وعدہ لے رکھا ہے، کلبی نے کہا کیا اللہ نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کردے گا! اس کے بعد فرمایا، کلا! ہرگز نہیں! یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں ہے، وہ غیب پر مطلع ہے نہ اللہ نے اس سے کوئی وعدہ کیا ہے۔

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝٨١ كَلَّا ؕ
سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝٨٢ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ
اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝٨٣ فَلَا تَعْجَلْ
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝٨٤ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى
الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝٨٥ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝٨٦ لَا
يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝٨٧ ﴾

اور انھوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ تا کہ ان کے
لیے باعثِ عزت ہوں۔(۸۱) وہ عنقریب ان کی بندگی سے انکار کریں گے اور ان
کے مخالف ہوجائیں گے۔(۸۲) (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ نے نہیں دیکھا
کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے وہ انہیں برابر اکساتے رہتے ہیں؟
۔(۸۳) پس آپ کافروں کے لیے عذاب میں جلدی نہ کیجیے ہم تو ان کی گنتی (کے
دن) شمار کر رہے ہیں۔(۸۴) جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے سامنے
(بطور) مہمان جمع کریں گے۔(۸۵) اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانک

لے جائیں گے۔(۸۶)(اس دن)لوگوں کو کسی کی شفاعت کا اختیار نہیں ہو گا مگر ہاں جس نے رحمٰن کے پاس سے اجازت لی ہو۔(۸۷)

اور مشرکین نے اللہ کے علاوہ بتوں کو معبود بنا رکھا ہے تا کہ ان کے ذریعہ عزت اور شرف کو حاصل کر سکیں لیکن معاملہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے خیال کیا ہے اس لیے کہ جن خداؤں کو انھوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ ان کی عبادت سے برات کا اظہار کریں گے اور قیامت کے دن ان کے دشمن ہو جائیں گے، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر مسلط کر رکھا ہے جو انھیں ہانک رہے ہیں انھیں گمراہ کر رہے ہیں انھیں برانگیختہ کر رہے ہیں کہ وہ گناہوں کے مرتکب ہوں انھیں وسوسے ڈالتے ہیں اور گناہوں کے ارتکاب کے لیے ان کی شہوت میں ہیجان نمودار کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان کی ہلاکت کے بارے میں جلدی نہ کریں بس گنتی کے چند روز اور سانس باقی ہیں جن کو ہم شمار کر رہے ہیں، بعد ازاں انھیں سخت عذاب کی لپیٹ میں لے آئیں گے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان کی سانسوں کو گن رہے ہیں ایک قول یہ ہے ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آپ جلدی نہ کریں ہم ان کو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں۔ (۱)

عمرو بن قیس ملائی بیان کرتے ہیں کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو ایک حسین اور خوشبو دار صورت اس کا استقبال کرے گی اور مومن سے کہے گی کہ کیا تو مجھے پہچانتا ہے مومن کہے گا نہیں بیشک اللہ نے تجھے بہت

۱۔(الجامع لاحکام القرآن، امام قرطبی)

پاکیزہ خوشبودی اور تیری بہت حسین صورت بنائی تو وہ صورت کہے گی، تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصہ تک تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو جا پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا۔ [1]

اور کافر کا استقبال اس کا عمل بدصورت اور بدبودار حالت میں کرتا ہے اور کہتا ہے تو مجھے پہچانتا ہے وہ کہتا ہے نہیں مگر یہ کہ تجھے اللہ نے بہت بدصورت اور بہت بدبودار بنایا ہے، وہ کہے گا تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا، میں تیرا برا عمل ہوں، تو بہت عرصہ دنیا میں مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سواری کروں گا۔ [2]

مجرم لوگوں کو دوزخ کی جانب ہانک کر لے جائیں گے جیسا کہ چار پایوں کو ہانک کر لایا جاتا ہے جب انھیں پانی پلانا مقصود ہوتا ہے، گویا کہ وہ پیاسے اونٹ ہیں جنہیں پانی کی جانب ہانک کر لے جایا جاتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "لوگوں کا حشر تین فرقوں میں ہوگا، (ایک فرقے والے لوگ) رغبت کرنے والے، ڈرنے والے (یعنی متقی) ہونگے، (دوسرا فرقہ ایسے لوگوں کا ہوگا کہ) ایک اونٹ پر دو آدمی سوار ہونگے، کسی اونٹ پر تین ہونگے، کسی پر چار اور کسی پر دس آدمی سوار ہوں گے اور باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی (یہ تیسرا فرقہ ہوگا) جہاں وہ قیلولہ کریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہری ہوگی، جہاں وہ رات گزاریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہری ہوگی، جہاں وہ صبح کریں گے تو آگ بھی صبح کے وقت وہاں موجود ہوگی اور جہاں وہ شام کریں گے تو آگ بھی

۱۔(جامع البیان رقم الحدیث: 18039، تفسیر السمعانی ج ۳ ص 314)

۲۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۱ ص 73، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

شام کے وقت ان کے ساتھ موجود ہوگی۔“ [۱]

مومنین کا عہد

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عہد سے مراد ہے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا اور اللہ کے سوا گناہوں سے پھرنے اور نیکیوں کی طاقت سے اظہار برأت کرنا اور اللہ کے سوا کسی سے امید نہ رکھنا، ابن جریج نے کہا عہد سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ [۲]

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ہر صبح اور شام اللہ تعالیٰ سے عہد لے، پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کیسے ہے، آپ نے فرمایا: وہ ہر صبح اور شام کو یہ کہے اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے، غیب اور شہادت کو جاننے والے میں تیری طرف اس دنیا کی زندگی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں یہ شہادت دوں گا کہ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو واحد ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور بیشک محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو مجھے میرے نفس کی طرف نہ سونپ دینا، کیونکہ اگر تو نے مجھے میرے نفس کی طرف سونپ دیا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر سے قریب کر دے گا اور میں تیری رحمت کے سوا اور کسی چیز پر اعتماد نہیں کرتا، پس تو میرے لیے اپنے پاس عہد کر لے جس کو تو قیامت کے دن پورا کرے گا بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ پس جب وہ یہ کلمات پڑھ لے گا تو اللہ ان کلمات پر مہر لگا کر ان کو عرش کے نیچے رکھ دے گا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی یہ ندا

۱۔[بخاری، کتاب الرقاق، باب الحشر: ۶۵۲۲۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب بیان فناء الدنیا وبیان الحشر یوم القیامۃ: ۲۸۶۱]

۲۔(جامع البیان جز 16 ص 160، مطبوعہ دار الفکر بیروت 1415ھ)

کرے گا، کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ کے پاس عہد ہے پھر وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (١)

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿٨٩﴾
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ
الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ
اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي
الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ
اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ ﴾

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے۔ (٨٨) (اے کافرو!) یقیناً
تم نے سخت معیوب بات کہی ہے۔ (٨٩) قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور
زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں۔ (٩٠) اس بات پر کہ انہوں
نے رحمٰن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ (91) اور رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی

١۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ١١ ص 76، المعجم الکبیر رقم الحدیث: 8917، المستدرک رقم الحدیث: 3418)

کو بیٹا بنائے۔(۹۲) جو کوئی بھی آسمانوں یا زمین میں ہیں سب رحمن کے حضور بندے (غلام) ہو کر حاضر ہوں گے۔(۹۳) بیشک اس نے (اپنی قدرت سے) انہیں گھیر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) اور ان سب کو شمار کر رکھا ہے۔(۹۴) اور قیامت کے دن سب اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر کیے جائیں گے۔(۹۵)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا:

امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک شخص نے مسجد منیٰ میں مجھ سے بیان کیا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور زمین میں درختوں کو پیدا کیا تو بنو آدم جس درخت کے پاس بھی جاتے تھے تو اس سے کوئی فائدہ اٹھاتے تھے اور وہ اسی طرح زمین اور درختوں سے فائدے اٹھاتے رہے حتیٰ کہ بنو آدم میں سے بعض فاجروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے، اس کلمہ کو سن کر زمین کانپنے لگی اور درختوں میں کانٹے پیدا ہو گئے۔ کعب احبار نے کہا فرشتے غضب میں آ گئے اور جہنم بھڑکنے لگا۔ [1]

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا: ارشاد فرمایا: (○ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا)[بنی اسرائیل: ۴۰] "پھر کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ چن لیا اور خود فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لی ہیں؟ بیشک تم یقیناً ایک بہت بڑی بات کہہ رہے ہو۔" اور فرمایا: (اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى 19 ○ وَمَنٰوةَ

۱۔(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، 1419ھ)

الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى 20 اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى 21 تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى)[النجم:۱۹ تا۲۲] ”پھر کیا تم نے لات اورعزیٰ کو دیکھا۔اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کو۔کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اوراس کے لیےلڑکیاں؟ یہ تواس وقت ناانصافی کی تقسیم ہے۔“

سیدنا ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:” اللہ تعالیٰ سے زیادہ تکلیف دہ بات کوسن کرصبر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔مشرک کہتے ہیں اللہ اولا د رکھتا ہےاوراللہ تعالیٰ ان باتوں کے باوجودان کوشفا عطافرماتا ہےاورروزی سےنوازتا ہے۔“ [1]

(اد) کی اصل”اُدد“ ہے۔”الاد:الداهيه والامرالفظیع “وہ امرجس کی برائی حد سے گزرچکی ہویعنی بہت ہی بری بات کہ اس سے بری ممکن ہی نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کی اولا دقرار دینا اتنی بری بات ہے کہ اس سے زیادہ کوئی بری بات اوردین اسلام میں نہیں ہوسکتی۔(جاء یجیئ) کے وہی معنی ہیں جو(اتی) کے ہیں لیکن (جاء) میں قصد پایا جاتا ہےاوراس جگہ (جئتم) بولا گیا ہےیعنی جس بات کاتم نے قصد کیا ہے وہ بہت ہی بری بات اتنی بری کی اس سےزیادہ بری بات اورکوئی نہیں ہوسکتی،گویا یہ کہا جارہا ہے کہ جس بات کاتم نے قصد کیا ہےاوراس کےنتیجہ میں یہ عقیدہ ابنیت دنیا میں پھیلا دیا ہےاورظاہر ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا عقیدہ ابنیت عیسیٰ (علیہ السلام) ہی کا ہے باقی عقائد اس قدرنہیں پھیل سکے نہ یہود کا عقیدہ اورنہ مشرکین کا عقیدہ اس قدر پھیلا ہے ہاں !اب دوسرے نمبر پراس طرح کا کوئی عقیدہ ہےتو وہ اولیاءاللہ ہی کا ہوسکتا ہے کہ اللہ کے دوستوں اورولیوں سے وہ کام نکالا جائے جوعیسائیوں نے مسیح (علیہ السلام) سے نکالا ہے کہ قوم کی بخشش ونجات کے لیےان کوسولی پرلٹکا دیا گیااوراب جوشخص بھی یہ مان

۱۔[بخاری،کتاب الأدب،باب الصبر فی الأذی:۶۰۹۹۔مسلم،کتاب صفات المنافقین،باب فی الکفار:۲۸۰۴]

لے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو صلیب دی گئی اور ہمارے گناہوں کے عوض میں دی گئی اس نے گویا نجات حاصل کرلی، اور (اد) کا لفظ ایک ہی بار قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔

یہ سورت کی اختتامی آیات ہیں اس لیے بیان کا رخ پھر اسی گمراہی کی تردید کی طرف ہے جس میں نصاریٰ مبتلا تھے۔ان کا یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں ایک ایسی گمراہی تھی جس نے ان کو توحید کی راہ سے ہٹا کر شرک کے گڑھے میں دھکیل دیا تھا اور انجیل میں تحریف کی بنا پر اس نے ایک پختہ عقیدہ کی شکل اختیار کی تھی۔مثال کے طور پر مرقس کی انجیل کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے:

یسوع مسیح ابن خدا کی خوشخبری کا شروع۔ ⁽¹⁾

اس میں بڑی جسارت کے ساتھ حضرت مسیح کو ابن خدا کہا گیا ہے حالانکہ یہ بات اس انجیل میں موجود نہیں تھی جو عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوئی تھی۔"" ابن خدا" کا اضافہ بعد کی چیز ہے اور اس بات کا اعتراف تو بائبل کا شارح کرتا ہے کہ انجیل کے بعض قدیم نسخوں میں،،ابن خدا،، کے الفاظ نہیں تھے۔

سوال یہ ہے کہ اگر موجودہ انجیلیں خدا کا کلام ہیں تو اس کے بعض قدیم نسخوں سے،،ابن خدا،، کے الفاظ غائب کیسے ہوئے؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اصل انجیل میں حضرت مسیح کو"ابن اللہ"کہا ہی نہیں کیا گیا تھا۔پھر مرقس کے انجیل کے تمہیدی فقرہ میں حضرت مسیح کا نسب خدا سے جوڑ دیا گیا ہے گویا خدا نے ان کو جنم دیا تھا (نعوذ باللہ من ذالک) لیکن لوقا کی انجیل میں ہے کہ جب حضرت مسیح نے بپتسمہ (ایک خاص قسم کا غسل) لیا اس وقت انہیں بیٹا ہونے کا اعزاز بخشا گیا۔

جب سب لوگوں نے بپتسمہ لیا اور یسوع بھی بپتسمہ پا کر دعا کر رہا تھا تو ایسا ہوا کہ آسمان کھل گیا اور روح

۱۔(انجیل مرقس ۱:۱)

القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی مانند اس پر نازل ہوا اور آسمان سے آواز آئی کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں۔ (۱)

لوقا کے اس بیان سے واضح ہے کہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا ہونے کا لقب عطا کیا گیا تھا بالفاظ دیگر وہ متبنّٰی تھے جبکہ مرقس کی انجیل ان کو حقیقی بیٹے کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ انجیلوں کی یہ تضاد بیانی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ،، ابنیّت ،، کی بات ایک گھڑی ہوئی بات ہے جو انجیل میں داخل کر کے خدا پر زبردست جھوٹ بولا گیا ہے اور سچی بات وہی ہے جو قرآن کہتا ہے کہ حضرت مسیح نہ حقیقی معنی میں خدا کے بیٹے تھے اور نہ مجازی معنی میں یعنی نہ خدا نے ان کو جنم دیا تھا اور نہ وہ متبنّٰی تھے بلکہ خدا کے عبد یعنی بندے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے کی ایک دلیل

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی اولاد یا بیٹا نہ ہونے کی ایک اور عجیب دلیل بیان فرمائی گئی ہے، وہ یہ کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور سب انسان حاضر ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ان انسانوں میں مختلف مقام و مرتبہ کے حامل لوگ ہونگے۔ ان میں انبیائے کرام بھی ہونگے، شہدائے عظام بھی، صدیقین بھی ہوں گے اور صالحین بھی۔ عباد و زہاد بھی ہوں اور فساق و فجار بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور سب ایک ہی حیثیت میں حاضر ہونگے، وہ حیثیت ہے ان کے بندہ ہونے کی۔ بندہ ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہونگے۔ البتہ اپنے کمالات میں فرق کی وجہ سے اجر و ثواب اور تقرب میں ضرور فرق سے نوازے جائیں گے۔ لیکن ان میں کوئی ایسا نہیں ہوگا جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ بلندی

۱۔(انجیل لوقا ۳:۲۱۔۲۲)

درجات کے باعث بندہ ہونے کی صفت سے نکل گیا ہے اور اب اس میں خدائی شان پیدا ہوگئی ہے۔
اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب خدائے رحمن کے حضور حاضر ہونے والے سب بندے ہوں گے تو پھر وہاں کوئی خدا کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ بیٹا تو بندہ اور غلام نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنے باپ کا جز اور سِرّ ہوتا ہے اور جبکہ قیامت میں ہر شخص بندگی کی تصویر بنے اس کے حضور حاضر ہوگا۔
حاضری کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو جب ایک ایک کا نام لے کر پکارا جائے اور ایک کی جگہ دوسر لبیک بھی نہ کہہ سکے تو کیسے ممکن ہے کہ غیر حاضر ہونے والے کا معلوم ہی نہ ہوسکے کہ کون کون آیا ہے اور کون نہیں۔
وہاں نہ تو کوئی قابو سے باہر ہوگا اور نہ گنتی سے رہ جائے گا اور ہر ایک کو باری باری یکہ وتنہا حاضر ہونا ہے نہ اس کے ساتھ اس کی اولاد ہوگی اور نہ کسی کے ساتھ اس کے والدین اور نہ دوست یار ہوں گے نہ اعوان وانصار اور نہ ہی شرکاء وشرفاء بلکہ نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور سب کی حاضری ایک ایک کر کے ہوگی اور ہر ایک اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا، بیٹے کو باپ کے عوض اور باپ کو بیٹے کے عوض ہرگز نہیں پوچھا جائے گا اور نہ ہی کوئی ایک دوسرے کو کفایت کرے گا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ وَ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ

تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا ﴿۹۸﴾

بیشکجو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے عمل صالح کیے' عنقریب رحمن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔(۹۶) پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں اس لیے آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری پہنچا دیں اور جھگڑالو لوگوں کو ڈر سنا دیں۔(۹۷) اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا آپ ان کی (کہیں) بھنک سنتے ہیں؟۔(۹۸)

شان نزول (آیت)"۔ان الذین وعملوا الصلحت"۔(الخ)

ابن جریرؒ نے عبدالرحمن بن عوف سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ مکرمہ سے اپنے ساتھیوں کی جدائی کی وجہ سے جن میں سے شیبہ، عتبہ، امیہ بن خلف تھے، افسوس ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا یعنی مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان مومن بندوں کی اپنے نیک بندوں کے دلوں میں محبت و مودت پیدا فرما دیتا ہے جو اعمال صالحہ بجالاتے ہیں، اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو شریعت محمدیہ کے مطابق انجام دیے جائیں۔ ایسے اعمال ہی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کئی احادیث مبارکہ میں ثابت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل (علیہ السلام) کو پکارتا ہے (اور ان سے کہتا ہے) اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو، پھر جبرائیل (علیہ السلام) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل (علیہ السلام) سارے آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص سے محبت ہے، سو تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ پھر سارے آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین کے لوگوں میں بھی وہ شخص مقبول ہو جاتا ہے۔“ (۱)

اگلی آیت کریمہ میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو آسان کر دیا ہے۔ اس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ شاید قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے کسی غور و تدبر کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کو یقیناً اللہ تعالیٰ نے آسان بنایا ہے۔ یعنی اس میں وہ پیچیدگیاں نہیں رکھیں جو عام طور پر ایسی کتاب میں ہو سکتی ہیں جس کا موضوع انسان ہو اور جو انسان کو ایک ضابطہ حیات مہیا کر رہی ہو اور انسان کی قانونی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اس کی نفسیاتی، معاملاتی، اخلاقی، تمدنی، تہذیبی، ناسوتی، لاہوتی اور اخروی غرضیکہ انسان کی ہر ضرورت کو زیر بحث لاتی، محاکمہ کرتی اور حرف آخر کہتی ہو۔ قرآن کریم نے ان میں سے ہر بات اس طرح کہی ہے کہ وہ انسانی فطرت کی آواز معلوم ہوتی ہے اور اتنے دلنشیں انداز میں کہی ہے کہ سننے والا اس سے اکتاہٹ محسوس کرنے کی بجائے اپنایت محسوس کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے بعض مباحث یقیناً علماء کے سمجھنے کے ہیں۔ لیکن اطمینان کی

۱۔ [بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب تعالیٰ مع جبرائیل ۔۔ الخ: ۷۴۸۵۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب إذا أحب اللہ عبدًا أمر جبرائیل وأحبہ۔۔ الخ: ۲۶۳۷]

بات یہ ہے کہ عوام کو اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا۔ مزید برآں یہ بات بھی ہے کہ پروردگار نے قرآن کریم کو نصیحت کے لیے آسان قرار دیا ہے، ہر پہلو سے نہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تیسیر کا وہ مفہوم نہیں جو تسہیل سے ذہن میں آتا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی مراد، نصب العین اور مقصد کو سامنے رکھ کر تمام لوازم سے آراستہ کر کے نہایت موزوں اور سازگار بنایا جائے۔ اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں تو تیسیر کے نقطہ نگاہ سے بھی قرآن کریم اپنی مثال آپ ہے۔ پھر اس تیسیر کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسے عربی زبان میں اتارا گیا ہے کیونکہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان عربی تھی تاکہ اسے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آسانی سے سمجھ سکیں اور اگر لوگ اسے سمجھنا چاہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں آسانی سے سمجھا سکیں اور مزید یہ کہ انسانی اصلاح کے دو ہی طریقے ہیں، ترغیب یا ترہیب۔ قرآن کریم میں ان دونوں طریقوں کے حوالے سے متقین کے لیے بشارتیں رکھی گئیں اور کافروں کو ان کے برے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

اس آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے کفار مکہ کو نصیحت کی ہے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا، جنھوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ہماری دعوت کے خلاف سازشیں کیں۔ اب ان کا وجود باقی نہیں ہے، ان کے نام و نشان ایسے مٹ گئے کہ وہ لوگ بھولی بسری داستان بن گئے ہیں، تو آپ کی قوم ان لوگوں کے انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتی اور اللہ کے حضور شرک و معاصی سے تائب ہو کر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتی؟ ارشاد فرمایا:

(وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا 37 ڌ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا

38○ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا 39○ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴾[الفرقان: ٣٧ تا ٤٠] ”اور نوح کی قوم کو بھی جب انھوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا تو ہم نے انھیں غرق کر دیا اور انھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود کو اور کنویں والوں کو اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی (ہلاک کر دیا)۔ اور ہر ایک، ہم نے اس کے لیے مثالیں بیان کیں اور ہر ایک کو ہم نے تباہ کر دیا، بری طرح تباہ کرنا۔ اور بلاشبہ یقیناً یہ لوگ اس بستی پر آ چکے، جس پر بارش برسائی گئی، بری بارش، تو کیا وہ اسے دیکھا نہ کرتے تھے؟ بلکہ وہ کسی طرح اٹھائے جانے کی امید نہ رکھتے تھے۔“

سیدنا ابوطلحہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کی لاشوں کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک گندے اور ناپاک کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا اور تیسرے دن جانے لگے تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہوئے اور انھیں (کفار مکہ کو) ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنے لگے: ”اے فلاں کے بیٹے فلاں، اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا اب تمھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے؟ پس بیشک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پا یا ہے، کیا تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے اسے سچا پایا؟“ (١)

١۔ [بخاری، کتاب المغازی، باب قتل أبی جہل: ٣٩٧٦۔ مسند أحمد: ٣/ ١٤٥، ح: ١٢٤٧٩، عن أنس (رض)]

تا قیامت: دعاؤں کا طلب گار

ڈاکٹر اسلامی ریسرچ اسکالر محمد طاہر بھٹی المالکی چک قاسم کا